راہ اسلام

ISSN: 2349 - 0950

راہ اسلام

اسلامی علوم و معارف اور علمی حقائق افکار و عقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷ / مارچ تا نومبر ۲۰۱۹

- پیغمبر اسلامؐ کی ولادت: ایک مختصر مطالعہ
- اہل سنت کی تفسیروں میں امام حسینؑ کا مقام
- قیام عاشورہ، اہل سنت کی تاریخی کتابوں میں
- واقعہ کربلا: ایک تجزیہ
- شہر کوفہ میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے خطبے کا تجزیاتی مطالعہ
- کوفہ و شام میں امام سجادؑ کے خطبوں کا تجزیہ
- امام خمینیؒ کی شاعری: ایک مطالعہ
- امام خمینیؒ اور آیت اللہ خامنہ ای کے سیاسی مشترکات

بسم الله الرحمن الرحیم

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ
لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۵﴾ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کردیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کردیتا ہے اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کردیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ:245-246-247 /مارچ تا نومبر ۲۰۱۹ سنہ

ایران کلچر ہاؤس، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون : ۳۴، ۲۳۳۸۳۲۳۲، ۳۳، فیکس : ۲۳۳۸۷۵۴۷

ichdelhi@gmail.com

http://newdelhi.icro.ir

مشاورین علمی

پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین، پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر سید علی محمد نقوی

ادارتی بورڈ

پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی، ڈاکٹر حیدر رضا ضابط، ڈاکٹر علیرضا قزوہ

چیف ایڈیٹر	:	ڈاکٹر علی ربانی
ایڈیٹر	:	پروفیسر سید اختر مہدی رضوی
جوائنٹ ایڈیٹر	:	ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری
صفحہ آرائی	:	قاری محمد یسین
ناظر اشاعت	:	حارث منصور
پریس	:	الفا آرٹ، نویڈا، یو۔پی۔

ISSN: 2349 – 0950

صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔
اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com ارسال فرمائیں۔
مقالہ، ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔
مقالہ کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔
مقالہ نگار افراد کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

فہرست

اداریہ		۱
پیغمبر اسلامؐ کی ولادت : ایک مختصر مطالعہ	مؤلف : محمد رضا انصاری مترجم : مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان	۳
اہل سنت کی تفسیروں میں امام حسینؑ کا مقام	مؤلف : محمد اسماعیل عبداللہی مترجم : مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان	۴۹
قیام عاشورہ، اہل سنت کی تاریخی کتابوں	مؤلف : ڈاکٹر سید احمد عقیلی مترجم : ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری	۶۳
واقعہ کربلا : ایک تجزیہ	مؤلف : ڈاکٹر محسن حیدر نیا مترجم : مولانا مقداد حیدر روحانی	۷۷
حسینی قافلہ کی گزرگاہیں : تاریخ کے آئینہ میں	مؤلف : محمد اسماعیل عبداللہی مترجم : بنت زینب خان	۹۱
واقعہ کربلا کی تاریخ نگاری : ایک مطالعہ	مؤلف : سینا میر شاہی مترجم : ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری	۱۰۵
امامت کے دفاع میں امام حسینؑ کے احتجاج	مؤلف : ڈاکٹر محمد رنجبر حسینی مترجم : شبیہ عباس خان	۱۱۹

شہر کوفہ میں جناب زینب (س) کے خطبہ کا تجزیاتی مطالعہ	مؤلف: سید مصطفیٰ حسینی رودباری مترجم: مولانا محمد رضا خان	۱۳۵
کوفہ و شام میں امام سجادؑ کے خطبوں کا تجزیہ	مؤلف: ڈاکٹر محمد رنجبر حسینی مترجم: مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان	۱۵۱
اصحاب حسینی کے بعض فضائل و مناقب	مؤلف: محمد اسماعیل عبداللہی مترجم: ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری	۱۶۷
امام خمینی کی شاعری: ایک مطالعہ	مؤلف: منیرہ نژاد شیخ	۲۰۲
امام خمینی اور آیت اللہ خامنہ ای کے سیاسی مشترکات	مؤلف: مہدی باقر خان	۲۱۳

اداریہ

امام خمینی(رہ) کی قیادت میں ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اسلامی نظریات کو ایک نیا رخ ملا اور اسلامی تعلیمات کے بہت سے پہلو جیسے نظریہ ولایت فقیہ کو عملی طور پر نافذ ہونے کا موقع فراہم ہوا۔امام خمینی(رہ) نے اسلامی طریقہ زندگی پر توجہ کی اور دین کو احیا کرکے عالمی سطح پر ملت مسلمہ کے وقار کو بحال کیا۔ جدید مغربی فکر، دین و سیاست کو الگ کرکے، سوشلزم اور لبرلزم جیسے سیاسی نظام کو دین کا متبادل بنانا چاہتی تھی۔ مغربی مفکرین نے دین و سیاست کی جدائی کے نظریہ کو نہ صرف یورپی ممالک کے عوام میں نافذ کیا بلکہ نام نہاد اسلامی حکومتوں کی ذریعہ مسلم ممالک میں بھی اسے پیش کیا اور عوام کو اس طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔

امام خمینی(رہ) کی تحریک، اسلام کے حقیقی اصولوں پر مبنی تھی اور اسی کے ذریعہ آپ نے ایرانی عوام کو بیدار کیا جس کے نتیجہ میں اسلامی انقلاب رونما ہوا اور اسلامی حکومت کی تشکیل ہوئی۔امام خمینی(رہ) کی اس تحریک کی وجہ سے اسلام پوری دنیا کی توجہات کا مرکز بنا۔امام خمینی(رہ) سے قبل دوسرے علماء کے درمیان بھی اس طرح کا نظریہ پایا جاتا تھا لیکن اس کا عملی نمود اور ظہور نہیں ہو سکا تھا۔امام خمینی(رہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا اور تاکید کی کہ دین اسلام ایک جامع نظام زندگی ہے اور انسانی معاشرہ کے ہر مرحلہ کے لئے اس کے پاس حکمت عملی موجود ہے۔آپ کا یہ ماننا ہے کہ اسلام نہ صرف انفرادی زندگی کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے بلکہ اس کے دامن میں انسان کی معاشرتی حیات کے لئے بھی جامع تدابیر موجود ہیں۔

دین اسلام وہ واحد دین ہے جس نے حکومت و سیاست کے مسئلہ میں بھی اپنا نظریہ پیش کیا ہے اور امام خمینی(رہ) ایرانی عوام کی حمایت اور ولایت فقیہ کے نظریہ کی بنیاد پر ایران میں ایک اسلامی حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہوئے جس کی بدولت امت اسلامیہ میں ایک نیا جوش وخروش پیدا ہوا۔

امام خمینی(رہ) کا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ دنیاوی مکاتب فکر، انسانی حیات کے مختلف پہلوؤں کو احاطہ کرنے سے قاصر ہیں اور یہ ضرورت صرف و صرف دین پوری کر سکتا ہے۔ امام خمینی(رہ) اسلامی معاشرہ کی ترقی و پیشرفت چاہتے ہیں لیکن اس ترقی کو مغربی نمونوں کے طرز پر حاصل نہیں کرنا چاہتے جس سے اسلامی شناخت اور دینی عقائد کو نقصان پہنچے بلکہ آپ اسلامی نمونوں کی بنیاد پر اس ترقی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کی نظر میں تہذیب و تمدن ہی وہ عناصر ہیں جو معاشرے کی تباہی یا ترقی کی علامت قرار پا سکتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی تہذیبی اقدار میں یقین رکھیں اور اغیار کی یلغار سے متاثر نہ ہوں۔ امام خمینی(رہ) کی نظر میں ایک تہذیب؛ علم و ادب، تعلیم و تربیت، اعتقادات، اخلاق و عمل، فکری رجحانات، قدریں وغیرہ کا مجموعہ ہے یعنی آپ کی نظر میں تہذیب میں غیر مادی عناصر کی زیادہ اہمیت ہے۔

فصلنامہ راہ اسلام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انہیں تعمیری اور انقلابی افکار و آراء پر مشتمل اسلامی معارف اور دینی تعلیمات کو بہتر سے بہتر انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کرے تاکہ اسلامی اقدار و نظریات کے سایہ میں ہم سب مل کر ایک باوقار زندگی اور اچھے معاشرہ کی تعمیر کر سکیں۔ امید ہے یہ فصلنامہ اس راہ میں ایک مثبت اور تعمیری قدم ثابت ہوگا۔

ادارہ

پیغمبر اسلامؐ کی ولادت : ایک مختصر مطالعہ

مؤلف : محمد رضا انصاری

مترجم : مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان

ہم اس مقالہ میں پیغمبر اسلامؐ کے نور پاک کی آپ کے آباواجداد طاہرین کے صلب میں منتقلی، جناب عبداللہ اور جناب آمنہ کی شادی، آپ کی پیدایش سے پہلے آپ کے والد ماجد کی وفات، آپ کے مطہر سلسلہ نسب، جناب آمنہ کو حمل کے دوران ہونے والی بشارتوں اور اس دوران ہونے والے معجزات کو بیان کریں گے۔

نور محمدی[۱]: اللہ تعالی نے نور محمدی کو آدم کے صلب میں ودیعت رکھا تاکہ مختلف صلبوں میں منتقل ہوتا رہے۔ خلقت کے پہلے دن سے ہی پیغمبر اسلامؐ کا نور جناب آدم اور آنحضرت کے دوسرے آباواجداد کی پیشانی میں نمایاں تھا۔ اس نور کی چمک اتنی زیادہ تھی کہ لوگ اسے دیکھ حیران ہوجاتے اور اس کی وجہ دریافت کرتے تھے۔

یہ نور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ جناب عبدالمطلب کے والد جناب ہاشم کے صلب میں آیا اور اس کی چمک اور زیادہ ہوگئی۔ پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کا وقت قریب آگیا تھا اور اسی لئے جناب ہاشم جہاں بھی جاتے سنگریزے اور پہاڑ ان کو پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کی بشارت دیتے۔ لوگ جناب ہاشم کی پیشانی کے نور کو دیکھ کر حیران تھے، لیکن کوئی اس کی وجہ نہیں جانتا تھا۔

۱۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۲، ۱۰۴، ۹۱، ۸۳، ۸۷، ۷۷، ۹۴، ۹۳، ۷۳، ۳۴

اس کے بعد یہ نور جناب ہاشم سے جناب عبدالمطلب اور ان سے جناب عبداللہ کی صلب میں منتقل ہوا۔ جب جناب عبداللہ پیدا ہوئے تو ان کے چہرے سے ایسا نور ساطع ہوا جس کی روشنی آسمان تک گئی اور بچپن سے ہی آپ کی پیشانی میں ایک عجیب نورانیت تھی۔ جیسے جیسے جناب عبداللہ بڑے ہوتے گئے پیشانی کے نور کی چمک بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ان کا نور رات کو فضا کو منور کر دیتا تھا۔

جناب عبداللہ اور جناب آمنہ کی شادی[۱]: جناب عبداللہ ۲۵ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ آمنہ بنت وہب کے یہاں رشتہ لیکر گئے جنھیں اس نور الٰہی کی آخری ودیعت گاہ بننا تھا۔ شادی کے بعد یہ نور جناب عبداللہ کی پیشانی سے غائب ہوگیا اور جناب آمنہ کی پیشانی پر چمکنے لگا۔ اب اس نور کی چمک اور بڑھ گئی تھی کیونکہ چھ ہزار سال انتظار کے بعد اس کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ کا نور جب جناب آمنہ کے شکم میں منتقل ہوا تو منادی نے سات آسمانوں میں ندا دی:

"بشارت دیجئے کہ محمد کا نور آمنہ کے شکم میں منتقل ہو گیا۔"

زمین پر اور دریاؤں میں بھی یہ پیغام پہنچا اور ساری مخلوقات کو یہ خبر ہو گئی کہ آنحضرتؐ کی ولادت قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب آمنہ اور ان کے فرزند کی حفاظت کے لئے ایک ملک مقرر کیا۔

جناب عبداللہ کی وفات[۲]: جناب آمنہ کے حمل کے پہلے مہینے میں، جناب عبدالمطلب کو مدینے سے ایک خط موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ آپ کی بیٹی فاطمہ کا مدینے میں انتقال ہوگیا ہے اور بہت ساری جائیداد چھوڑی ہے۔ جلدی آیئے کہ ان کی جائداد خطرے میں ہے۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)؛ اسماعیل، عماد الدین، البدایۃ والنہایۃ (ج ۲)؛ شیخ صدوق، کمال الدین و تمام النعمۃ، ص ۱۹۶؛ محمد بن یوسف صالحی شامی، سبل الہدی و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ص ۳۲۸؛ ابوالفضل شاذان بن جبرئیل، الفضائل، ص ۱۴؛ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر (ج ۱)، ص ۴۵؛ فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین و بصیرۃ المتعظین، ص ۶۷؛ سید ہاشم بحرانی، حلیۃ الابرار فی احوال محمد وآلہ الاطہار (ج ۱)، ص ۲۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۰

۲۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۱؛ الفضائل، ص ۱۴؛ عیون الاثر (ج ۱)، ص ۴۵

جناب عبدالمطلب اپنے فرزند جناب عبداللہ کے ہمراہ مدینے گئے اور دس دن وہاں قیام کیا۔ جب وطن واپسی کا ارادہ کیا تو جناب عبداللہ بیمار پڑ گئے اور پندرہ روز تک بیمار رہے۔ اللہ تعالی کی یہ مشیت تھی کہ جناب عبداللہ اپنے فرزند کی ولادت سے قبل ہی اس دنیا سے چلے جائیں اور چاند جیسے بیٹے کا دیدار نہ کر سکیں۔ جناب عبداللہ کا سولہویں دن انتقال ہو گیا اور ماں اور فرزند کو تنہا چھوڑ گئے۔ آپ کا سفر مدینہ، جناب آمنہ کے حمل کے پہلے مہینے میں اور انتقال حمل کے دوسرے مہینے میں ہوا۔

جناب عبدالمطلب اپنے جوان فرزند کے سوگ میں اتنا بے چین تھے کہ ان کو دلاسہ دینے کے لئے ہاتف غیبی کو آواز دینی پڑی:

> ”جس کے صلب میں خاتم الانبیاء کا نور تھا وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور کون ایسا ہے جسے موت کا مزہ نہیں چکھنا ہے؟“

جناب عبدالمطلب نے اپنے فرزند کو غسل دیکر سپرد خاک کیا اور ان کی قبر پر ایک قبہ بنا کر مکہ واپس لوٹ آئے۔ جب جناب عبداللہ کے وفات کی خبر جناب آمنہ کو ملی تو انہوں نے نوحہ وزاری کیا اور ان کا غم منایا اور بنی ہاشم کی عورتوں کو بھی بلایا تاکہ ان کے شوہر کے غم میں نوحہ پڑھیں اور گریہ وزاری کریں۔ جناب عبدالمطلب اپنی بہو کے پاس آئے اور انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا:

> ”اے آمنہ! محزون نہ ہو کہ میرے نزدیک تمہارا ایک عظیم مقام ہے، کیونکہ تمہارے وجود میں خاتم الانبیاء پرورش پا رہے ہیں۔“

جناب عبدالمطلب کی یہ بات سن کر، جناب آمنہ کے دل کو سکون ملا۔ جناب عبدالمطلب نے ان کی خدمت میں دو تاج پیش کئے جو عبد مناف کی یادگار تھے تاکہ وہ عبداللہ کی یاد کو زندہ رکھ سکیں۔

پیغمبر اسلامؐ کا سلسلہ نسب[۱]: جناب آدم سے لیکر جناب عبداللہ تک پیغمبر اسلامؐ کے سارے آبا و اجداد پاکیزہ نسل سے تھے اور مطہر صلبوں سے مطہر ارحام تک منتقل ہوتے رہے اور کبھی جاہلیت کے طریقے پر

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۱۰۷

نکاح نہیں کیا۔ پیغمبر اسلامؐ اور اور جناب آدم کے درمیان ۴۵ نسلوں کا فاصلہ ہے جن کے نام تاریخ میں درج ہیں۔آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب بن مُرّۃ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فِہر بن مالک بن نَضر بن خُزیمۃ بن مُدرکۃ بن طابخۃ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن مَعد بن عدنان بن اُدّ بن اُدَد بن یَسَع بن ہَمَیسَع بن سلامان بن نَبت حَمَل بن قیذار بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارُخ بن ناخور بن سَروغ بن ہود بن اَرِفَخشَد بن مُتَوَشلِخ بن سام بن نوح بن لَمَک بن ادریس بن مَہلائیل بن رَبارِز بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

زمانہ حمل کی بشارتیں[۱]: حمل کے دوران ہر مہینے ایک نبی جناب آمنہ کے پاس بشارت دینے کے لئے آتا تھا۔اسی طرح ہر مہینہ آسمان سے ایک ندا آتی تھی جو لوگوں کو اس مبارک مولود کی پیدائش کی طرف متوجہ کرتی تھی:

"بشارت دیجئے کہ محمد کی ولادت کے دن قریب آگئے ہیں۔"

پہاڑ، درخت اور آسمان بھی اس خبر کو سن کر خوش تھے اور ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد کی ولادت قریب ہے۔

جناب آمنہ فرماتی ہیں: حمل کے دوران میں نے کبھی بچے کی سنگینی کو محسوس نہیں کیا اور میں نے سنا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: تمہارے شکم میں کائنات کا بہترین فرزند ہے۔جب اس کی ولادت ہوجائے تو اس کا نام محمد، احمد اور محمود رکھنا۔

پہلا مہینہ: جناب آدم کی بشارت[۲]

جناب آمنہ کے حمل کے پہلے مہینے میں جناب آدم آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے آمنہ! تم کو بشارت ہو بہترین فرزند تمہارے شکم میں ہے۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۶۹، ۲۹۷، ۲۸۱،۲۷۱؛ البدایۃ والنہایۃ (ج ۲)، ص ۳۲۳، ۳۳۵۔ کمال الدین، ص ۱۹۶؛ سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ص ۳۲۸۔؛ الفضائل، ص ۲۴۲؛ عیون الاثر (ج ۱)، ص ۴۵

۲۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۳۲۴

دوسرا مہینہ : جناب ادریس کی بشارت اور ندائے مغفرت[1]

حمل کے دوسرے مہینے میں اللہ تعالی نے حکم دیا کہ ایک منادی زمین اور آسمان کے درمیان اور ملائکہ میں یہ ندا دے: محمد کی برکت سے اس کے لئے اور اس کی امت کے لئے مغفرت کرو۔ اسی مہینے میں جناب ادریس جناب آمنہ کے پاس آئے اور کہا: عظیم المرتبت اور گرانقدر پیغمبر تمہارے شکم میں ہے۔

تیسرا مہینہ : جناب نوح کی بشارت اور اونٹ کا سجدہ[2]

اسی مہینے میں ایک شخص شام سے مکے کی طرف آرہا تھا۔ مکے کے قریب اس کے اونٹ نے سجدے کی حالت میں اپنے سر کو زمین پر رکھ دیا۔ وہ شخص اپنی عصا سے اسے مار رہا تھا لیکن اونٹ اپنا سر نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ میں نے آج تک ایسا سرکش اونٹ نہیں دیکھا۔ ناگاہ کسی ہاتف نے آواز دی کہ:

"اے شخص جب یہ اونٹ تمہاری اطاعت نہیں کر رہا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ سارے پہاڑ، درخت اور سمندر اپنے رب کے لئے سجدہ کر رہے ہیں۔" اس شخص نے سوال کیا اس سجدے کی کیا وجہ ہے؟ جواب میں کہا گیا:

> "انشاء اللہ دیکھوگے۔ اس امت کے پیغمبر نور کو رحم مادر میں منتقل ہوئے تین مہینے ہوگئے ہیں۔ ان کی اور ان کے اصحاب کی شمشیر سے بتوں کی پرستش کرنے والوں کی خیر نہیں۔"

اس شخص نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر جب اس کے اونٹ نے سجدے سر اٹھالیا تو مکے کی طرف بڑھ گیا۔ اسی مہینے میں جناب نوح جناب آمنہ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا: تمہارے شکم میں صاحب فتح و ظفر موجود ہیں۔

۱۔ الفضائل، ص ۱۵؛ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۴ و ۳۲۴

۲۔ ایضاً

چوتھا مہینہ: جناب ابراہیم کی بشارت اور بچے کا سجدہ[۱]

حبیب نامی ایک زاہد کا مکے کے باہر ایک صومعہ تھا۔ ایک دن وہ مکے آیا۔ جب واپس اپنے گھر جانے لگا تو راستے میں ایک بچے پر نظر پڑی جو پیشانی زمین پر رکھے ہوئے سجدہ کر رہا تھا۔ وہ شخص اس کے قریب گیا تاکہ اس بچے کو زمین سے اٹھائے لیکن کسی ہاتف نے ندا دی:

"اے حبیب! اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیا تم اللہ تعالی کی مخلوقات کو زمین، دریا اور اوپر نیچے نہیں دیکھتے جو اس کا شکر ادا کرنے کے لئے سر بسجدہ ہیں، کیونکہ محمد کا نور شکم آمنہ میں آگیا ہے۔"

اسی مہینے میں جناب ابراہیم جناب آمنہ کے پاس آئے اور فرمایا: ایک بلند مرتبت پیغمبر کی ولادت مبارک ہو۔

پانچواں مہینہ: جناب داؤد کی بشارت اور راہبوں کا محراب

حبیب ایک مہینے بعد مکے آیا اور جناب عبدالمطلب کے پاس گیا اور اس بچے کا واقعہ نقل کیا۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا: اس نام کو پوشیدہ رکھو کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں۔ حبیب اپنے گھر واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا صومعہ لرز رہا ہے۔ پھر اس نے صومعہ کے محراب پر یہ لکھا ہوا پایا:

"اے زاہدو اور دیر میں رہنے والو! اللہ تعالی پر اور محمد بن عبداللہ پر ایمان لاؤ جس کا ظہور قریب ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو محمد پر ایمان لے آئے اور وائے ہو اس پر جو ا س کی مخالفت کرے۔"

یہ جملہ ہر گرجا گھر اور صومعہ کی محراب پر لکھا ہوا تھا۔ حبیب ان الفاظ کو دیکھ کر بولا: اس بات کو سر آنکھوں پر رکھتا ہوں کیونکہ میں مومن اور اللہ تعالی کا فرمانبردار بندہ ہوں اور حق کا منکر نہیں ہوں۔

اسی مہینے میں جناب داؤد جناب آمنہ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا: صاحب صفات پسندیدہ کی ولادت مبارک ہو۔

۱۔ الفضائل، ص ۱۵؛ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۴ و ۳۲۴

چھٹا مہینہ : جناب اسماعیل کی بشارت اور درخت کی آواز[1]

دور جاہلیت میں مدینے اور یمن والوں کی یہ عادت تھی کہ عید کے دن ایک بڑے سے درخت کے پاس جمع ہوتے تھے جس کا نام ذات انواط تھا۔ جناب آمنہ کے حمل کا چھٹا مہینہ تھا۔ وہ لوگ اپنی عادت کے مطابق اس درخت کے پاس جمع ہوئے اور جشن منانے لگے۔ ناگاہ درخت سے ایک خوفناک آواز سنائی دی:

> "اے لوگو! اللہ اور اس کے نبیوں پر ایمان لاؤ۔ اے اہل یمن ! اے اہل یمامہ ! اے اہل بحرین! اے بتوں کی پرستش کرنے والو! اے بتوں کو سجدہ کرنے والو! یہ جان لو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے والا تھا۔"

لوگ اس درخت کی باتوں کو سن کر خوفزدہ ہوگئے اور حیران و پریشان اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔

جناب آمنہ فرماتی ہیں: حمل کے چھٹے مہینے میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اے آمنہ ! تمہارے شکم میں کائنات کی سب سے عظیم مخلوق پرورش پا رہی ہے۔ جب اس کی ولادت ہو جائے تو اس کا نام محمد رکھنا اور اپنے مرتبے کو لوگوں سے پوشیدہ رکھو۔

اسی مہینے میں جناب اسماعیل جناب آمنہ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا: "محترم مولود کی ولادت مبارک ہو۔"

ساتواں مہینہ : جناب سلیمان کی بشارت اور زمین کی سجاوٹ[2]

اس مہینے میں سواد بن قارب جو مکے کی ایک معزز شخصیت تھے، جناب عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہا: میں نے کل خواب و بیداری کی حالت میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ملائکہ رنگارنگ لباس اور کپڑوں کے ہمراہ زمین پر نازل ہو رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں:

> "زمین کو آراستہ کرو کیونکہ محمد کی ولادت کا وقت قریب آچکا ہے۔ وہ عبدالمطلب کے پوتے اور کالے گورے، سرخ و زرد اور چھوٹے بڑے اور مرد و عورت سب کے لئے اللہ

۱۔ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۵ و ۳۲۴؛ الفضائل، ص ۱۶؛ ابوالفرج نورالدین علیبن ابراہیم بن احمد حلبی شافعی، انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون (سیرہ حلبیہ)، ص ۷۰

۲۔ الفضائل، ص ۱۶؛ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۵ و ۳۲۴

تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ صاحب شمشیر اور خوفناک تیر ہیں۔ میں نے ملائکہ سے سوال کیا وہ عظیم شخصیت کون ہے؟ جواب ملا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔"

جناب عبدالمطلب نے سواد سے کہا: اپنے خواب کو پوشیدہ رکھو اور کسی سے بیان نہ کرو۔ آگے دیکھتے ہیں کیا پیش آتا ہے۔

اسی مہینے میں جناب سلیمان جناب آمنہ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا: صاحب برہان کی ولادت مبارک ہو۔

آٹھواں مہینہ: جناب موسیٰ کی بشارت اور مچھلی کا واقعہ

جناب آمنہ حمل کے آٹھویں مہینے میں تھیں۔ اسی مہینے میں ایک بہت بڑی مچھلی سمندر میں حرکت میں آئی جس سے سمندر میں لہریں اٹھیں۔ اس مچھلی نے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق کرکے یہ حکم دیا کہ جب محمد کی ولادت ہو جائے تو اس کے لئے اور اس کی امت کے لئے استغفار کروں۔ ابھی میں نے سنا کہ ملائکہ آپ کی ولادت کو ایک دوسرے کو بشارت دے رہے ہیں، لہٰذا میں نے بھی حرکت کی اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحلیل شروع کر دی۔ استحیائیل نام کے ایک ملک نے مجھ سے کہا: سکون سے رہو اور استغفار کرو کیونکہ آپ کی ولادت قریب ہے۔"

اسی مہینے میں جناب موسیٰ جناب آمنہ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا: کریم پیغمبر کی ولادت مبارک ہو۔

نواں مہینہ: جناب عیسیٰ کی بشارت اور ملائکہ کا نزول[1]

حمل کے آخری مہینے میں آسمان پر عجیب طرح کا غوغا تھا اور تاروں میں تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ ان کو آرام و قرار نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرے کے قریب جاتے اور پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کی مبارک باد دیتے۔ ولادت باسعادت کے ایک مہینے پہلے آسمان کی یہ حالت تھی۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۸۶ و ۳۲۴؛ الفضائل، ص ۱۷

اسی مہینے میں اللہ تعالی نے فرشتوں سے فرمایا کہ زمین پر جاؤ۔ دس ہزار فرشتے زمین پر آئے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک مشعل تھا جس پر لکھا ہوا تھا: لاالہ الا اللہ، محمد رسول اللہ۔

ان فرشتوں نے اپنی مشعلوں کے ہمراہ اطراف مکے کے صحراؤں میں قیام کیا۔ ایک ہاتف نے آواز دی: "یہ محمد کا نور ہے۔" کچھ لوگوں نے مشعل اور آواز سننے کی بات کو جناب عبدالمطلب سے بیان کیا۔ انہوں نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔

اسی مہینے میں حضرت عیسی جناب آمنہ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا: "صاحب گفتار راستین اور لسان فصیح کی ولادت مبارک ہو۔"

اس طرح زمانہ حمل کے یہ نو مہینے ختم ہوگئے جس کا ہر دن ایک معجزہ تھا اور اللہ تعالی نے جناب آمنہ اور ان کے فرزند کی حفاظت فرمائی۔

آنحضرتؐ کی ولادت کی پیشینگوئی

تمام پیغمبران الہی نے آنحضرت کی ولادت اور ظہور کی خبر دی ہے اور تمام آسمانی کتابوں میں حضرت کے ظہور کی بشارت دی گئی ہے۔ انبیاء کی چھ ہزار سالہ تاریخ میں سارے انبیاء عالم بشریت کے پہلے شخص کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے۔

نور محمدی جب بطن جناب آمنہ میں منتقل ہوا تو آپ کی ولادت کی خبر ہر سو سنائی دی اور لوگ اس سے باخبر ہوگئے۔ ہر جگہ آپ کی ولادت کی پیشینگوئی کی گئی۔ ہم یہاں پر صرف یمامہ، یمن اور مکہ میں ہونے والی پیشنگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

سرزمین یمامہ میں سطیح کاہن کی پیشینگوئی[۱]: یمامہ میں سطیح نام کا ایک کاہن رہتا تھا جس کے پاس بہت سے ممالک کے بادشاہ اپنی پریشانیوں کے حل کے لئے جاتے تھے۔ جناب عبداللہ اور جناب آمنہ کی شادی کو کچھ ہی دن ہوئے تھے۔ ایک روز سطیح آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ناگاہ اسے کوئی غیر معمولی منظر دکھائی دیا۔ اس نے دیکھا کہ تارے دن میں نکل آئے ہیں اور ان سے آگ اور دھواں اٹھ رہا ہے اور بعض تارے

۱۔ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۹۹ و ۳۲۳

ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ اس کو تعجب ہوا۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ رات کے وقت اسے پہاڑ پر لے جائیں۔

رات کے وقت سطیح کو پہاڑ پر لے جایا گیا۔ اس نے وہاں سے چمکتے نور دیکھے۔ اس نے غلاموں سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو کیونکہ میں ان انوار میں عظیم علامتیں پاتا ہوں۔ اس سے سوال کیا گیا اے سطیح زمین و آسمان کو کیسا پایا؟ اس نے جواب دیا:

> "میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ نور آسمان سے زمین پر نازل ہو رہے ہیں۔ میرا گمان یہ ہے کہ وہ نور اس مادر ہاشمی کے بطن میں منتقل ہو گیا ہے اور اس کی ولادت قریب ہے۔ اگر اس کی ولادت قریب ہے تو وائے ہو مجھ پر۔"

سطیح ساری رات ان انوار اور تاروں کے بارے میں سوچتا رہا۔ دوسرے دن اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور کہا: اے لوگو! کوئی عظیم واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ کیونکہ میں کچھ نشانیاں دیکھ رہا ہوں لیکن اس واقعے کی مجھے خبر نہیں اور میں ان انوار کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں دوسرے کاہنوں کو خط لکھتا ہوں اور ان سے اس بارے میں دریافت کرتا ہوں۔

سطیح نے دوسرے کاہنوں کو خط لکھا۔ اس نے وَشَق نامی ایک بڑے کاہن کو بھی خط لکھا اور اس سے ان نوروں کے بارے میں دریافت کیا۔ وشق نے اس کے جواب میں لکھا: میں نے بھی کچھ نشانیاں دیکھی ہیں لیکن ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

سرزمین یمن میں زرقاء کاہنہ کی پیشینگوئی: یمن میں زرقاء نامی ایک ملکہ رہتی تھی جس کا شمار زمانہ کے بڑے کاہنوں اور جادوگروں میں ہوتا تھا۔ سطیح نے اسے بھی خط لکھا اور آسمان میں اس طرح کی علامتوں کے ظاہر ہونے کا سبب دریافت کیا۔ زرقاء نے خط کو پڑھا اور کہا: یہ نور محمد نامی ایک شخص سے متعلق ہے جو آل عبد مناف میں سے ہے اور عنقریب نبی بننے والا ہے۔ پھر اس نے سطیح کو اس طرح جواب لکھا:

> "جان لو کہ آسمان سے ستاروں کا نازل ہونا اس ہاشمی کی ولادت کے قریب ہونے کی وجہ سے ہے۔ میرے خط کو پڑھتے ہی مکے کی طرف جاؤ۔ میں بھی وہیں جا رہی ہوں تا کہ

حقیقت کا پتہ چل جائے۔ مکے میں ہم ایک دوسری کی مدد سے اس مولود کے نور کو چمکنے سے قبل ہی خاموش کر دیں گے۔"

سطیح نے زرقاء کا جواب ملتے ہی سفر کی تیاری کی اور بہت رویا۔ پھر اس نے کہا: میں اس آگ کی طرف جارہا ہوں جو شعلہ ور ہونے والی ہے۔ اگر اس آگ کو بجھا سکا تو یمامہ واپس آؤں گا اور اگر یہ کام انجام نہ دے سکا تو اسی وقت میں تم سے خداحافظی کرتا ہوں کیونکہ میں اس کے بعد شام چلا جاؤں گا اور مرتے دم تک وہیں رہوں گا۔

مکہ میں سطیح کی پیشینگوئی: سطیح اپنی قوم کو وداع کرکے یمامہ سے مکے کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مکے پہنچا۔ قریش کے کچھ لوگ ایک جگہ جمع تھے۔ سطیح اسی طرف گیا۔ سطیح کو اس طرح اچانک اور بے خبر مکے میں دیکھ کر لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے سوٗال کیا: اے سطیح! کون سا عظیم امر تمہیں یہاں کھینچ لایا؟ سطیح نے جواب دیا: تمہارا خاندان بابرکت ہوگیا ہے۔

انہوں نے سطیح کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی، لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور جواب میں کہا: مجھے قریش میں عبد مناف کی نسل کے سب سے بافضیلت شخص یعنی عبدالمطلب کی تلاش ہے۔

ابو جہل کو یہ بات بری لگی کہ اس کے اور قریش کے دوسرے بزرگوں کے ہوتے ہوئے، سطیح ان سے بے توجہی برتتے ہیں اور صرف عبدالمطلب سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں جو اس بزم میں موجود بھی نہیں ہیں۔

سطیح کے آنے کی خبر خاندان عبد مناف تک پہنچی اور جناب ابوطالب اپنے بھائیوں کے ہمراہ اس کے پاس آئے۔ سطیح خانہ کعبہ کے سایے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی وہ لوگ کعبے سے کچھ فاصلے پر تھے کہ جناب ابوطالب نے اپنی قیمتی شمشیر اپنے غلام کو دیا اور کہا: اسے میری طرف سے سطیح کو تحفے میں پیش کرو۔ غلام سطیح کے پاس پہنچا اور اسے خوشامدید کہا۔

سطیح نے اس سے سوال کیا: عرب کے کس قبیلے سے تمہارا تعلق ہے؟

ابوطالب نے اس کے علم کو آزمانے کے لئے جواب دیا: ہم بنی جمح سے ہیں۔

سطیح نے کہا: قریب آؤ اور اپنے ہاتھ کو میرے چہرے پر رکھو!

جناب ابوطالب قریب گئے اور اپنا ہاتھ سطیح کے چہرے پر رکھا۔ سطیح نے کہا:

"تم صاحب اخلاق کریم ہے۔ تمہیں نے ایک غلام کے ذریعے میرے لئے ایک شمشیر تحفے میں بھجوائی۔ تمہارا خاندان بہترین خاندان اور تمہاری اور تمہارے بھائی کی نسل بہترین نسل ہے۔ تم اور تمہارے ساتھی سب نسل ہاشم سے ہو۔ بے شک تم اس نبی کے چچا ہو جس کا ذکر پرانی کتابوں میں آیا ہے۔ میں تم کو پہچانتا ہوں اور تم اپنی نسل کو مجھ سے نہ چھپاؤ۔"

ولادت سے قبل محمدؐ اور علیؑ کے بارے میں خبر: جناب ابوطالب نے فرمایا: اے سطیح! شمشیر کے سلسلے میں تم نے صحیح کہا اور اچھے اوصاف بیان کئے۔ ہم چاہتے ہیں اس زمانے کے حالات ہم سے بیان کرو۔ سطیح نے جناب عبداللہ کی طرف اشارہ کرکے کہا: اس شخص کی نسل سے عنقریب ایک نبی ظاہر ہوگا جو وحدانیت کی دعوت دے گا اور ایک شخص اس کی مدد کرے گا جو اس کا چچازاد بھائی ہوگا۔ بے شک اس فرزند کا باپ تو ہی ہے۔

لوگوں نے کہا: اے سطیح ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس نبی کی کچھ صفات بیان کریں۔ سطیح نے آنحضرت کے صفات بیان کئے اور کہا کہ اس کا نام توریت و انجیل میں مشہور ہے۔ آسمان میں اس کا نام احمد اور زمین پر محمد ہوگا۔

ابوطالب نے کہا: "اے سطیح! اس شخص کے اوصاف بیان کرو جس کے بارے میں تو نے بتایا کہ اس کی مدد کرے گا اور اس کا قریبی رشتہ دار ہے۔"

سطیح نے جناب امیرالمومنینؑ کے اوصاف بیان کئے اور آپ کو ایک بہادر شیر کے نام سے یاد کیا اور لوگوں کو پیغمبر کے بعد ان کے وصی ہونے کے بارے میں بتایا۔ پھر کہا: "اس کا نام توریت میں بریّا، انجیل میں ایلیا اور عرب میں علی ہے۔"

پھر ایک لمحے کے لئے اس نے کچھ سوچا۔ پھر ابوطالب سے کہا: اے مرد بزرگوار! اپنے ہاتھ کو دوبارہ میرے چہرے پر رکھو۔ ابوطالب نے اپنے ہاتھ کو سطیح کے چہرے پر رکھا۔ سطیح نے جناب عبداللہ اور ابوطالب کے نام بتائے جب کہ کسی نے ان کے نام اسے نہیں بتائے تھے۔ پھر اس نے کہا:

"اے ابوطالب ! اپنے بھائی عبداللہ کا ہاتھ پکڑو کہ تمہارا خوش قسمتی کا تارہ طلوع ہو چکا ہے۔ تم دونوں کا بہت بڑا مقام ہے کیونکہ محمد تمہارے بھائی کا اور علی تمہارا فرزند ہے۔"

ابو جہل کا اعتراض: سطیح کی یہ خوش خبری بہت جلد سارے قریش والوں کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس کی باتیں ابو جہل کو گراں گزریں۔ اس نے بلند آواز میں کہا:

"اے لوگو ! قبیلہ قریش میں بنی ہاشم ایک بار پھر برتری حاصل کر رہے ہیں اور ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا ہے۔ اس پیغمبر اور اس کے وزیر کے بارے تم نے سطیح کی پیشینگوئی کو سنا جو ہمارے دین کو فاسد کریں گے۔"

اسی درمیان جناب ابوطالب کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"قریش والو ! شک نہ کرو اور جو سنا اسے انکار نہ کرو کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ رتبہ میں ہم سب سے اعلیٰ ہیں۔ چاہ زمزم کو ہم نے کھودا ہے۔ خدا کی قسم ! سطیح جھوٹا نہیں ہے اور اس کی باتوں میں دلیل و برہان ہے۔"

ابو جہل کی سازش: سطیح کی باتیں پورے مکے میں پھیل گئیں۔ دوسرے دن صبح سویرے ابو جہل گھر سے نکلا اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ اس جگہ پہنچا جہاں لوگ جمع ہوتے تھے۔ سورج چڑھنے کے بعد جب بھیڑ جمع ہو گئی تو ابو جہل کھڑا ہوا اور لوگوں کو مخاطب کیا:

"اے لوگوں ! کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارا دین ختم ہو جائے؟ خدا کی قسم ! ان بھاری پتھروں کو سمندر تک لے جانا آسان ہے بنسبت اس خبر کے جو سطیح اس پیغمبر کے بارے میں دے رہا ہے جو ہمارے باپ داداؤں کے دین کو ختم کر دے گا۔ اگر تم اس بات پر راضی ہو تو مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں اور میں تمہارے شہر سے چلا جاتا ہوں، کیونکہ تم لوگوں نے ذلت و خواری کو پسند کر لیا اور تم سے دور رہنا تمہارے ساتھ رہنے سے بہتر ہے۔"

پھر وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا باہر نکلا اور مکے کے صحراؤں میں چلا گیا۔ اس کے دوست اور قریبی اس کے پاس پہنچے اور کہا: تم ہمارے بزرگ ہو۔ جو تمہاری رائے ہوگی ہم اسے مان لیں گے۔ ابو جہل جو اسی جملے کا منتظر تھا واپس آیا اور بولا:

"میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم سب ابوطالب کے گھر جاؤ اور ان کو سطیح کے سلسلے میں ملامت کرو اور ان سے کہو یا تو سطیح کو ہمارے حوالے کر دیں یا وہ ہمارے شہر سے چلا جائے۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں مانا تو شمشیر اور موت ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

جناب ابوطالب اور ابو جہل کا مقابلہ: جناب ابوطالب کو یہ خبر ملی کہ ابو جہل اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے درمیان ان کے اور سطیح کے بارے میں یہ باتیں کر رہا ہے۔ جناب ابوطالب نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنی تلواروں کو اٹھاؤ اور جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

پھر آپ اس جگہ پہنچے جہاں ابو جہل اور اس کے ساتھی موجود تھے۔ آپ کی ہیبت کو دیکھ کر سب گونگے ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ جناب ابوطالب مجمع کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور مجمع کے بیچ میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا:

"اے زمزم و صفا کے باشندو! اے ابو قبیس اور حرا کے رہنے والو! تم میں سے کون عبدالمطلب کے خاندان کی برائی کر رہا ہے؟ یہ جان لو کہ ایسا شخص مبعوث ہوگا جس کے اوصاف تمام انبیاء کی کتابیں اور توریت و انجیل میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ اس دنیا میں آئے گا اور اس کے زمانے میں کوئی اس کے برابر کا نہ ہوگا۔ وہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوگا جس کے وجود میں نور موجزن ہوگا۔"

پھر آپ کعبے کی طرف گئے اور مجمع بھی آپ کے پیچھے پیچھے تھا سوائے ابو جہل کے جو ذلت و خواری کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا تھا۔ جب کعبے کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا:

"اے کعبہ و حرم کا معبود ! تیری تقدیر یہ ہے کہ اس پیغمبر کے ذریعے جس کی بشارت سطیح نے دی ہے ہماری شرافت و عزت میں اضافہ فرمائے۔ پالنے والے ! اس امر کی نشانیوں کو جلد ظاہر فرمااور دشمنوں کے مکر وفریب سے کو ہم سے دور کر۔"

پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کے بارے میں سطیح کی پیشینگوئی: جناب ابوطالب اس خطاب کے بعد کعبے کے پاس بیٹھ گئے اور لوگ ان کے ارد گرد جمع تھے۔ منبہ بن حجاج نامی ایک شخص اٹھا اور لوگوں کو مخاطب کیا:

"اے ابوطالب ! آپ نے اپنی عزت کو ہم پر ظاہر کر دیا اور اپنے نور کو پہنچا دیا۔ سب جانتے ہیں کہ آپ صاحب شرافت ہیں اور قبیلوں کے سردار بھی آپ کے فضائل سے واقف ہیں۔ اس کے باوجود آپ کاہنوں کی باتوں پر یقین کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ شیطان کے پیروکار ہیں اور جھوٹی باتیں ہم سے بیان کرتے ہیں۔ آپ پر لازم ہے کہ سطیح کو ہمارے حوالے کریں یا پھر اس کی باتوں کے لئے کچھ نشانی ظاہر کریں، کیونکہ نبوت کے کچھ آثار اور دلائل ہوتے ہیں جن کے بغیر کوئی عقلمند اس بات کو قبول نہیں کرے گا۔"

جناب ابوطالب نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سطیح کی باتیں درست ہیں اسے وہاں لانے کا حکم دیا۔ سطیح نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا:

"اے اہل قریش ! تمہارا آپسی اختلاف بڑھ گیا ہے اور تمہارے دلوں میں غلط باتیں ہیں۔ تم عبد مناف کی اولاد کو اپنی زبان سے جھٹلاتے ہو اور جب وہ حقیقت بیان کرتے ہیں تو ان کی ملامت کرتے ہو؟ تم نے مجھے بلایا ہے تاکہ مجھ سے نبوت کی دلیلوں کے بارے میں سوال کرسکو اور میں بتوں کو توڑنے والے اور کاہنوں اور ساحروں کو ذلیل کرنے والے اس طاہر اور پاکیزہ پیغمبر کے سلسلے میں گفتگو کروں۔ خدا کی قسم ! اس کے ظہور سے ہرگز ہم خوش نہیں ہوں گے کیونکہ اس کی ولادت کے وقت کاہنوں کی منزلت ختم ہوجائے گی۔ اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جب وہ اس دنیا میں آئے گا تو پھر سطیح کے زندہ رہنے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور اس دن وہ موت کی خواہش کرے گا اور وہ خواہش بہت ہی قریب ہے۔"

تم اپنی بیویوں کو یہاں لاؤ تا کہ اس سے بھی عجیب بات تم پر ظاہر کروں جس میں ہر گز جھوٹ نہیں ہے۔ عورتوں کو میرے سامنے سے گذارو تا کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ محمد کس کے بطن میں ہیں!

حامل ختم نبوت خاتون کے بارے میں اطلاع: سطیح کی باتیں سن کر لوگ اپنی اپنی بیویوں کو لیکر آئے۔ جناب ابوطالب جناب عبداللہ کے پاس آئے اور فرمایا: اپنی بیوی کو نہ لانا اور وہ خود بھی جناب فاطمہ بنت اسد کو ساتھ نہیں لائے۔ ساری عورتیں سطیح کے سامنے سے گذریں اور وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔ ساری عورتیں گذر گئیں لیکن وہ کچھ نہیں بولا اور خاموش رہا۔

دشمن کسی بہانے کی تلاش میں تھا۔ انہوں نے کہا اے سطیح! زبان پر تالا کیوں لگ گیا ہے۔ کیا اپنی بات کو غلط سمجھ رہے ہو۔

سطیح نے آسمان کی طرف رخ کرکے کہا:

> "خدا کی قسم! میری بات غلط نہیں ہو سکتی۔ کعبے کی قسم! تمہاری دو عورتیں یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک کے بطن میں محمد ہیں اور دوسرے کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام امیرالمومنین علی ہوگا اور وہی ہیں وارث علوم انبیاء اور آقائے اوصیاء۔"

جب سطیح نے یہ بات بیان کی تو جناب ابوطالب اور جناب عبداللہ گھر تشریف لے گئے اور جناب آمنہ اور جناب فاطمہ بنت اسد کو ساتھ لیکر آئے۔ جب وہ سطیح کے قریب پہنچیں تو سطیح نے روتے ہوئے جناب آمنہ کی طرف اشارہ کیا اور بلند آواز میں جناب ابوطالب سے کہا: اے صاحب شرافت! خدا کی قسم نور محمد اسی خاتون کے بطن میں ہے۔

جب جناب آمنہ سطیح کے قریب پہنچیں تو اس نے سوال کیا: کیا آپ حاملہ نہیں ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر سطیح نے قریش کو مخاطب کیا:

> "اب میرے دل کو سکون ملا۔ یہ خاتون عرب و عجم کی عورتوں کی سردار ہیں، کیونکہ وہ سب سے بلند مرتبت انسان کے نور کی محافظ ہیں۔ وائے ہو عرب پر عنقریب پیدا ہونے والے اس مولود سے۔ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا وہ مارا جائے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان لے آئیں۔"

سطیح نے جناب فاطمہ بنت اسد کی طرف ایک نظر دیکھا اور بیہوش ہوگیا۔ اسے ہوش میں لایا گیا۔ وہ رو رہا تھا اور پھر اس نے بلند آواز میں کہا:

"خدا کی قسم ! یہ فاطمہ بنت اسد ہیں۔ وہی اس امام کی ماں ہیں جو بتوں کو توڑے گا اور وہی اس امیر کی ماں ہیں جو عرب کے بہادروں کو قتل کرے گا۔ اس کا نام امیر المومنین علی رکھا جائے گا۔ کتنے ہی پہلوانوں کو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں جو اس کی تلوار کے ضرب سے خاک پر پڑے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ وہ اسی پیغمبر کا چچازاد بھائی ہے جس پر اللہ تعالی کا درود و سلام ہو۔"

ولادت سے قبل سازش

پیغمبر اسلامؐ کے دشمنوں نے آپ کی ولادت سے قبل ہی آپ کو آپ کی والدہ گرامی کے ہمراہ قتل کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالی ہمیشہ اس باعظمت نور کی حفاظت کرتا رہا۔ ایک سازش تو ابوجہل کی تھی جو آسمانی معجزے کے ذریعے ناکام ہوئی اور دوسری سازش زرقائے یمانی کی تھی جس نے جناب آمنہ کی مشاطہ کی مدد سے آپ کو قتل کرنا چاہا لیکن دست قدرت نے اس سازش کو بھی ناکام بنادیا۔ ہم انہیں دو واقعات کا یہاں پر ذکر کرتے ہیں:

جناب آمنہ اور فاطمہ بنت اسد کے قتل کے لئے ابو جہل کی سازش: سطیح نے پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کی ولادت سے متعلق کچھ باتیں لوگوں کو بتائیں لیکن اہل قریش اس کی باتوں کو برداشت نہ کرسکے اور شمشیر سے اس پر حملہ کردیا۔ بنی ہاشم اور قریش کے کچھ اور لوگوں نے انہیں روکا۔ ابوجہل اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ چلا رہا تھا: مجھے راستہ دو تاکہ میں اس کاہن کے پاس جاؤں اور اسے قتل کرکے اپنے دل کو سکون پہنچاؤں۔

جناب ابوطالب نے اس پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا:

"وائے ہو تجھ پر اے عرب کے ذلیل ترین شخص! تمہارے جیسا یہ باتیں کہہ رہا ہے جب کہ تیرا نام سب سے زیادہ ذلیل ہے۔"

پھر آپ نے تلوار سے ابو جہل پر ایک ضرب لگائی۔ لوگ آپ کے اور ابو جہل کے بیچ میں حائل ہو گئے ہے لیکن اس کے باوجود تلوار کی نوک ابو جہل کے سر پر لگی اور خون جاری ہو گیا۔ ابو جہل جو پہلے سے زیادہ ذلیل ہوا تھا چلایا:

"اے قبیلوں کے بزرگو! کیا تم ذلت و خواری کو سہنے کے لئے تیار ہو؟ سطیح، آمنہ، فاطمہ اور بنی ہاشم پر حملہ کرو اور انہیں قتل کردو اور ان کے فتنے کو خاموش کردو۔"

ابو جہل کے ساتھیوں نے جو اسی حکم کے منتظر تھے، سطیح پر حملہ کردیا۔ بنی ہاشم نے بھی نیام سے تلواریں نکال لیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ عورتوں نے کعبے میں پناہ لیا۔ جناب آمنہ فرماتی ہیں: میں نے تلواروں کو دیکھا جو میرے آس پاس چل رہی ہیں اور مجھے قتل کرنا چاہتی ہیں تو مجھے اضطراب ہوا اور میرے شکم میں جو بچہ تھا اس میں جنبش پیدا ہوئی اور میں نے رونے کی آواز سنی۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک آواز آئی جس سے سب کی عقل زائل ہو گئی اور حملہ آور مرد اور عورتیں مردے کی طرح منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

میں نے اوپر کی طرف رخ کیا تو دیکھا کہ آسمان کے دروازے وا ہو گئے ہیں اور ایک گھوڑ سوار جس کے ہاتھ میں آگ کا ایک گرز ہے نیچے آرہا ہے اور یہ ندا دے رہا ہے کہ: اللہ تعالی کے پیغمبر تک تمہاری رسائی ممکن نہیں۔ میں ان کا بھائی جبرئیل ہوں۔ اس وقت مجھے سکون ملا اور سب کو میرے بیٹے محمد کی نبوت پر دلیلیں مل گئیں۔

ولادت کے سلسلے میں سطیح کی آخری پیشینگوئی: حملہ آور زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ بنی ہاشم اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ جناب ابوطالب نے جناب عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور کعبے کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالی کی کرامتوں اور بشارتوں کے سلسلے میں گفتگو کرنے لگے۔ حملہ آور تین گھنٹے تک زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ہوش آنے کے بعد وہ لوگ متفرق ہو گئے۔ منبہ بن حجاج جناب ابوطالب کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"تم عظیم مرتبت ہو، لیکن ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ سطیح کو ہمارے پاس سے ہٹا دیجئے۔ اگر سطیح کی باتیں درست ہیں تو عبداللہ کے فرزند محمد کی مدد کرنے کے لئے ہم زیادہ مستحق ہیں۔"

جناب ابوطالب نے اس کی غلطی کو معاف کر دیا اور کہا: تمہاری ناپسندیدگی کی وجہ سے میں اسے یہاں سے لے جاتا ہوں لیکن عنقریب اس کی باتوں کی صداقت ظاہر ہو جائے گی۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ سطیح کو حاضر کیا جائے۔ آپ نے سطیح سے پوچھا کیا تم جانتے ہو تمہیں کس لئے بلایا ہے؟ سطیح نے جواب دیا:

"ہاں! تم نے مجھے یہاں بلایا ہے تاکہ مجھ سے یہ کہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور تمہاری آبادی سے دور ہو جاؤں۔ میں خود جارہا ہوں۔ اے لوگو! جب اس بشیر و نذیر کی ولادت ہو تو میرا اسلام اس تک پہنچانا اور یہ کہنا کہ سطیح نے تمہاری ولادت کی خبر دی تھی لیکن ہم نے اسے جھوٹا کہا اور اپنے پاس سے اسے بھگا دیا۔ یہ جان لو کہ تمہارے پاس بشارت دینے والی ایک عورت آئے گی جو مجھ سے زیادہ علم رکھتی ہے اور وہ یہیں زندگی گزارے گی۔"

اس کے بعد سطیح بنی ہاشم سے خداحافظی کر کے اونٹ پر سوار ہوا اور مکے سے نکل گیا۔

مکہ میں زرقائے یمانی کی پیشینگوئی: سطیح کے جانے کے کچھ گھنٹوں بعد لوگوں نے ایک گھوڑ سوار کو دیکھا جو تیزی سے چلا آرہا ہے۔ کسی نے کہا یہ یمن کی کاہنہ اور جادوگر زرقاء ہے جو سطیح کے قول کے مطابق ہمارے پاس آرہی ہے۔ ابھی اس کی باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ زرقاء مجمع کے قریب پہنچ گئی اور بلند آواز سے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اے قریش کے لوگو! میں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا، اپنے ملک کو خیر باد کہا اور شہر بہ شہر پھرتی رہی۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ تمہارے پاس آؤں اور ایک ایسی خبر تمہیں دوں جس کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے۔ بہت جلد تمہارے شہر میں عجیب باتیں رونما ہوں گی۔ اگر تم اجازت دو تو گھوڑے سے اتروں ورنہ واپس چلی جاؤں۔"

اہل قریش نے اس سے گھوڑے سے نیچے آنے کی درخواست کی اور پوچھا: کیا تم وہی سطیح والی باتیں بیان کرنا چاہتی ہو؟ زرقاء نے جواب دیا:

"میں آئی ہوں تاکہ تمہیں بشارت دوں اور تمہیں ڈراؤں۔ یہ خبر اور خوف صرف میرے لئے نہیں ہے بلکہ میرے اور تمہارے دونوں کے لئے ہے۔ یہ جان لو کہ اس شخص

کے ظہور کا وقت قریب ہوگیا ہے جو اسی سرزمین سے متعلق ہے اور اللہ کا بھیجا ہوا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ اس کا نام محمد ہے۔ایک ایسا شخص اس کی مدد کرے گا اور اس کا دست و بازو بنے گا جو نسب میں اس سے سب سے قریبی ہوگا، وہ بہادروں سے مقابلہ کرنے والا اور گرجنے والے شیر کی طرح ہے۔ اس کا نام علی ہے اور اس کے بازو بہت مضبوط ہیں۔ لیکن میرے لئے آگ بہتر ہے اس دنیا کی ذلت و خواری سے۔ میں ہرگز اس پیغمبر پر ایمان نہ لاؤں گی۔ یہ بھی جان لو کہ سطیح نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔"

مجمع سطیح کا نام سن کر خاموش ہوگیا۔ زرقاء نے ابوطالب اور عبداللہ پر ایک نظر ڈالی اور کہا: اے عبداللہ! وہ نور جو تمہاری پیشانی پر تھا کیا ہوا؟ عبداللہ نے جواب دیا وہ نور میری بیوی کی پیشانی میں منتقل ہوگیا ہے۔ زرقاء نے کہا: بے شک آمنہ اس نور کی حفاظت کی مستحق ہیں۔

پھر اس نے چلا کر کہا: اے عزت و شوکت والو! یہ جان لو کہ اس کی ولادت قریب ہے۔ اب یہاں سے جاؤ اور کل صبح دوبارہ آؤ تا کہ میں ان باتوں کو بیان کروں۔ لوگ اس کی باتوں کو سن کر متفرق ہوگئے۔

پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں سطیح اور زرقاء کی گفتگو: رات کا ایک پہر گذر چکا تھا جب زرقاء سطیح کے پاس گئی جو مکے کے باہر خیمہ زن تھا۔ اس نے سطیح سے کہا اس سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ سطیح نے جواب دیا: میں نے بہت عجیب چیزیں دیکھی ہیں کیونکہ پیغمبر کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ پھر سطیح نے مکے میں اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو زرقاء سے بیان کئے۔ زرقاء نے اس سے سوال کیا تم مجھے کیا نصیحت کرتے ہو؟ سطیح نے جواب دیا:

"میری عمر بہت زیادہ ہے اور اگر ذلت کا خوف نہ ہوتا تو کہتا کہ مجھے اس زندگی سے چھٹکارا دے دیا جائے۔ لیکن میں شام جاؤں گا اور وہیں رہوں گا یہاں تک کہ مجھے بخار آئے اور ان کی ولادت سے پہلے ہی مر جاؤں۔ مجھ میں ان کی مخالفت کرنے کی ہمت نہیں ہے اور ان کے دور میں زندہ نہیں رہنا چاہتا کیونکہ اللہ تعالی ان کی حمایت کرے گا اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوگا۔"

زرقاء نے کہا: تمہارے مددگار کہاں ہیں؟ وہ کیوں تمہاری مدد نہیں کرتے تاکہ آمنہ کو ان کے بچے کی ولادت سے پہلے ہی قتل کر دیں؟

سطیح نے جواب دیا:

"اے زرقاء! کیا کوئی آمنہ پر تعرض کر سکتا ہے؟! لطیف و خبیر پروردگار اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میں اور میرے ساتھی ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے اور تمہیں بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ آمنہ کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ کیونکہ زمین و آسمان کا خدا ان کا محافظ ہے۔ اگر میری نصیحت کو نہیں مانتی تو مجھے معاف کرو کہ میں تمہاری اس بات سے متفق نہیں ہوں، کیونکہ ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔"

زرقاء اس کی یہ بات سن کر مکے واپس آئی اور صبح تک جاگتی رہی اور اپنے ان کاموں کو آگے بڑھانے کے بارے میں سوچتی رہی۔

ولادت سے قبل نور محمدیؐ کی چمک: صبح کے وقت زرقاء محلّہ بنی ہاشم میں گئی اور کہا: اللہ آج آپ کو نعمتوں سے نوازے! جب وہ شخص جس کا بیان توریت و انجیل میں ہوا ہے ظہور کرے گا تو وائے ہو اس پر جو اس کی مخالفت کرے اور بہت خوش قسمت ہے وہ جو اس کا پیروکار بن جائے۔ وہ پیغمبر تم میں سے ہے۔

بنی ہاشم اس کی باتوں سے خوش ہوئے۔ جناب ابوطالب نے کہا: اگر تمہاری کوئی خواہش ہے تو بیان کرو تاکہ پوری کر دی جائے۔ زرقا نے جواب دیا: میں آمنہ کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ اسے آمنہ کے گھر لے جایا گیا۔ جب آمنہ نے دروازہ کھولا تو ان کی پیشانی سے ایک نور ساطع ہوا جسے دیکھ کر زرقاء حیرت زدہ ہو گئی اور حسد و غصے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ پھر وہ گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے لئے کھانا لایا گیا لیکن اس نے نہیں کھایا اور کہا: تمہارا بچہ بہت عجیب ہے اور عنقریب سارے بت ٹوٹ جائیں گے اور ان کی عبادت کرنے والے پر ہلاکت سایہ فگن ہو گی۔

پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کے سلسلے میں اجنہ کی پیشینگوئی: پھر زرقاء ان کے گھر سے اس حالت میں باہر نکلی کہ اپنے ذہن میں آمنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ وہ روز سطیح کے پاس جاتی اور اس سے

مدد مانگتی لیکن سطیح نے اس کے کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ کچھ دن اسی طرح گذر گئے۔ ایک رات زرقاء اور آمنہ کی مشاطہ تکنا ایک کمرے میں سو رہی تھیں۔ آدھی رات کو تکنا کی آنکھ کھل گئی تو اس نے دیکھا کوئی شخص زرقاء کے سرہانے بیٹھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے: یمن کی ملکہ اور کاہنہ مکہ آئی ہوئی ہے اور بہت جلد اپنے اس کام سے پشیمان ہوگی۔ زرقاء یہ سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہا: اتنے دنوں تک کیوں غائب تھے؟ اس نے جواب دیا:

"وائے ہو تم پر زرقاء! ہم پر ایک بڑی مصیبت آن پڑی ہے۔ کچھ دن پہلے تک ہم آسمان پر جاتے تھے اور باتوں کو سنتے تھے، لیکن اب ہمیں نکال دیا گیا ہے۔ ہم نے سنا کہ منادی ندا کر رہا ہے: اللہ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ بتوں کو توڑنے والے اور اس کی عبادت کو ظاہر کرنے والے کو اس دنیا میں لائے لہٰذا شیطانوں کو آسمان پر آنے سے روکو۔ پھر فرشتوں نے آگ کے شہاب سے ہم پر حملہ کیا اور ہم درخت خرمے کے تنے کی طرح زمین پر گر پڑے۔ اب میں یہاں پر آیا ہوں تاکہ تمہیں اس ارادے سے باز رکھوں۔"

زرقاء نے کہا: مجھ سے دور ہو جاؤ، میں اس مولود کو قتل کرنا چاہتی ہوں اور میں یہ کام ضرور انجام دوں گی۔ پھر وہ شخص چلا گیا اور تکنا نے اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہا۔

آمنہ کو قتل کرنے کے لئے زرقاء اور تکنا کی سازش: تکنا نے دوسرے دن صبح زرقاء سے پوچھا: کیا بات ہے میں تجھے پریشان دیکھ رہی ہوں؟ اس نے جواب دیا: اے میری بہن! میں اپنے شہر اور ملک سے یہاں آئی ہوں اور یہی میری پریشانی کا سبب ہے۔ تکنا نے پوچھا: تم کیوں اپنے شہر سے خارج ہوئی؟ زرقاء نے جواب دیا:

"اس مولود کی وجہ سے جو اللہ کی طرف بلائے گا، بتوں کو توڑے گا اور جادوگروں اور کاہنوں کو ذلیل کرے گا۔ تم جانتی ہو کہ آگ پر بیٹھنا ذلت و رسوائی کے برداشت کرنے سے بہتر ہے۔ اگر کوئی آمنہ کے قتل میں مدد کرنے والا مل جاتا تو میں اسے مال و دولت سے بے نیاز کر دیتی۔"

پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایک تھیلی اٹھا کر تکنا کو دی جس میں خاصی رقم تھی۔ پیسوں کو دیکھ کر تکنا کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے کہا: اے زرقاء! یہ بہت بڑا کام ہے اور بہت مشکل ہے۔ میں بنی ہاشم کی عورتوں کی مشاطہ ہوں اور میرے علاوہ کوئی اور تنہائی میں ان کے پاس نہیں جاتا۔ یہ اس کا اشارہ تھا کہ میں آمنہ کو قتل کر سکتی ہوں۔ زرقاء نے پیسے کی تھیلی کے اثر کو دیکھا اور ماحول کو مناسب دیکھتے ہوئے کہا:

"جب آمنہ کے پاس ان کے بالوں میں کنگھی کرنے جانا تو ایک زہریلے خنجر سے ان پر وار کرنا۔ جب زہر ان کے خون میں سرایت کر جائے گا تو ان کی موت یقینی ہے۔ اگر بنی ہاشم نے تمہیں مورد الزام ٹھرایا یا دیت کا مطالبہ کیا تو میں تمہیں رہا کراؤں گی اور ان سے تمہیں بچاؤں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

تکنا نے جواب دیا:

"میں تیار ہوں۔ لیکن تم کچھ گھنٹوں کے لئے لوگوں کو آمنہ اور میرے پاس سے دور رکھو۔"

زرقاء نے کہا:

"میں اپنے غلاموں کو حکم دوں گی کہ بھیڑ اور اونٹ نحر کریں اور ایک عالیشان دعوت کا انتظام کریں تا کہ لوگ کچھ دیر کے لئے مشغول ہو جائیں اور اسی وقت تم اپنا کام پورا کرو۔"

سازش کی ناکامی: زرقاء نے اپنے آدمیوں کو بھیجا تا کہ مکے کی گلیوں میں اس کی دعوت کا اعلان کریں اور لوگوں کو بلائیں۔ پھر اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ مختلف قسم کے کھانے اور پینے کے سامان دستر خوان پر سجادئے جائیں تا کہ لوگ مشغول رہیں۔ جب سب دستر خوان پر تھے تو زرقاء تکنا کے پاس آئی اور کہا اب اپنا کام انجام دو۔

تنکا ایک زہریلا خنجر لیکر آمنہ کے پاس آئی۔ آمنہ نے اسے خوش آمدید کہا اور پوچھا آج کیوں دیر سے آئی؟ زرقاء نے جواب دیا: کوئی اہم کام پیش آگیا تھا۔ اے آمنہ! میرے پاس آؤ تا کہ میں تمہارے بال درست کر دوں۔

جناب آمنہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ان کی پشت تکنا کی طرف تھی۔تکنا ان کے بالوں میں کنگھا کرنے لگی۔ پھر اس نے اپنے خنجر سے ان کی پشت پر مارنا چاہا لیکن اسے محسوس ہوا کہ اس کا دل بیٹھ رہا ہے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہے۔ پھر کسی نے تکنا کے ہاتھ پر مارا جس سے خنجر زمین پر گر گیا۔ تکنا کو جب محسوس ہوا کہ زرقاء کا منصوبہ ناکام ہو رہا ہے تو کہا: وائے ہو مجھ پر!

جناب آمنہ نے پلٹ کر تکنا کی طرف دیکھا تو زمین پر پڑا ہوا خنجر نظر آیا۔ انہوں خوف کے مارے ایک چیخ ماری۔ ان کی آواز سن کر عورتیں جمع ہوئیں اور پوچھا: کس بات سے تم خوفزدہ ہو؟ انہوں نے جواب دیا: وائے ہو تم پر! دیکھ نہیں رہی ہو تکنا خنجر سے مجھے قتل کرنا چاہتی تھی۔

ان عورتوں نے تکنا سے سوال کیا: ”اے تکنا! تم کو کیا ہوگیا ہے؟ تم آمنہ کو کیوں قتل کرنا چاہتی تھی؟“

اس نے جواب دیا: ”میں آمنہ کو قتل کرنا چاہتی تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس گناہ کو مجھ سے دور کیا۔ آمنہ نے کہا: اس اللہ کا شکر جس نے مجھے تمہارے اقدام سے بچایا۔“

عورتوں نے اس سے پوچھا: ”کس بات نے تمہیں اس امر پر مجبور کیا؟“ اس نے جواب دیا: ”دنیا کی لالچ نے مجھ سے یہ کام کروایا۔“ پھر اس نے زرقاء اور اپنی روداد بیان کی اور کہا کہ فوراً زرقاء کے پاس جاؤ اور قبل اس کے کہ وہ فرار ہو اسے قتل کرو۔ تکنا یہ کہہ کر زمین پر گری اور مر گئی۔

عورتوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ایک چیخ ماری۔ بنی ہاشم کے مرد فوراً وہاں پہنچے۔ انہوں نے تکنا کے بے جان جسم کو زمین پر پڑا ہوا پایا جس کے پاس ایک خنجر بھی تھا اور جناب آمنہ کے نور میں ایک خاص چمک آگئی تھی۔ جب تکنا، زرقاء اور جناب آمنہ کے قتل کی سازش کی خبر جناب ابوطالب کو ملی تو آپ گھر سے باہر آئے اور حکم دیا کہ زرقاء کو گرفتار کیا جائے۔

زرقاء تک یہ خبر پہنچی تو خوف کی وجہ سے وہ فرار ہو گئی۔ بنی ہاشم اور دوسرے لوگوں نے اس کا پیچھا کیا لیکن وہ نہ ملی۔ جب ابوجہل کو اس واقعے کی خبر ملی تو اس نے سطیح کو خبردار کرنے کے لئے جو ابھی مکے کے باہر ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، کہا: میں چاہتا تھا کہ آمنہ قتل ہو جائیں لیکن ابھی ان کی موت نہیں آئی تھی! اب میں چاہتا ہوں کہ سطیح، زرقاء سے بہتر منصوبہ بنائے اور آمنہ کو ضرور قتل کرے۔

ابو جہل کی بات سطح تک پہنچی لیکن اس نے فوراً سامان سفر تیار کیا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے قتل کی ساری سازشوں کو ناکام بنادیا اور کوئی شخص ان کے مقدس وجود کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکا۔

آنحضرتؐ کی شب ولادت

آنحضرتؐ کی شب ولادت میں دنیا میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ عالم ملکوت میں جنت اور نہر کوثر کو سجایا گیا۔ اس رات فرشتے بھی آسمان اور زمین کے بیچ صعود و نزول کر رہے تھے اور اس جشن کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے۔

حضرت محمدؐ کی عظمت نے ساری مخلوقات کو متاثر کیا تھا۔ پہاڑ، پتھر، درخت اور جانور بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ستاروں میں تبدیلی پیدا ہوئی اور ان میں کچھ حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ کعبہ متلاطم تھا اور بتوں کو منہ کے بل زمین پر گرا رہا تھا۔

شیاطین خوفزدہ تھے اور آسمان سے نکال دیئے گئے تھے۔ سارے بت اپنے خاتمے کا اعلان کر رہے تھے اور منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے۔ آتشکدہ اور کفر کی پرستشگاہوں کا بھی یہی حال تھا۔

شب میلاد میں بہشت[۱]: اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرتؐ کی شب ولادت میں جنت میں ستر ہزار محل یاقوت سرخ کے اور ستر ہزار محل چمکتے ہیرے کے بنائے گئے جن کے نام ولادت کے محل رکھے گئے۔ پھر جنت سے کہا گیا کہ خوش ہو جاؤ اور خود کو آراستہ کرو کہ تمہارے چاہنے والوں کے پیغمبر کی ولادت ہو گئی۔ جنت یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئی اور قیامت تک خوش رہے گی۔ پھر نہر کوثر کو آراستہ کیا گیا اور اس میں حرکت پیدا ہوئی اور سات لاکھ جنتی محل پر دُر و یاقوت نچھاور کیا۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۶۱؛ روضۃ الواعظین، ص ۶۷؛ حلیۃ الابرار (ج ۱)، ص ۲۵؛ مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۰

شب میلاد میں فرشتے[1]: شب میلاد میں فرشتے آسمان پر جاتے تھے اور نازل ہوتے اور تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ پھر زمین وآسمان کے بیچ نور کے ستر ستون بنائے جن کے نور ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اس رات استحیائیل نامی فرشتہ نے کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا:

> "اے مکے کے رہنے والو! آمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نازل کیۓ گۓ نور پر ایمان لاؤ۔"

جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو اللہ تعالی نے جبرئیل کو جنت سے چار علم لیکر زمین پر جانے کا حکم دیا۔ جبرئیل ان کو لیکر زمین پر نازل ہوئے اور ایک علم کو کوہ قاف پر رکھا۔ یہ علم ہرے رنگ کا تھا اور اس پر سفید رنگ سے دو سطروں میں لکھا ہوا تھا: لاالہ الا اللہ، محمد رسول اللہ۔

دوسرے علم کو کوہ ابوقبیس پر رکھا جس میں دو ٹکڑے تھے۔ ایک پر لاالہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

تیسرے علم کو کعبہ کے اوپر رکھا۔ اس میں بھی دو ٹکڑے تھے۔ پہلے ٹکڑے پر یہ لکھا تھا: زہے نصیب وہ شخص جو خدا اور محمد پر ایمان لے آئے۔ اور دوسرے پر یہ تحریر تھا: وائے ہو اس شخص پر جو اس کا انکار کرے اور اللہ کی طرف سے لائی ہوئی اس کی باتوں کے خلاف کچھ بولے۔

چوتھے علم کو بیت المقدس پر لہرایا۔ اس کا کپڑا سفید تھا اور کالے رنگ میں اس پر دو سطریں لکھی ہوئی تھیں: اللہ کے سوا کوئی غالب آنے والا نہیں اور فتح اللہ اور محمد کی ہے۔

پھر جبرئیل نے ایک سرخ قندیل کعبے کے پاس نصب کی جس کی زنجیریں لعل و زمرد کی تھیں اور بغیر کسی چیز کے روشن تھیں۔

شب میلاد میں خلقت[1]: حضرت پیغمبر اسلامؐ کی شب ولادت میں دنیا اتنی نورانی ہو گئی تھی کہ جنات اور شیاطین خوفزدہ ہو کر آپس میں یہ کہنے لگے: زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس رات پتھر، مٹی اور

۱۔ احمد بن علی بن ابیطالب الطبرسی، الاحتجاج علی اہل اللجاج (ج ۱)، ص ۳۳۱؛ بحارالانوار (ج ۱۰)، ص ۴۵ و ج ۱۵ ص ۲۶۰ و ۲۸۹ و ج ۱۷ ص ۲۹۳؛ الفضائل، ص ۱۹ و ۲۰

درخت بھی شدت نور کی وجہ سے خوش تھے اور زمین و آسمان کے بیچ تمام مخلوقات اللہ تعالی کی تسبیح کر رہی تھیں۔

اس رات کوئی پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے لا الہ الا اللہ نہ کہا ہو۔ درختوں کے پھل اور شاخ و برگ پیغمبرؐ کی ولادت کی خوشی میں چالیس روز تک اللہ تعالی کی حمد و ثنا میں مشغول تھے۔

شب میلاد میں ستارے[۲]: آنحضرتؐ کی شب ولادت میں ستارے حرکت میں آگئے تھے اور زمین سے قریب ہو رہے تھے اور آسمان شہاب سے بھر گیا تھا۔ یہ سب دیکھ کر اہل مکہ نے خوفزدہ ہو کر کہا: شاید یہ وہ گھڑی ہے جس کی خبر اہل کتاب نے دی تھی۔ کچھ لوگ خوفزدہ ہو کر کسی بوڑھے عالم کے پاس گئے اور اس سے پوچھا: کیا یہ قیامت کے آثار ہیں؟ اس نے جواب دیا:

> "ان تاروں کو دیکھو جو دریا اور زمین پر تمہیں راستہ بتاتے ہیں اگر وہ حرکت میں آگئے ہیں تو قیامت آگئی ہے لیکن اگر وہ تارے اپنی جگہ پر موجود ہیں تو کوئی بڑا واقعہ رونما ہونے والا ہے۔"

مکے کے کسی بزرگ نے کہا: "گرمیوں اور جاڑوں کی پہچان کرانے والے تاروں کو دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ سے حرکت کر چکے ہیں تو جان لو کہ دنیا تباہ ہو جائے گی لیکن اگر وہ تارے اپنی جگہ پر موجود ہیں اور دوسرے تارے حرکت میں ہیں تو یہ جان لو کہ کوئی بہت اہم واقعہ رونما ہونے والا ہے۔"

کچھ لوگ کسی کاہن کے پاس گئے اور تاروں کی اس حرکت کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا: "بنی ہاشم میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے اور حقیقت میں وہ لوگ صاحبان فضیلت ہیں۔ ان میں ایسا شخص پیدا ہو گا جو ظالموں کا خاتمہ کر دے گا۔"

۱۔ روضۃ الواعظین، ص ۶۵ و ۶۶؛ کمال الدین، ص ۱۹۶؛ بحار الانوار (ج ۱۰)، ص ۴۵ و ج ۱۵ ص ۲۵۷ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۷۴ و ۲۸۹ و ج ۱۷ ص ۲۹۳؛ مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۰ و ۳۱؛ حلیۃ الابرار (ج ۱)، ص ۲۲ و ۲۵؛ شیخ صدوق، امالی الصدوق، ص ۳۶۰؛ الانوار البہیۃ فی تواریخ الحجج الالہیہ، ص ۳۱؛ الفضائل، ص ۲۰؛ الاحتجاج (ج ۱)، ص ۳۳۱

۲۔ احتجاج (ج ۱)، ص ۳۳۱؛ بحار الانوار (ج ۱۰)، ص ۴۵ و ج ۱۵ ص ۲۶ و ۲۵۷ و ۲۶۹ و ۲۷۴ و ۲۸۹ و ج ۱۷ ص ۲۹۳؛ مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۰ و ۳۱؛ حلیۃ الابرار (ج ۱)، ص ۲۲؛ الانوار البہیۃ، ص ۳۱؛ امالی الصدوق، ص ۳۶۰؛ روضۃ الواعظین، ص ۶۵ و ۶۶؛ کمال الدین، ص ۱۹۶؛ الفضائل، ص ۲۰

شب میلاد میں کعبہ[۱]: پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کی پہلی نشانی جو مکے میں ظاہر ہوئی وہ خانہ کعبہ کا لرزنا ہے جو تین دن تک رہا اور سارے بت منہ کے بل زمیں پر گر پڑے اور ان کی صدائے فریاد بلند ہوئی۔ پھر آسمان سے ایک آواز سنائی دی: حق آگیا اور باطل ختم گیا اور باطل ختم ہونے والا ہے۔

پھر اس کے بعد کعبے سے کسی ہاتف نے آواز دی: اے اہل قریش! بشیر و نذیر آگیا جس کے ساتھ ہمیشہ باقی رہنے والی عزت اور فائدے ہیں۔ وہ محمد خاتم انبیاء ہیں۔

جناب عبدالمطلب فرماتے ہیں: میں اپنے پوتے محمد کی ولادت کی شب کچھ دیر کعبے کے پاس تھا۔ میں نے دیکھا کہ سارے بت منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ پھر میں نے دیوار کعبے سے ایک آواز سنی:

> "مصطفیٰ کی ولادت ہو گئی اور کفار اس کے ہاتھوں ہلاک ہونگے۔ وہ کعبے کو بتوں سے پاک کریں گے اور لوگوں کو عبادت خدا کی طرف دعوت دیں گے۔"

اسی رات اللہ تعالی نے کعبے کے لئے سفید حریر کے پردے نازل کئے جس پر سیاہ رنگ سے یہ تحریر تھا:

یا ایها النبی انا ارسلناک شاهداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی الله باذنه و سراجاً منیراً۔

وہ پردہ چالیس دنوں تک کعبے پر تھا اور پھر آسمان پر چلا گیا۔ پھر اللہ تعالی نے ایک بادل کو حکم دیا کہ اسی رات کعبے کے اوپر جائے اور زعفران و مشک و عنبر اس پر برسائے۔ وہ بادل صبح تک کعبے پر زعفران و مشک و عنبر کی بارش کرتا رہا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو وہ بادل اوپر چلا گیا اور صرف کعبے پر برسنے لگا۔

اسی رات امر غیبی سے سارے بت کعبے سے باہر لائے گے اور حجرالاسود کے قریب منہ کے بل گر پڑے۔

شب میلاد میں شیاطین[۱]: آنحضرتؐ کی شب میلاد میں ابلیس کو محسوس ہوا کہ دنیا میں کچھ تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ وہ اصل ماجرا کو سمجھنے کے لئے آسمان کی طرف گیا، لیکن اسے آسمان پر جانے سے روکا

۱۔ مناقب آل ابی طالب (ج۱)، ص۳۰؛ بحار الانوار (ج۱۵)، ص۲۶۱ و ۲۷۴ و ۲۸۹ و ۲۹۰؛ سیرۃ حلبیۃ، ص ۱۰۳ و ۱۰۵؛ روضۃ الواعظین، ص ۶۷؛ حلیۃ الابرار (ج۱)، ص ۲۵؛ الفضائل، ص ۲۰ و ۲۱

گیا اور وہ واپس آ گیا۔ حضرت عیسی کی پیدائش کے بعد ابلیس کو تین آسمان تک جانے سے روکا گیا تھا لیکن حضرت محمدؐ کی ولادت کے بعد اسے ساتوں آسمانوں سے بھگا دیا گیا۔

کچھ شیطانوں نے جو چوری چھپے آسمان کی باتیں سنتے تھے آسمان پر جانا چاہا لیکن فرشتوں نے آتشی گولوں سے ان پر حملہ کرکے انہیں آسمان سے دور کیا۔ یہ شیاطین ابلیس کے پاس آئے اور کہا: ہم کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا اور آتشی گولے سے ہم پر حملہ کیا گیا۔ ابلیس نے ایک چیخ ماری۔ سارے شیطان اس کے پاس جمع ہوگئے اور پوچھا: اے میرے آقا! کس بات نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا:

> "وائے ہو تم پر! آج رات میں زمین و آسمان کو متغیر پا رہا ہوں۔ ضرور زمین پر کوئی واقعہ پیش آیا ہے اور عیسی کے آسمان پر جانے کے بعد سے اتنا بڑا واقعہ رونما نہیں ہوا ہے۔ جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ کون سا واقعہ رونما ہونے والا ہے۔"

سارے شیطان گئے اور دنیا کا چکر لگا کر واپس آ گئے اور کہا: ہم نے کوئی غیر معمولی بات نہیں دیکھی۔ ابلیس نے کہا: کوئی عظیم واقعہ ضرور زمین پر رونما ہوا ہے۔ ہر زمین کی خاک میرے لئے لیکر آؤ۔ شیطانوں نے ہر زمین کی مٹی لا کر دی۔ شیطان ہر مٹی کو سونگھتا رہا یہاں تک کہ مکے کی مٹی کی باری آئی۔ اس نے کہا وہ واقعہ اسی زمیں پر رونما ہوا ہے۔ میں اس کی تلاش میں جاتا ہوں۔

شیطان پوری دنیا کا چکر لگاتے ہوئے حرم کے حدود میں پہنچا۔ اس نے وہاں فرشتوں کو دیکھا۔ سب سے آگے جبرئیل تھے اور وہ مکے کی حفاظت کر رہے تھے۔ ابلیس نے مکے میں داخل ہونا چاہا لیکن جبرئیل نے چلا کر کہا: اے ملعون! دور ہو جا اور آگے نہ آ۔

ابلیس جبرئیل کی فریاد سن کر واپس ہوا اور کوہ حرا کی سمت سے مکے میں داخل ہونا چاہا۔ لیکن پھر جبرئیل نے اسے جانے سے روکا اور کہا: جس راستے سے آئے ہو اسی سے واپس جاؤ۔ خدا تم پر لعنت کرے۔

۱۔ الاحتجاج (ج ۱)، ص ۳۳۱؛ کمال الدین، ص ۱۹۶؛ مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۰ و ۳۱؛ الفضائل، ص ۱۸؛ امالی الصدوق، ص ۳۶۰ و ۳۶۱؛ الانوار البہیۃ، ص ۳۱ و ۳۳؛ حلیۃ الابرار (ج ۱)، ص ۲۲ و ۲۴؛ روضۃ الواعظین، ص ۶۵ و ۶۶، بحار الانوار (ج ۱۰)، ص ۴۵ و ج ۱۵ ص ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۶۰ و ۲۶۹ و ۲۷۱ و ۲۷۴ و ۲۸۸ و ج ۱۷ ص ۲۹۳ و ج ۶۰ ص ۲۴۱؛ سیرہ حلبیۃ، ص ۱۰۰

ابلیس نے پوچھا: اے جبرئیل! ایک سوال ہے، کون سا واقعہ رونما ہونے والا ہے؟ کیوں فرشتے زمین پر جمع ہوئے ہیں؟

جبرئیل نے جواب دیا: "اس امت کے پیغمبر، خاتم انبیاء اور افضل پیغمبران محمدؐ کی ولادت ہوئی ہے۔"

ابلیس نے پوچھا کیا میں اس کو گمراہ کر سکتا ہوں؟ جبرئیل نے جواب دیا: "ہرگز نہیں"۔ اس نے پھر پوچھا: کیا میں اس کی امت کو گمراہ کر سکتا ہوں؟ جواب دیا: ہاں۔

ابلیس نے خوش ہو کر کہا: میں اسی مقدار پر راضی ہوں۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے بھاگا: دنیا کے سب سے اچھے انسان اور نیک بندے محمدؐ ہیں۔ ابلیس اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے دوسرے شیطانوں کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا: اے میرے بچو! خلقت کے پہلے دن سے آج تک اتنی بڑی مصیبت مجھ پر نہیں پڑی تھی۔ انہوں نے پوچھا: تم پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ تم غمگین ہو؟ اس نے جواب دیا:

> "آج رات ایک بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ اس کا نام محمدؐ بن عبداللہ ہے۔ محمدؐ لوگوں کو بتوں کی پرستش سے روکے گا اور اللہ تعالی کی طرف دعوت دے گا۔"

دوسرے شیطانوں نے بھی اس خبر کو سن کر اپنے سروں پر خاک ڈالی اور ابلیس کے ساتھ چالیس دن تک اس سوگ میں اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔

شب میلاد میں بت[۱]: آنحضرتؐ کی شب ولادت میں جو علامتیں ظاہر ہوئیں ان میں بتوں کا گرنا اور فریاد کرنا بھی شامل ہے۔ اس سے پہلے بھی کعبے کے اندر کے بتوں کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے۔

ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں ایک بت کے پاس سویا ہوا تھا۔ ناگاہ میں نے ایک آواز سنی کہ پیغمبر کی ولادت ہو گئی اور بادشاہ ذلیل و خوار ہوئے۔ ضلالت و گمراہی ختم ہوئی اور مشرکین کے جال ہٹ گئے۔

آنحضرتؐ کی شب ولادت میں قریش کے کچھ لوگ بت خانہ میں تھے۔ انہوں نے کچھ اونٹ نحر کئے تھے جسے کھا رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ ناگاہ ایک بڑا سا بت جو وجہاں تھا منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ ان کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ انہوں نے بت کو تین بار اس کی جگہ پر رکھا لیکن وہ پھر گر پڑا۔ تیسری بار ایک آواز سنائی دی:

۱۔ عبدالحسین، احمد امینی، نجفی، الغدیر (ج ۲)، ص ۱۰؛ محمد تقی سپہر، ناسخ التواریخ، جلد حضرت عیسی، جزء ۳، ص ۸۴

”مشرق و مغرب اس مولود کی نورانیت کی وجہ سے پر نور ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے سارے بت منہ کے بل زمین پر گر رہے ہیں اور اس کی ولادت سے سارے بادشاہ خوفزدہ ہیں۔ آتشکدہ کے پاس کی آگ گل ہو گئی اور ایران کا بادشاہ بہت اداس ہو کر سویا۔ کاہنوں کے جن ان کو غیب کی باتیں بتانے سے منع کر رہے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں بچا جو صحیح یا غلط کسی خبر کا اعلان نہ کیا ہو۔ یہ مولود آل قصی میں ایک عجیب مولود ہے۔ اے لوگوں گمراہی سے باز آؤ اور اسلام اور اس کی بے انتہا منزلت کی طرف رخ کرو۔“

شب میلاد میں کفر کے مرکز: آن حضرتؐ کی شب ولادت میں بتوں کے سرنگون ہونے کے علاوہ کفر کے دو بڑے مرکز بھی نابود ہو گئے۔ پہلا مرکز آتشکدہ فارس تھا جس کی آگ کو محفوظ رکھنے کے لئے زرتشتیوں نے ہزار سال کوشش کی تھی اور یہ آگ کبھی نہیں بجھی تھی۔ لیکن اس رات اس معبد کی روشنی گل ہو گئی اور سارے مجوسی اور موبد حیرت میں پڑ گئے۔

دوسرا مرکز دریائے ساوہ تھا جس کی لوگ پرستش کرتے تھے۔ یہ دریا شب ولادت آنخضرتؐ میں ناگاہ خشک ہو گیا اور اس کی عبادت کرنے والے حیرت زدہ رہ گئے۔ اس طرح اللہ تعالی نے شب میلاد میں اس دنیا کو آپ کی بابرکت ولادت کے لئے آمادہ کیا۔

شب ولادت میں ادیان: آنخضرتؐ کی شب میلاد میں ایک طرف بادشاہوں اور دوسری طرف بزرگان دین کو عجیب نظارے دکھائی دئے۔ ایران میں انوشیروان نے اپنے ایوان مدائن کے ایک حصے کو گرتے ہوئے دیکھا۔ حبشہ میں نجاشی نے بھی عجیب خواب دیکھا۔ یہودی علما کو سرخ ستارے کے طلوع ہونے کی خبر ملی اور عیسائی پادریوں نے گرجا گھر کی محرابوں پر نام محمد لکھا ہوا پایا۔ زرتشتیوں نے ایک ہزار سالہ آگ کو کھو دیا۔ ان سارے واقعات نے پیغمبر اسلامؐ کی خبر ولادت کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

یہودی کی فریاد[۱]: حضرتؐ کی ولادت کے ایک روز قبل ایک یہودی اپنے قلعے سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی۔ اس نے چلا کر کہا: اے یہودیو! ۔ کچھ یہودی اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور پوچھا: کیا ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ تارہ طلوع ہو گیا جو احمد کی ولادت کی علامت ہے۔ وہ آج رات پیدا ہوں گے۔

حبیب راہب کی خبر[۲]: اس رات کوئی ایسا صومعہ یا گرجا گھر نہیں تھا جس کے محراب پر لفظ محمد نہ لکھا ہوا ہو۔ یہ نوشتہ صبح تک باقی تھا اور تمام راہبوں نے اسے دیکھا اور یہ جان گئے کہ پیغمبر آخر الزمان کی ولادت ہو چکی ہے۔ یہی واقعہ جناب آمنہ کے حمل کے پانچویں مہینے بھی رونما ہوا تھا۔

اسی رات کچھ لوگ حبیب راہب کے پاس گئے۔ وہی حبیب جس نے جناب آمنہ کے حمل کے پانچویں مہینے پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کی خبر جناب عبدالمطلب کو دی تھی۔ انہوں نے حبیب سے کہا: ان واقعات کے رونما ہونے کی وجہ بیان کرو: کعبے کے لئے آسمان سے پردہ کا نازل ہونا، کعبے کے اندر بتوں کا سرنگون ہونا، ستاروں میں تبدیلی، آسمان کی چمک گرج اور سنائی دینے والی آوازوں کی کیا وجہ ہے؟ حبیب نے جواب دیا:

> ”تم جانتے ہو کہ میں تمہارے دین کا ماننے والا نہیں ہوں لیکن میں حق بات بیان کروں گا۔ اگر تم چاہو تو اسے قبول کرو ورنہ رد کر دو۔ یہ علامتیں اس پیغمبر کے لئے ہیں جو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے اور اس کا نام اور صفات توریت، زبور، انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ وہ بتوں کی پرستش کو ختم کرے گا اور لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف دعوت دے گا۔ وہ دنیا والوں کے لئے کاٹنے والی تلوار اور تیز نیزہ اور خوفناک تیر کی طرح ہوگا۔ دنیا کے سارے بادشاہ اور ظالم اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ وائے ہو اہل کفر و طغیان اور بتوں کی عبادت کرنے والوں پر اس کی شمشیر و نیزہ و تیر سے! جو اس پر ایمان لائے گا اسے نجات مل جائے گی اور جو اس کا انکار کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔“

۱۔ علاؤالدین علی المتقی (مشہور بہ متقی ہندی)، کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال (ج ۱۲)، ص ۴۴۴؛ البدایۃ والنہایۃ: ج ۲ ص ۳۲۶، ابن جوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، ۸ ص ۷

۲۔ روضۃ الواعظین، ص ۶۵؛ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۵۷ و ۲۷۴ و ۲۸۹؛ مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۰ و ۳۱؛ حلیۃ الابرار (ج ۱)، ص ۲۲؛ امالی الصدوق، ص ۳۶۰؛ الانوار البہیۃ، ص ۳۱؛ الفضائل، ص ۲۰ و ۲۱

بزرگان یہود کا بیان[۱]: آنحضرتؐ کی شب میلاد میں قبیلہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے بزرگ یہودی ایک جگہ جمع ہو کر پیغمبر کی صفات کا تذکرہ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا:

"یہ جان لو کہ سرخ تارہ طلوع ہو چکا ہے جو کبھی طلوع نہیں ہوتا سوائے کسی پیغمبر کی ولادت کے موقع پر۔ اور کوئی پیغمبر سوائے محمد کے نہیں بچا ہے اور یہ تارہ انہیں کی ولادت کی علامت ہے۔"

نجاشی بادشاہ حبشہ[۲]: اصحاب فیل کے واقعے کے بعد مکے کے دو لوگ نجاشی کے پاس گئے۔ جب وہ لوگ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے سب سے پہلے یہ سوال کیا:

"کیا تمہارے درمیان کسی ایسے بچے کی پیدائش ہوئی ہے جس کے باپ نے اس کی ولادت سے قبل اس کو قربانی کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اس کی ولادت کے بعد اس کو ذبح سے بچانے کے لئے، بہت سے اونٹ اور اس کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی ہو، ہر بار قرعہ اس کے نام نکلا ہو اور اونٹوں کی تعداد بڑھنے کے بعد قرعہ ان کے نام نکلا ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: ہاں اور اس کا نام عبداللہ ہے۔ نجاشی نے پوچھا اس وقت وہ کیا کر رہا ہے؟ جواب ملا: آمنہ بنت وہب نامی خاتون سے شادی کی اور اس کی بیوی حاملہ تھی کہ وہ مکہ سے باہر نکلا اور فوت ہو گیا۔

نجاشی نے پوچھا: کیا اس کے بیٹے کی ولادت ہو چکی ہے؟

جواب ملا: مکے سے ابرہہ کے چلے جانے کے بعد سے ہمیں آمنہ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ لیکن ایک رات میں اپنے بت کے پاس گیا تو ایک آواز سنی کہ پیغمبر کی ولادت ہو گئی، بادشاہ ذلیل ہوئے اور گمراہی و شرک ختم ہوئی۔ پھر وہ بت سر کے بل زمین پر گر پڑا۔

دوسرے نے کہا میں بھی اسی رات کوہ ابو قبیس پر تھا۔ میں نے ایک شخص کو آسمان سے نازل ہوتے دیکھا جس کے دو سبز پر تھے۔ وہ شخص پہاڑ پر کھڑا ہو گیا اور مکے کی طرف رخ کر کے بولا: شیطان ذلیل ہوا اور بت باطل ہو گئے کیونکہ امین کی ولادت ہو گئی۔ اس کے پاس ایک کپڑا تھا۔ اس نے اسے کھولا جو مشرق و

۱۔ السیرۃ النبویۃ (ج ۱)، ص ۲۱۴؛ البدایۃ (ج ۲)، ص ۳۲۷

۲۔ سبل الہدی والرشاد، ص ۳۵۱

مغرب پر چھاگیا اور میں نے دیکھا کہ جو کچھ روئے زمین پر ہے اتنا نورانی ہوگیا ہے کہ میری آنکھوں کو تکلیف ہورہی ہے۔ پھر اس نے اپنے پر کھولے اور اڑ کر کعبے کی چھت پر آیا۔ ناگاہ اس سے ایک نور ساطع ہوا جس نے پورے مکے کو منور کردیا۔ پھر اس نے کہا: زمین پاک و پاکیزہ ہوگئی اور اس کی بہار آگئی۔ پھر اس نے کعبے کے اوپر رکھے بتوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ سب زمین پر گر پڑے۔

نجاشی نے ان دونوں کی روئیداد سننے کے بعد اپنی داستان بیان کی:

> "اسی رات جس کا آپ دونوں تذکرہ کررہے ہیں میں بھی اپنے محل میں سویا ہوا تھا۔ ناگاہ دیکھا کہ زمین سے ایک سر اور گردن نکلی اور کہا: وائے ہو اصحاب فیل پر! ان پر ابابیل اور سجیل کے پتھروں سے حملہ کیا گیا۔ مکے و حرم میں ایک پیغمبر کی ولادت ہوئی ہے۔ جس نے اس کی دعوت پر لبیک کہی وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے ان سے دوری اختیار کی وہ ہلاک ہوگیا۔ پھر وہ سر زمین میں دھنس گیا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں چلانا چاہتا تھا لیکن میں ایسا نہ کرسکا۔ جب میں نے اٹھنا چاہا تو دیکھا میرے دونوں پیر خشک ہوگئے ہیں۔ ایک دن کے بعد اللہ نے میری زبان کھولی اور پیروں میں حرکت پیدا کی۔"

انوشیروان بادشاہ ایران[۱]: پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کے تین رات قبل ایران کے بادشاہ انوشیروان نے خواب میں دیکھا کہ اس کے محل کے کچھ کنگرے گر گئے ہیں۔ اس نے اپنے خواب کو کسی سے بیان نہیں کیا یہاں تک کہ حضرت کی شب ولادت میں محل لرزنے لگا اور محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔

صبح جب انوشیروان خواب سے بیدار ہوا تو محل کی حالت دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے وزیروں، منجموں اور کاہنوں سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔ اس نے وزیر اعظم، سارے وزراء اور کاہنوں اور منجموں کو دربار میں طلب کیا اور جو کچھ گذرا تھا اسے بیان کیا۔

۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق (ج ۷ ۳)، ص ۳۶۱ و ۲۶۳؛ عیون الاثر (ج ۱)، ص ۴۱؛ تاریخ طبری (ج ۱)، ص ۵۷۹؛ السیرۃ النبویۃ (ج ۱)، ص ۲۱۵ و ۲۲۰ و ۳۴۱؛ کمال الدین، ص ۱۹۱، مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۲۵ و ۲۹

اسی وقت تین اور خبریں بھی اسے ملیں۔ پہلی خبر یہ کہ آتشکدہ فارس کی ہزار سال پرانی آگ خاموش ہو گئی۔ دوسری خبر یہ کہ دریائے ساوہ خشک ہو گیا اور تیسری خبر یہ کہ ساوہ کے بیابان میں پانی جاری ہو گیا جب کہ وہ سالوں سے سوکھی تھی۔ انوشیروان یہ خبریں سن کر پریشان ہو گیا۔

اس نے کاہنوں کے سردار کو جس کا نام سائب تھا آواز دی اور کہا: یہ کیسے واقعات رونما ہو رہے ہیں؟ سائب نے دوسرے منجموں اور کاہنوں کے ساتھ بیٹھ کر مشورہ کیا، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کیونکہ حضرت کی ولادت کے روز ساحروں اور کاہنوں کے علم باطل ہو گئے تھے۔ اسی درمیان خبر ملی کہ کل رات سرزمین حجاز سے ایک نور آسمان کی طرف گیا جس سے ایران و روم کا آسمان روشن و منور ہو گیا۔

انوشیروان نے نعمان بن منذر نامی اپنے والی کو یہ خط تحریر کیا۔ انوشیروان شاہ شاہان کی طرف سے نعمان بن منذر کی طرف۔ کسی عالم شخص کو میرے پاس بھیجو جو میرے سوالوں کا جواب دے سکے۔

نعمان بن منذر نے عبدالمسیح بن عمرو بن حیان بن نفیلہ غسانی کو انوشیروان کے پاس بھیجا۔ اسکی عمر ۳۰۰ برس تھی۔ شاہ نے اس سے پوچھا: کیا تم میرے سوالوں کا جواب جانتے ہو؟ اس نے جواب دیا جو مجھے معلوم ہو گا اس کا جواب دوں گا اور نہیں معلوم ہو گا تو ایک شخص کو جانتا ہوں جسے جواب معلوم ہے۔

پھر انوشیروان نے سارے واقعات بیان کئے اور ان کی وجہ دریافت کی۔ عبدالمسیح نے جواب دیا: سطیح نامی ایک شخص ہے جو شام میں رہتا ہے، وہ ان سوالوں کے جواب جانتا ہے۔ بادشاہ نے کہا: اس کے پاس جاؤ اور یہ واقعات اس سے بیان کرو اور جواب لیکر آؤ۔

عبدالمسیح ایران سے شام گیا۔ جب وہ سطیح کے پاس پہنچا تو وہ مرض الموت میں مبتلا تھا۔ اس نے سطیح کو سلام کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ جب اس نے اپنا تعارف کرایا اور آنے کی وجہ بیان کی تو سطیح نے آنکھیں کھولیں اور کہا:

> "ایران کے بادشاہ نے عبدالمسیح کو بھیجا ہے تاکہ ایوان کے چودہ طاق کے ٹوٹنے اور بیابان میں پانی ابلنے، دریائے ساوہ کے خشک ہونے اور ایک ہزار سال پرانی آگ کے خاموش ہونے کے بارے میں سوال کرے۔ اے عبدالمسیح! جب صاحب عصا کی ولادت ہو گی اور بیابان ساوہ میں چشمہ ابلے گا اور دریائے ساوہ خشک ہو جائے گا اور فارس کے

آتشکدہ کی آگ خاموش ہو جائے تو ملک شام سطیح کے لئے ملک نہ ہوگا اور وہ موت کی آرزو کرے گا کیونکہ محمد نام کے ایک پیغمبر کی ولادت ہو چکی ہے۔"

یہ کہنے کے بعد سطیح کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ عبدالمسیح شام سے ایران واپس آیا اور انوشیروان سے سطیح کی باتیں بیان کیں اور آخری پیغمبر کی ولادت کی خبر اسے دی۔ اس طرح دنیا والے نور اول اور ختم رسل کی ولادت سے آگاہ ہوئے اور آخری دین الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔

ولادت کے لمحات: اب ولادت کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس بچے کا باپ اس دنیا میں نہیں ہے اور ماں اس کے فراق میں اشک بہا رہی ہے۔ خلوت میں ان کے لئے شربت بہشتی لایا جاتا ہے اور جنت کی حوریں اور خواتین ان کی مدد کو آتی ہیں۔ ماں کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹتا ہے اور ایک آسمانی آواز اسے فرزند کے ولادت کی خوشخبری سناتی ہے۔

حضرت محمدؐ اس دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ ان کے نام کا تعین اللہ تعالی کرتا ہے۔ مولود کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور ساری مخلوقات کو دکھاتے ہیں اور مہر نبوت ان کے شانے پر نقش کرتے ہیں۔ فرشتے ان کو سلام کرنے لئے قطار میں کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم ان سارے واقعات کو یہاں پر بیان کریں گے۔

جناب عبداللہ کی یاد میں[۱،۲]: جناب آمنہ کے حمل کے آخری ایام تھے۔ انہوں نے اپنی ماں سے فرمایا: اے مادر گرامی! میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں تاکہ اپنے جوان شوہر اور اس کے خوبصورت چہرے کو یاد کرکے نوحہ وماتم کروں۔ ان کی ماں نے کہا: اے آمنہ! جاؤ اور اس پر گریہ کرو کہ گریہ کرنا اس کا حق ہے۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۰)، ص ۴۵، ج ۱۵ ص ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۴، (ج ۱۷)، ص ۲۹۳؛ الفضائل، ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰؛ مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۲۷، ۲۹، ۳۱، روضۃ الواعظین، ص ۶۵، ۶۶، ۶۸؛ البدایۃ والنہایۃ (ج ۲) ص ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۳۵

۲۔ بحار الانوار (جلد ۱۰)، ص ۴۵، جلد ۱۵، ص ۲۷۴، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۶۹، ۲۶۰، ۲۵۸، ۲۵۶،، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۴، جلد ۱۷، ص ۲۹۳؛ الفضائل، ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰؛ مناقب آل ابی طالب (جلد ۱)، ص ۳۱، ۲۹، ۲۷؛ روضۃ الواعظین، ص ۶۶، ۶۵، ۶۸؛ البدایۃ والنہایۃ (جلد ۲)، ص ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵؛ تاریخ یعقوبی (جلد ۲)، ص ۹؛ امالی الصدوق، ص ۳۶۱؛ الانوار البہیۃ، ص ۲۳؛ حلیۃ الابرار (جلد ۱)، ص ۲۳؛ کمال الدین، ص ۱۹۶؛ الغدیر (جلد ۲) ص ۱۰؛ العدد القویہ، ص ۱۲۱؛ الاحتجاج (جلد ۱) ص ۳۳۱، عیون الاثر (جلد ۱)، ص ۴۲؛ ناسخ التواریخ، جلد حضرت عیسی، جز ۳، ص ۸۸؛ سیرہ حلبیہ، ص ۸۴، ۱۱۲

جناب آمنہ ایک کمرے میں داخل ہوئیں اور دروازہ اندر سے بند کرکے ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ ان کے سامنے ایک شمع روشن تھی اور ایک چرخ ریسی آبنوسی رنگ کا موجود تھا جس پر ایک عقیق رکھا ہوا تھا۔ وہ گریہ کر رہی تھیں اور نوحہ پڑھ رہی تھیں۔

ماں کے لئے بہشتی شربت: کچھ دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ وضع حمل کا وقت قریب آگیا ہے۔ انھوں نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ نہیں کھل سکا۔ وہ یہ کہتی ہوئی پلٹیں : ہائے رے تنہائی !

اسی وقت ایک سفید پرندے کو دیکھا جس نے اپنے پروں کو ان کے سینے پر رگڑا اور پھر وہ خوف جوان پر طاری تھا وہ جاتا رہا۔ پھر ان کے لئے سفید شربت لایا گیا۔انہوں نے اسے دودھ سمجھا اور پیاس کی شدت کی وجہ سے اسے پیا اور پھر ایک عجیب نور نے انہیں احاطہ کرلیا۔

ولادت میں مددگار: ناگاہ چھت شگافتہ ہوئی اور جنت کی چار عورتیں کمرے میں داخل ہوئیں جن کے چہرے کے نور سے کمرہ منور ہوگیا۔ ان میں سے ایک خاتون قریب آئی اور دودھ سے زیادہ سفید، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ شیریں شربت جناب آمنہ کی خدمت میں پیش کیا۔

دوسری عورتوں نے کہا: ہم آسیہ اور مریم ہیں۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ہم تمہاری خدمت کے لئے آئے ہیں۔ پھر جنت کی چار حوریں قریب آئیں اور ایک داہنے طرف، دوسری بائیں طرف، تیسری سامنے اور چوتھی پیچھے کی طرف کھڑی ہوگئی۔ ان میں سے ایک قریب آئی اور جناب آمنہ کے شکم پر ہاتھ پھیرا اور مولود کو مخاطب کرکے کہا: اللہ کے نام اور اذن سے باہر آ۔

آسمانی عورتیں اور مرد: پھر جناب آمنہ نے لمبے قد کی عورتوں کو دیکھا جو ان سے گفتگو کر رہی تھیں لیکن ان کی زبان انسانوں کی زبان کی طرح نہ تھی۔ ان کے ہاتھوں میں میٹھے شربت کے پیالے تھے اور وہ آمنہ کو حضرت محمدؐ کی ولادت کی خوشخبری دے رہی تھیں۔

ان عورتوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ حریر کے سفید کپڑے کی طرح آسمان پر چھا گئیں۔ پھر سفید دیبا کی طرح کوئی کپڑا زمین وآسمان کی مابین پھیلا اور کسی کہنے والے نے کہا: محمد کو سب سے زیادہ عزیز انسان سے لے لو۔

پھر جناب آمنہ نے کچھ مردوں کو دیکھا جو آسمان و زمین کے بیچ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پانی کے پیالے ہیں۔ پھر آمنہ کے سامنے مغرب و مشرق ظاہر ہوا اور انہوں نے دیکھا کہ ایک علم مغرب میں اور ایک علم مشرق میں نصب کیا گیا ہے۔ تیسرا علم زمین و آسمان کے بیچ کعبے کے اوپر نصب کیا گیا ہے جس کا کپڑا اسندس کا اور لکڑی یاقوت کی ہے۔

ولادت کے وقت آسمانی ندا: پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کے وقت جناب آمنہ نے سنا کہ منادی ندا دے رہا ہے:

> "اللہ تعالی اور ہر عبد صالح روشن چراغ پر صلوات بھیج رہا ہے۔ وہ روشن چراغ محمد ہیں جو بہترین مرد اور کھلا ہوا چمکتا علم ہیں۔ لوگوں کی زینت اور پرچم ہدایت مصطفیٰ ہیں جو صادق اور متقی اور نصیحت کرنے والے ہیں۔ اللہ کی صلوات ہو اس پر جب تک باد صبا چلتی ہے اور کبوتر نغمہ ریز ہیں۔"

پیغمبر اسلامؐ نے اس دنیا میں قدم رکھا: تاریخ سترہ ربیع الاول روز جمعہ، ہجرت سے ۵۳ سال قبل[۱] (۵۶۷ء) طلوع آفتاب کا وقت اور شعب ابی طالب کا ایک مکان تھا جب حضرت محمدؐ نے اپنے قدموں سے اس دنیا کو منور فرمایا۔

اس وقت جناب آمنہ پر نیند کا غلبہ ہوا۔ کچھ لمحے بعد جب خواب سے بیدار ہوئیں تو اپنے عزیز فرزند کو اپنے آغوش میں پایا۔ آنحضرتؐ نے اس دنیا میں قدم رکھتے ہی اپنے دونوں زانوؤں اور ہاتھوں کو زمین پر رکھا۔ پھر ایک مشت خاک مٹھی میں لی اور آسمان کی طرف رخ کیا۔ پھر سجدہ میں تشریف لے گئے اور خاک پر پیشانی رکھی اور انگشت سبابہ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا جیسے کوئی اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ کر رہا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا:

۱۔ یہ تاریخ ہبوط جناب آدم کے ۶۱۶۳ سال بعد اور اصحاب فیل کی ہلاکت کے ۵۵ دن بعد ہے۔

مناقب آل ابی طالب (ج۱) ص ۱۴۹؛ تاریخ یعقوبی (ج ۲)، ص ۱۱۸؛ شیخ مفید، اوائل المقالات، ص ۲۵۷؛ روضۃ الواعظین، ص ۷۰؛ مستدرک سفینۃ البحار (ج ۲) ص ۴۶ و ج ۳ ص ۳۸ و ۵۵؛ الانوار البہیۃ، ص ۳۱؛ العدد القریۃ، ص ۱۱۰ و ۱۱۱؛ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۷، ۲۹۶، و ج ۹۴، ص ۱۲۰. ج ۹۵، ص ۱۹۳ و ۱۹۴؛ سیرہ حلبیۃ، ص ۹۱

الله اکبر کبیراً، والحمد لله کثیرا! و سبحان الله بکرة و اصیلاً۔ ترجمہ: اللہ بزرگ ہے اور اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اور صبح و شام اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔

جس وقت حضرتؐ یہ الفاظ ادا کر رہے تھے آپ کے دہان مبارک سے ایک نور ساطع ہوا جسے سارے مکے والوں نے دیکھا۔

مولود کا نام: جناب آمنہ نے ایک آواز سنی: "اس فرزند کو ہر حاسد، ہر گنہگار، ہر مکر کرنے والے اور ہر شر سے اللہ تعالیٰ کی امان میں دو۔ اس فرزند کا نام محمد رکھو۔"

پھر آپ کے بدن سے ایک نور ساطع ہوا جسے دیکھ کر وہ خود حیرت میں پڑ گئیں۔

بہشتی بادلوں کے درمیان: اس ندا اور نور کے بعد ایک سفید بادل نیچے آیا اور بچے کا احاطہ کر لیا۔ جناب آمنہ کو ایک آواز سنائی دی: "محمد کو مشرق و مغرب اور دریاؤں کی سیر کراؤ تاکہ سب ان کے نام اور صفات کو پہچان لیں اور ان کے چہرے کو دیکھ لیں۔"

پھر بادل ایک کنارے ہو گیا اور جناب آمنہ نے دیکھا کہ ان کا فرزند سفید لباس زیب تن کئے ہوئے ہے اور ان کے نیچے حریر سبز کا ایک کپڑا بچھا ہوا ہے۔ انہوں نے پھر سے دیکھا تو دیکھا کہ محمد کی مٹھی میں مروارید کی تین چابیاں ہیں۔ اور کوئی کہہ رہا ہے: نبوت اور فتح کی چابی محمد کے ہاتھ میں ہے۔

پھر دوسرا بادل آیا جو پچھلے سے زیادہ نورانی تھا اور تازہ مولود کو دیر تک ماں کی نظروں سے غائب کیا۔ پھر آمنہ نے ایک آواز سنی:

> "محمد کو شرق و غرب عالم کی سیر کراؤ اور مخلوقات کو دکھاؤ۔ پھر اسے انبیاء کی ان صفات سے آراستہ کرو۔ صفائے آدم۔ نوح کی رقت قلب، ابرہیم کی خلت، گفتار اسماعیل، یوسف کی خوبصورتی، یعقوب کی خوشنودی، لحن داؤدی، زہد یحییٰ اور بخشش عیسیٰ۔"

پھر وہ بادل کنارے ہٹا اور آمنہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ حریر کا سفید رنگ کا کپڑا اپنے مٹھی میں دبائے ہوئے ہیں۔ اسی وقت کسی نے ندا دی کہ محمد نے پوری دنیا کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے اور کوئی شئے نہیں مگر یہ کہ ان کے ہاتھ میں ہے۔

مہر نبوت: دونوں بادلوں کے ہٹنے کے بعد تین لوگ ظاہر ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کے پانی کا پیالہ اور مشک نافہ تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں زمرد سبز کا ایک چوکور طشت تھا جس کے ہر کونے میں ایک سفید مروارید تھا۔ کسی نے کہا اے حبیب خدا! یہ طشت دنیا ہے اسے اٹھالیجئے۔ پیغمبر اسلامؐ نے اس کے بیچ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آواز نے کہا انہوں نے کعبے کو اٹھایا۔

تیسرا شخص جنت کا خزانچی رضوان تھا۔ اس کے ہاتھ میں سفید حریر تھا جسے اس نے کھولا اور اس میں سے ایک مہر نکالی جو ہر دیکھنے والے کی آنکھ کو خیرہ کردے۔ پھر اس پانی سے جو چاندی کے برتن میں تھا، پیغمبر کو سات بار غسل دیا اور اس مہر کو حضرت کے شانوں کے بیچ میں لگایا۔ پھر آپ سے کچھ گفتگو کی جسے جناب آمنہ سمجھ نہ سکیں سوائے اس جملے کے:

> "اللہ کے حفظ و امان میں رہو۔ اب تمہارا دل ایمان، علم، یقین، عقل اور شجاعت سے بھر گیا ہے۔ تم بہترین فرد ہو۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو تمہاری پیروی کرے اور بدنصیب ہے وہ شخص جو تمہاری مخالفت کرے۔"

پھر اس نے مہر کو حریر میں لپیٹ کر اپنے پروں میں رکھ لیا۔ پھر وہ لوگ پلٹے۔ رضوان نے ایک بار پھر آپ پر نظر کی اور کہا اے دنیا اور آخرت کی عزت!

پیغمبرؐ کا غسل: رضوان کے جانے کے بعد جنت کی حوروں نے پیغمبر کو ایک نرم کپڑے میں لپیٹ کر جناب آمنہ کے آغوش میں رکھ دیا۔ پھر وہ جنت کی طرف پلٹ گئیں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کو حضرت کے پیدائش کی مبارک باد دی۔

پھر میکائیل اور جبرئیل دو جوان آدمی کی صورت میں زمین پر نازل ہوئے۔ جبرئیل کے پاس سونے کا ایک طشت اور میکائیل کے پاس عقیق سرخ کا ایک پیالہ تھا۔ جبرئیل نے اس نورانی مولود کو ہاتھ میں لیا۔ میکائیل نے آنحضرتؐ پر پانی ڈالا اور انہیں غسل دیا اور جناب آمنہ سے جو ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں کہا:

> "اے آمنہ! ہرگز اسے نجاست کے لئے نہ دھوؤ کیونکہ اس میں نجاست نہیں اور نجاست اس تک نہیں پہنچ سکتی۔"

غسل کے بعد پیغمبرؐ کی آنکھوں میں سرمہ لگایا اور حضرتؐ کی پیشانی پر تل کی طرح ایک نقطہ بنایا۔ ان کے پاس مشک، عنبر اور کافور بھی تھی جسے مولود کے سرہانے رکھ دیا۔

ملائکہ کا سلام: کمرے کے باہر کچھ شور سنائی دیا۔ جبرئیل دروازہ پر گئے اور کہا: ساتوں آسمان کے فرشتے آئے ہوئے ہیں اور ختم رسل کو سلام کرنا چاہتے ہیں۔ ناگاہ گھر حد نظر تک وسیع ہو گیا اور فرشتے گروہ گروہ کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ سلام کرتے تھے اور کہتے تھے:

السلام علیک یا محمد ، السلام علیک یا محمود، السلام علیک یا احمد،

السلام علیک یا حامد

فرشتوں کے جانے کے بعد رات کی تاریکی میں ناگاہ پیغمبر اسلامؐ کے سر اور گالوں سے ایک نور ساطع ہوا جو چھت سے پار ہوتے ہوئے عرش الٰہی تک پہنچا اور افق کو منور کر دیا، یہاں تک کہ ایران و روم میں بھی دکھائی دیا۔ یہ نور ان گھروں پر چمکا جو آنے والے سالوں میں اسلام کی مدد کرنے والے تھے اور ان کفار پر جو کبھی مسلمان ہونے والے نہیں تھے، نہیں چمکا۔

جناب آمنہ کے والدین: ان عجیب و غریب واقعات کے ختم ہونے کے بعد جناب آمنہ نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گئیں۔ ان کے والدین دوڑ کر ان کے پاس آئے اور انہیں ہوش میں لایا گیا۔ جناب آمنہ نے کہا آپ لوگ کہاں تھے جو دیکھتے کہ مجھ پر کیا بیت گئی اور میرا بیٹا کیسے دنیا میں آیا؟ پھر انہوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔

جناب آمنہ کے والد نے جناب عبدالمطلب کے پاس ایک غلام روانہ کیا تاکہ انہیں پوتے کی ولادت کی خوشخبری دے۔ غلام عبدالمطلب کے پاس آیا اور بشارت دی کہ آپ کی بہو کے یہاں ایک بیٹا ہوا ہے۔ انہوں نے یہ خبر سن کر کہا: خدا کی قسم! آج رات کے عجیب علامتیں اور حوادث اسی فرزند کی پیدائش کے لئے تھے۔

دادا کی آغوش میں: جناب عبدالمطلب اپنے بیٹوں کے ساتھ جناب آمنہ کے مکان پر تشریف لائے اور بچے کو آغوش میں لیا۔ پھر بچے کے چہرے کو دیکھا جو چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ ان کو بچے کے تسبیح و تحلیل کہنے پر تعجب ہوا۔ پھر جو کچھ آمنہ نے دیکھا تھا ان کے لئے بیان کیا گیا۔ عبدالمطلب نے پیغمبر کو اپنے دامن میں رکھا اور کہا:

"شکر اس معبود کا جس نے یہ پاکیزہ اور خوبصورت بیٹا عطا کیا جو گہوارے میں بھی سارے مردوں اور لڑکوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اسے خدا کے حوالے کرتا ہوں یہاں تک کہ جوانی کی منزل پر پہنچے۔ پالنے والے! اسے خطروں سے محفوظ رکھ اور تنگ نظر حاسدوں کو اس سے دور رکھ۔"

پھر جناب عبدالمطلب حضرت کو کعبے میں لیکر آئے اور اللہ تعالی کا شکر ادا کیا کہ یہ بیٹا انہیں عطا ہوا۔ پھر فرمایا: بسم اللہ و باللہ۔ کعبے نے جواب میں کہا: آپ پر پروردگار کی رحمت و برکت ہو۔ پھر آپ آمنہ کے پاس واپس آئے اور بچے کو ان کے حوالے کر دیا۔

ولادت کا پہلا ہفتہ

وصی پیغمبرؐ کے بارے میں خبر[۱]: پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کے کچھ دیر بعد جناب فاطمہ بنت اسد جناب آمنہ کے پاس آئیں۔ آمنہ نے پوچھا: "جو میں دیکھ رہی ہوں کیا تم بھی دیکھ رہی ہو؟" انہوں نے سوال کیا: "تم کیا دیکھ رہی ہو؟" جواب دیا: "وہ نور جو مغرب و مشرق سے طلوع ہوا ہے اور فارس کی سرزمین اور شام کے محل اس میں دکھائی دے رہے ہیں۔"

فاطمہ بنت اسد جناب ابوطالب کے پاس گئیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا ہوگیا؟ کس بات پر حیرت ہے؟ انہوں نے جو کچھ آمنہ سے سنا تھا بیان کر دیا۔ ابوطالب نے کہا: اس بات کو پوشیدہ رکھو اور کسی سے بیان نہ کرو۔ کیا تم کو ایک خوشخبری دوں؟

انہوں نے جواب دیا: ہاں!۔ جناب ابوطالب نے کہا: تیس سال بعد تم بھی ایسے ہی فرزند کی ماں بنو گی لیکن وہ پیغمبر نہ ہوگا بلکہ اسی محمد کا وزیر اور جانشین ہوگا۔

مشک کی خوشبو[۲]: پیغمبر اسلامؐ کے چچا جناب عباس نقل کرتے ہیں کہ محمدؐ کی ولادت کے بعد میں آمنہ کے پاس گیا اور بچے کو آغوش میں لیا۔ اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان ایک چمکتا نور دیکھا اور ان سے مشک کی بو آرہی تھی۔

۱۔ حلیۃ الابرار (ج ۱)، ص ۲۸، مناقب آل ابی طالب (ج ۱)، ص ۳۱، بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۶۳، ۲۷۳، ۲۹۵ و ۲۹۷

۲۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۵۶؛ روضۃ الواعظین، ص ۶۵

آنخضرتؐ کا عقیقہ[۱]: پیغمبر اسلامؑ کی ولادت کے ایک روز بعد، جناب عبدالمطلب نے آپ کے لئے ایک بھیڑ عقیقہ کیا اور پوتے کا نام محمد رکھا۔ کچھ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس فرزند کا نام محمد کیوں رکھا اور کیوں اپنے آباواجداد کے ناموں میں سے کسی نام کا انتخاب نہیں کیا؟

جناب عبدالمطلب نے جناب آمنہ کو ملے حکم الٰہی کے مطابق آپ کا نام محمد رکھ دیا تھا۔ انہوں نے کہا میں چاہتا تھا اللہ تعالیٰ آسمان پر اور لوگ زمین پر اس کی تعریف کریں۔

آپ پیغمبر ہیں[۲]: مکہ میں یوسف نامی ایک یہودی شخص رہتا تھا۔ اس نے آنخضرتؐ کی ولادت کی رات تاروں کی حرکت دیکھ کر اپنے دل میں کہا:

> "آج رات ایک پیغمبر کی ولادت ہوگی۔ یہ وہی ہے جس کے بارے میں گذشتہ کتابوں میں میں نے پڑھا ہے کہ آخری نبی ہے اور اس کی ولادت کے وقت شیاطین پر آگ کے گولے برسائے جائیں گے اور وہ آسمان پر آنے سے منع کردئے جائیں گے"۔

یوسف اگلے دن صبح قریش کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا: کیا کل رات تمہارے یہاں کسی بچے کی ولادت ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم ہم نہیں جانتے۔ یوسف نے کہا:

> "توریت کی قسم! یا تمہارے درمیان کسی بچے کی ولادت ہوئی ہے یا فلسطین میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے جو آخری نبی اور افضل انبیا ہے۔ اس کا نام احمد ہے۔ میں جو کہہ رہا ہوں اسے دھیان سے سنو۔ کل رات اس امت کے نبی کی ولادت ہوگئی۔ اس کے شانے پر مہر نبوت ہے۔"

۱۔ کنزالعمال (ج ۱۲)، ص ۴۴۴

۲۔ امالی الصدوق، ص ۱۴۵؛ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی (ج ۲)، ص ۹؛ مناقب آل ابی طالب (جلد ۱)، ص ۳۰؛ کمال الدین، ص ۱۹۷؛ فضل بن حسن طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۵۸؛ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۶۰، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۹۴؛ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۰۱؛ سبیل الہدی والرشاد، ص ۳۳۹؛ الوفاء باحوال المصطفیٰ، ص ۹۲؛ ابوبکر بیہقی، دلائل النبوۃ، ص ۱۰۸

قریش کے لوگ اپنے گھروں کو گئے اور یوسف کی باتوں کو اپنی بیویوں سے بیان کیا۔ ان کی بیویوں نے بتایا کہ کل رات عبداللہ بن عبدالمطلب کی بیوی آمنہ کے یہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ خبر یوسف تک پہنچی اس نے سوال کیا کہ کیا یہ بچہ میرے سوال پوچھنے کے بعد پیدا ہوا ہے یا پہلے پیدا ہو چکا تھا؟ انہوں نے جواب دیا اس کی ولادت تمہارے سوال کرنے سے قبل ہوئی ہے۔ یوسف نے کہا مجھے اس کے پاس لے چلو۔

کچھ لوگ یوسف کے ہمراہ جناب آمنہ کے گھر گئے اور ان سے کہا کہ اپنے بیٹے کو لاؤ تا کہ یہ یہودی اسے دیکھے۔ جناب آمنہ بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لائیں۔ یہودی نے پہلے بچے کی آنکھوں میں دیکھا پھر بچے کے شانوں سے لباس ہٹایا اور شانوں کے بیچ ایک سیاہ مہر دیکھی جس پر باریک بال اگے ہوئے تھے۔

یوسف مہر کو دیکھتے ہی چلایا: خدا کی قسم! یہ بچہ وہی پیغمبر ہے۔ پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ بچے کو آمنہ کے حوالے کیا گیا کہ خدا تمہیں مبارک کرے۔

یوسف کو ہوش میں لایا گیا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا وائے ہو تم پر! تمہیں کیا ہو گیا؟ یوسف نے مایوسی سے جواب دیا: نبوت ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل سے چلی گئی۔ لوگوں کو تعجب ہوا اور وہ ہنسنے لگے۔ یوسف نے کہا:

> "قریش کے لوگو! تم ہنستے ہو؟ خدا کی قسم! یہ بچہ تم پر ایسا حملہ کرے گا کہ مشرق و مغرب تمہارے بارے میں باتیں کریں گے۔"

کعبے پر بادل[۱]: ولادت کے دوسرے روز لوگ کعبے کے قریب آئے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ کی شب ولادت میں جو مشعل آسمان سے آیا تھا وہ ابھی جل رہا ہے اور اس رات جو بادل کعبے کے اوپر آیا تھا وہ اب بھی زعفران و عنبر کی بارش کر رہا ہے۔ وہ حیران تھے کہ ناگاہ ایک ہاتف کی آواز سنائی دی:

> جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً۔ حق آیا اور باطل ختم ہو گیا اور باطل ختم ہونے ہی والا تھا۔

بچے کا گہوارہ[۱]: ولادت کے تیسرے دن جناب عبدالمطلب نے حضرتؐ کے لئے ایک گہوارہ خریدا۔ یہ گہوارہ کالی خیزراں کی لکڑی سے بنایا گیا تھا جس میں سونے چڑھے ہاتھی کے دانت کی جالیاں لگیں تھیں۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۹۰؛ الفضائل، ص ۲۱

گہوارہ میں سفید چاندی کے دو حلقے تھے اور اسے حریر کے سفید کپڑے سے ڈھکا گیا تھا جس پر سنہرے تارے لگے ہوئے تھے۔ جناب عبدالمطلب نے بچے کو بہلانے کے لئے سبز رنگ کے دُر و مروارید خریدا اور گہوارہ کے پاس رکھ دیا۔ جب پیغمبر اسلامؐ خواب سے بیدار ہوتے تو انہیں ٹکڑوں سے اللہ تعالی کی تسبیح کرتے تھے اور فرشتے جھولا جھلاتے تھے۔

بت شکن آگیا[۲]: قریش میں جرہمانیہ نامی ایک کاہنہ تھی جس کا بیٹا بت پرست تھا۔ آنحضرتؐ کی ولادت کے شب جرہمانیہ اپنے بت کے پاس گئی اور کہا:

"میرے اور تمہارے درمیان کچھ حائل ہوگیا۔ آسمانی نور نازل ہوچکا اور جو اس میں داخل ہوگا اسے نجات مل جائے گی اور جو اس سے دوری اختیار کرے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔ احمد عظیم پرچم اور ابدی عزت کے مالک ہیں۔"

جرہمانیہ کے بیٹے نے جب تین مسلسل راتیں اپنی ماں سے یہ باتیں سنیں تو بے تاب ہو کر سوال کیا کہ یہ احمد کون ہیں؟ اس نے جواب دیا عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا جو یتیم ہے۔ وہ صاحب پیشانی سفید اور چمکنے والے نور کے مالک ہیں۔ ان دونوں کے گفتگو کے درمیان ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی: اس مولود کی وجہ سے سارے بت ختم ہوگئے۔

گہوارے میں عجیب نور[۳]: ولادت کے چوتھے روز سواد بن قارب جناب عبدالمطلب کے خدمت میں آیا اور آپ کعبے کے قریب تشریف فرما تھے۔ قریش اور بنی ہاشم آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ سواد نے کہا:

"اے عبدالمطلب! میں نے سنا ہے کہ تمہارے بیٹے عبداللہ کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا ہے جس کے بارے میں لوگ عجیب عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرے کی زیارت کرادیں۔"

۱۔ الفضائل، ص ۲۳؛ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۹۲؛ سیرہ حلبیہ، ص ۱۱۵

۲۔ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۹۷

۳۔ بحارالانوار (ج ۱۵)، ص ۲۹۳؛ الفضائل، ص ۲۳؛ ناسخ التواریخ: جلد حضرت عیسی جز ۳، ص ۸۹

جناب عبدالمطلب سواد کے ساتھ آمنہ کے گھر گئے۔ پیغمبر اسلامؐ آرام فرمارہے تھے۔ عبدالمطلب نے سواد سے کہا آہستہ قدم بڑھاؤ تاکہ بچہ بیدار نہ ہو جائے۔ پھر وہ لوگ حضرتؐ کے کمرے میں گئے اور دیکھا کہ آپ محو خواب ہیں اور آپ کے چہرے سے پیغمبروں کی ہیبت نمایاں ہے۔ جب حضرتؐ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو ایک نور ساطع ہوا جو چھت کو پار کرتے ہوئے آسمان تک پہنچا۔ نور کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ عبدالمطلب اور سواد نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔

سواد نے جب یہ منظر دیکھا تو خم ہو کر بچے کے سر اور پیر کو بوسہ دیا اور عبدالمطلب سے کہا: اے عبدالمطلب! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں اس بچے پر اور جو کچھ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے لائے گا ایمان لاتا ہوں۔ پھر وہ آنخضرتؐ کے رخسار کو چوم کر باہر چلا گیا۔

ابوطالب نے کیا عقیقہ[1]: ایک ہفتہ بعد، جناب ابوطالب نے عقیقہ کیا اور آل ابی طالب مدعو کئے گئے۔ لوگوں نے پوچھا کس کا عقیقہ ہے۔ جواب دیا احمد کا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں اس کا نام احمد رکھا؟ جواب دیا کیونکہ زمین و آسمان والے اس کی مدح کرتے ہیں۔

نورانی مولود کی برکت[2]: جس سال آنخضرتؐ کا نور جناب آمنہ کے بطن میں منتقل ہوا اور پیغمبر اسلامؐ کی ولادت ہوئی، اس سال بہت بارش ہوئی اور ہر طرف ہریالی ہو گئی اور درختوں میں پھل لگ گئے۔ اسی لئے اس سال کو سال گشایش و سرور کہا گیا اور اسے حضرتؐ کے قدوم بابرکت کی تشریف آوری کی وجہ سے جانا گیا۔

۱۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۲۴۹

۲۔ بحار الانوار (ج ۱۵)، ص ۱۵۱، ۲۵۴، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۷، ۲۹۶، ج ۹۴ ص ۱۲۰، ج ۹۵ ص ۱۹۳، ۱۹۴

اہل سنت کی تفسیروں میں امام حسینؑ کا مقام

تالیف: محمد اسماعیل عبداللہی
ترجمہ: مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان

حدیث ثقلین کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے لوگوں کے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑیں۔ قرآن مجید اور اہلبیت پیغمبرؐ۔ امام حسینؑ اہلبیت کی ایک فرد اور خامس آل عبا ہیں اور اسی وجہ سے رسول خداؐ اور دوسرے ائمہ آپ پر خاص توجہ رکھتے تھے اور چونکہ روایتوں کے مطابق اللہ تعالی نے سید الشہداؑ کی شان میں قرآن میں آیتیں بھی نازل کی ہیں لہذا آنحضرتؑ اور آپ سے متعلق روایتیں اہل سنت مفسرین کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ اس مضمون میں ہم اہل سنت مفسروں کی نظر میں امام حسینؑ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں بتائیں گے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیتیں امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور اہل سنت مفسرین نے ان میں سے بعض کو حضرت کی شان میں مانا ہے اور بعض کی تاویل پیش کی ہے۔ اس تحریر میں ہم نے اہل سنت کے تفسیری منابع میں حضرتؑ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں تحقیق کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح امام حسینؑ تاریخ اسلام اور روائی منابع میں خاص مقام رکھتے ہیں، اسی طرح اہل سنت کی تفسیری روایتوں میں بھی آپ بلند مقام کے حامل ہیں جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

امام حسینؑ کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ کچھ مورخین نے تیسری یا پانچویں شعبان بروز منگل یا جمعرات اور بعض نے ماہ ربیع الاول سنہ تین ہجری کے آخری دن[1] اور کچھ لوگوں نے پچیسویں ماہ شعبان[2] کو آپ کی ولادت کی تاریخ کے طور پر بتایا ہے۔ بعض مورخین نے سنہ چار

۱۔ طبرسی، فضل بن حسن، اعلام الوری، ص ۳۰۷
۲۔ طبری، عماد الدین حسن بن علی، تحفۃ الابرار، ص ۱۶۶

ہجری میں ماہ شعبان کی تیسری یا پانچویں [۱] تاریخ کو اور بعض نے ماہ شعبان سنہ چار ہجری کو آپ کی ولادت کی تاریخ بتایا ہے۔[۲]

امام حسینؑ کی عظمت و شخصیت کے حوالے سے پیغمبر اسلامؐ سے بہت سی احادیث اہل سنت کے تفسیری متون میں منقول ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ ہمیشہ آپ پر خاص توجہ کرتے تھے جیساکہ رسول خداؐ سے منقول ہے:

> "الولد ریحانة و ریحانتای الحسن و الحسین۔ ترجمہ: ... حسن و حسین میرے دلبند ہیں۔[۳]"

یہ توجہ اور اہمیت صرف نسبی رشتے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دین کی حفاظت میں آپ کے اہم کردار کی وجہ سے ہے۔ آپ نے اپنے پورے وجود کو اللہ کی راہ میں قربان کردیا اور واریدان آمر بالمعروف و انھی عن المنکر [۴] کے ذریعہ لوگوں کو بتایا کہ آپ وارث علم نبی اور عالم بطون قرآن ہیں۔

امام حسینؑ، اہل سنت کی تفسیروں میں

امام حسینؑ کی شخصیت اور دین کی حفاظت میں آپ کے کردار کی وجہ سے بعض قرآنی آیتوں کو آپ سے منسوب کیا گیا ہے اور اہل سنت مفسرین نے بھی انہیں اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔ ہم اس مضمون میں انہیں آیتوں کے سلسلہ میں گفتگو کریں گے۔

۱۔ شوشتری، نور اللہ، احقاق الحق، ص ۴؛ عکبری بغدادی، محمد بن محمد بن نعمان، الارشاد، ص ۲۷؛ حموی، محمد بن اسحاق، انیس المؤمنین الحموی، ص ۹۵؛ مجلسی، محمد بن باقر، بحارالانوار، ص ۲۰۱

۲۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف البلاذری، ص ۴۰۴

۳۔ التلیدی المغربی، ابوالفتوح عبداللہ بن عبدالقادر، الانوار الباہرة، ص ۱۶۳؛ تلمسانی، محمد بن ابی بکر، الجوہرة فی نسب الامام علی، ص ۴۳؛ محمد بن طولون، شمس الدین، ائمۃ الاثنی عشر، ص ۲۷؛ الجزری، شمس الدین محمد بن محمد بن محمد، استی المطالب فی مناقب الامام علی، ص ۷۰ او ۱۹۰؛ قندوزی، سلیمان بن ابراہیم، ینابیع المودة لذوی القربی (جلد ۴)، ص ۱۸۵

۴۔ کوفی، ابن اعثم، الفتوح، ص ۲۱

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ ترجمہ: پھر آدم علیہ السّلام نے پروردگار سے کلمات کی تعلیم حاصل کی اور ان کی برکت سے خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔[۱]

حضرت آدم نے خدا سے جن کلمات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بارے میں ابن نجار نے ابن عباس سے روایت کی ہے:

"میں نے رسول خداؐ سے سوال کیا کہ وہ کلمات جن کے ذریعہ آدم کی توبہ قبول ہوئی وہ کیا ہیں؟ رسول خداؐ نے فرمایا سَالَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَ عَلِی وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَینِ اِلَّا تُبتَ عَلَی، فَتَابَ عَلَیه۔"[۲]

رسول خداؐ جو وحی کے سوا کچھ نہیں بولتے، انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں پنج تن پاک کا نام لیا ہے جن میں ایک امام حسینؑ بھی ہیں۔ اس سے اللہ تعالی کی درگاہ میں پنج تن کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

❖

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّـهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔ ترجمہ: پیغمبر علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔[۳]

اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت علما نے تحریر کیا ہے کہ ابناء نا سے مراد حسن و حسین ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جس وقت رسول خداؐ مباہلہ کے لئے جارہے تھے تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۷
۲۔ حسکانی، عبید اللہ بن عبداللہ محقق، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۱۰۱ و ۱۰۲؛ سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور، ص ۶۱
۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۶۱

تھے، جناب فاطمہ (س) آپ کے پیچھے پیچھے اور حضرت علیؑ ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ علمائے نجران نے ان کو دیکھ کر کہا:

"یا معشر النصاری! انی لاری وجوهاً لو سالوا الله تعالی ان یزیل جبلا من مکانه لازاله فلا تباهلوا فتهلکوا فاذعنوا۔ ترجمہ: اے نجران کے رہنے والو! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالی سے درخواست کریں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ تم ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔"[1]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ، پیغمبر اسلامؐ کے بیٹے ہیں اور اہل سنت مفسرین اس قول کی تائید کے لئے وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ سے استناد کرتے ہیں۔[2]

ان آیتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسی ماں کی طرف سے حضرت ابراہیم سے منسوب ہیں اور انہیں ابراہیم کی ذریت مانا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹی کے بیٹے کو بھی اپنا بیٹا کہا جاتا ہے۔[3]

❖

وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ۔ ترجمہ: اور خبردار اپنے نفس کو قتل نہ کرو۔[4]

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے لا تقتلوا اهلبیت نبیکم اور اثبات کے لئے آیہ مباہلہ سے استناد کرتے ہیں کہ انفسکم سے مراد اہلبیت رسولؐ ہیں جس میں خود رسول خداؐ،

۱۔ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل و اسرار التاویل، ص ۲۰؛ ثعلبی، احمد بن محمد، الکشف والبیان المعروف تفسیر الثعلبی، ص ۸۵؛ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ص ۲۱۱

۲۔ اور پھر ابراہیم کی اولاد میں داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون قرار دیئے (سورہ انعام، آیت ۸۴)

۳۔ فخر رازی، ابو عبداللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب ص ۲۴۸

۴۔ سورہ نساء، آیت ۲۹

حضرت علیؑ، جناب فاطمہ (س)، امام حسنؑ اور امام حسینؑ شامل ہیں۔کان ابناء ھذہ الامۃ الحسن و الحسین و کان نساؤھا فاطمہ و انفسھم النبی و علی۔[۱]

ابن عباس کی تفسیر کے مطابق اللہ تعالی نے اہلبیت رسولؑ کو قتل کرنے سے منع کیا ہے لیکن اہلبیت رسولؑ یکے بعد دیگرے قتل ہوتے رہے اور آخر میں امام حسینؑ کو بہت ہی مظلومانہ طریقہ سے شہید کردیا گیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ انہیں آیتوں کی تلاوت کرتے تھے جن کی تفسیر انہوں نے ابن عباس سے بھی سنی تھی۔

❖

وَمَن يُطِعِ اللَّـهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّـهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا۔ ترجمہ: اور جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن پر خدا نے نعمتیں نازل کی ہیں انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین اور یہی بہترین رفقا ہیں۔[۲]

اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت مفسروں سے بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ عبداللہ بن عباس اس بارے میں کہتے ہیں:

و من یطع اللہ و الرسول یعنی واجبات میں اللہ تعالی کی اطاعت اور سنت پیغمبرؐ کی تبعیت کرنی چاہئے۔ اللہ تعالی نے پیغمبر اسلامؐ کا انتخاب کیا، اور صدیقین میں حضرت علیؑ ہیں جو نبی کریمؐ کی تصدیق کرنے والے پہلے شخص ہیں اور شہدا میں علی، جعفر، حمزہ، حسن و حسین شامل ہیں جو سادات شہدا ہیں اور صالحین سلمان، ابوذر، صہیب، بلال، خباب اور عمار ہیں اور حسن اولئک میں گیارہ امام شامل ہیں۔ اور رفیقاً سے مراد وہ بہشت یا منزل

۱۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۱۸۱-۱۸۲

۲۔ سورہ نساء، آیت ۶۹

ہے جہاں رسول خداؐ، حضرت علیؑ، جناب فاطمہ (س)، امام حسنؑ اور امام حسینؑ ایک ساتھ رہیں گے۔[۱]

اس آیت کے پہلے حصہ میں جو شہیدوں سے متعلق ہے، معصومین علیہم السلام بشمول امام حسینؑ کا ذکر دوسرے غیر معصوم شہیدوں کے ساتھ ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ تمام ایک ہی درجہ پر ہیں لیکن آیت کے آخری حصہ میں رفیقاً کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم شہیدوں بشمول امام حسینؑ کا درجہ دوسرے شہیدوں سے بالکل الگ ہے چونکہ اس حصہ کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت امام حسینؑ کو جنت میں رسول خداؐ، حضرت علیؑ، جناب فاطمہ (س) اور امام حسنؑ کے ایک ساتھ ایک مکان میں قرار دیا ہے۔ ان تمام باتوں سے اہل سنت کی تفاسیر میں امام حسینؑ کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

داود بن سلیمان، امام رضاؑ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جہاں ارشاد ہوتا ہے:

"(فَاُولئِکَ مَعَ الَّذِینَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیهِمْ) قَالَ: مِنَ النَّبِیینَ مُحَمَّدٌ، وَ مِنَ الصِّدِّیقِینَ عَلِی بْنُ اَبِیطَالِبِ، وَ مِنَ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ، وَ مِنَ الصَّالِحِینَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَینُ وَ حَسُنَ اُولئِکَ رَفِیقاً قَالَ الْقَائِمُ من آل محمد لفظاً سواءً۔ ترجمہ: پیغمبر اسلامؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: نبیین سے محمد، صدیقین سے علی، شہدا سے حمزہ اور صالحین سے حسن و حسین مراد ہیں اور حسن اولئک رفیقاً سے مراد قائم آل محمد ہیں۔"[۲]

اس طرح کی روایت اصبغ بن نباتہ نے ابن عباس سے بھی نقل کی ہے

❖

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّـهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِیلِهِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ۔ ترجمہ: ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ شاید اس طرح کامیاب ہو جاؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں کئی روایتیں بیان ہوئی ہیں جن میں سے چند کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۱۹۶-۱۹۷

۲۔ ایضاً، ص ۱۹۷-۱۹۹

ابن عباس رسول خداؐ سے نقل کرتے ہیں:

"سلو الله لی الوسیلة فانه لم یسالها لی عبد فی الدنیا الا کنت له شهیداً او شفیعاً یو م القیامة۔ ترجمہ: مجھ وسیلہ قرار دیکر اللہ تعالی سے مانگو، کیونکہ جو بھی دنیا میں مجھے وسیلہ بنائے گا، میں قیامت میں اس کے حق میں گواہی دوں گا یا روز قیامت اس کی شفاعت کروں گا۔[۱]"

ابن مردویہ نے اپنی اسناد کے ذریعہ حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

"بہشت میں ایک درجہ ہے جسے وسیلہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ پس اگر خدا سے اس درجہ کو طلب کرنا تو مجھے وسیلہ قرار دینا۔ لوگوں نے سوال کیا: یارسول اللہؐ اس مقام پر آپ کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: علی، فاطمہ، حسن و حسین اور یہ لوگ بھی میری طرح جنت تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔[۲]"

ابن ابی حاتم نے سالم بن ثوبان سے نقل کیا ہے کہ میں نے علیؑ کو منبر کوفہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہشت میں دو موتی ہیں۔ ایک سفید اور دوسرا زرد۔ سفید موتی عرش تک پھیلا ہوا ہے اور وہ مقام محمود ہے، جس میں ستر ہزار کمرے ہیں اور ہر کمرہ تین میل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ کمرے اور اس کے دروازے وسیلہ سے بنے ہیں اور یہ کمرے محمد وآل محمد کے لئے مخصوص ہیں اور زرد رنگ والا بھی ایسا ہی ہے اور وہ جناب ابراہیم اور ان کے اہلبیت سے مخصوص ہے۔[۳]

عکرمہ، أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ[۴] کے بارے میں کہتے ہیں کہ هم النبی و علی و فاطمة و الحسن و الحسین (علیهم السلام)۔[۵]

۱۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ص ۹۵
۲۔ ایضاً
۳۔ الکشف والبیان المعروف تفسیر الثعلبی، ص ۵۹؛ تفسیر القرآن العظیم، ص ۹۵
۴۔ سورہ اسراء آیت ۵۷
۵۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۴۴۶

ابن عباس کی روایت میں وسیلہ کی تصریح کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں وسیلہ پر تاکید کے علاوہ اس کے مصداق کو بھی بتایا ہے اور اسے اہلبیت سے مخصوص کیا گیا ہے اور ابن ابی حاتم کی روایت میں آیا ہے کہ اہلبیت مطلق طور پر وسیلہ ہیں۔

❖

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ۔ ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ سے بیان کی ہے جس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔[1]

سلام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ یابن رسول اللہ! أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کا معنی بیان کیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: اے سلام! شجرہ محمد، فرع علی، حسن و حسین اس کے پھل، فاطمہ اس کی شاخ اور ان کی نسل سے ائمہ اس شاخ کی ٹہنیاں اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں۔

دوسری روایت میں ابوالقاسم قرشی اپنی سند کے ذریعہ عبدالرحمٰن کے غلام مینا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھ سے کہا: اے مینا! اس سے پہلے کہ احادیث، باطل باتوں سے مخلوط ہو جائیں، میں تم کو ایک حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے رسول خداؐ کو ہمیشہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"أَنَا شَجَرَةٌ وَ فَاطِمَةُ فَرْعُهَا وَ عَلِي لِقَاحُهَا وَ حَسَنٌ وَ حُسَينٌ ثَمَرُهَا وَ مُحِبُّوهُم مِنْ أُمَّتِي وَرَقُهَا ، ثُمَّ قَالَ هُمْ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ وَ الَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ۔ ترجمہ: میں درخت ہوں، فاطمہ اس کی شاخ ہیں، علی اس کا شگوفہ ہیں، حسن و حسین اس کے پھل ہیں اور ان کے چاہنے والے اس کے پتے ہیں اور وہ لوگ جنت عدن میں ہیں۔"

ابو عثمان الحیری نے بھی اس روایت کو عبدالرحمٰن سے اسی طرح نقل کیا ہے۔[2]

❖

۱۔ سورہ ابراہیم، آیت ۲۴
۲۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۴۰۶-۴۰۹

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔ ترجمہ: ان پر ہمارا سلام جس دن پیدا ہوئے اور جس دن انہیں موت آئی اور جس دن وہ دوبارہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔[1]

اس آیت کی تفسیر میں ابن عساکر نے قرہ بن خالد سے نقل کیا ہے کہ ما بکت السماء و الارض الا علی یحیی بن زکریا و الحسین بن علی و حمرتها بکاؤها۔ ترجمہ: آسمان نے کسی پر گریہ نہیں کیا سوائے یحییٰ بن زکریا اور حسین بن علی پر اور اتنا رویا کہ سرخ ہوگیا۔[2]

اور یہ ان دونوں بزرگوں کی مظلومیت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ دونوں بزرگ بدترین اور شقی ترین افراد کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امام حسینؑ کا بلند مرتبہ ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں امام حسینؑ کا نام لیا ہے جن کی شہادت کے روز اللہ تعالی نے ان پر سلام و درود بھیجا ہے۔

❖

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّـهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔

ترجمہ: بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت کی بہت سی روایتیں متواتر طور پر وارد ہوئی ہیں جن میں سے کچھ روایتوں کی طرف ہم یہاں پر اشارہ کرتے ہیں:

ترمذی، ابن جریر، ابن منذر، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ام سلمہ سے نقل کیا ہے:

” فی بیتی نزلت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّـهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا و فی بیت فاطمة و علی و الحسن و الحسین فجللهم رسول الله

۱۔ سورہ مریم، آیت ۱۵
۲۔ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع الاحکام، ص ۲۲۰؛ الدر المنثور، ص ۲۶۴

بکساء کان علیه ثم قال هؤلاء اهلبیتی فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا ۔
ترجمہ: میرے گھر میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس وقت فاطمہ، علی اور حسن و حسین یہاں موجود تھے۔ رسول خداؐ نے ان کو اپنی چادر لیا اور فرمایا یہ میرے اہلبیت ہیں۔ اے اللہ! ان سے ہر رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک و پاکیزہ رکھ۔[۱]"

آیہ تطہیر کی تفسیر میں ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے سعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: یہ آیت میرے، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت عایشہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: عبا کے نیچے سب جمع ہوئے اور رسول خداؐ نے آیہ تطہیر کی تلاوت فرمائی۔[۲]
ان تمام روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہ تطہیر پنج تن آل عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے اور امام حسینؑ بھی پنج تن کی ایک فرد ہیں اور اہل سنت کے نزدیک آپ کا اہم مقام ہے۔

❖

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۔ ترجمہ: یہ رات کے وقت بہت کم سوتے تھے۔[۳]
اس آیت کی تفسیر میں ابوبکر بن مؤمن خود اپنی سند کے ذریعہ عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں:
"نَزَلَتْ فِي عَلِي بْنُ اَبِي طَالِبٍ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَينِ وَ فَاطِمَةَ (عَلَيهم السلام) وَ كَانَ عَلِي يَصَلّي ثُلُثَي اللَّيلِ الاَخِيرِ وَ يَنَامُ الثُّلُثَ الاَوَّلَ، فَاِذَا كَانَ السَّحَرُ جَلَسَ فِي الاِسْتِغْفَارِ وَ الدُّعَاءِ وَ كَانَ وِرْدُهُ فِي كُلِّ لَيلَةٍ سَبْعِينَ رَكْعَةً خَتَمَ فِيهَا القُرآنَ۔ ترجمہ: یہ آیت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کی شان میں نازل ہوئی ہے اور علیؑ رات کے ایک تھائی حصہ میں سوتے تھے اور دوسری تھائی میں نماز کے لئے قیام کرتے تھے اور سحر کے

۱۔ آلوسی، محمود بن عبداللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ص ۱۹۵؛ پانی پتی، ثناء اللہ، التفسیر المظہری، ص ۳۴
۲۔ تفسیر القرآن العظیم، ص ۳۶۷-۳۶۸؛ بغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، ص ۶۳۷؛ ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ص ۶۴۲
۳۔ سورہ ذاریات، آیت ۱۷

وقت دعا و استغفار کرتے تھے اور ہر رات ستر رکعت نماز پڑھتے تھے اور اس میں قرآن ختم کرتے تھے۔[۱]"

اگرچہ اس روایت میں عبداللہ بن عباس نے امیر المومنینؑ کی عبادت کا ذکر کیا ہے لیکن چونکہ یہ آیت ان چاروں بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اس عبادت میں سبھی حضرات کو شامل کرنا چاہئے اور آیت کا انداز بھی کلی ہے اور بغیر کسی قرینہ کے اسے کسی سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علیؑ کے لئے مشہور ہے کہ آپ ہر شبانہ روز میں ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے[۲] لیکن ہمارے دوسرے اماموں اور جناب فاطمہ (س) کی عبادت بھی اس سے کم نہ تھی اور تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے۔ اسی طرح شب عاشور امام حسینؑ نے ایک رات کی مہلت مانگی تا کہ دعا و عبادت کر سکیں۔[۳]

❖

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ۔ ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا اتباع کیا تو ہم ان کی ذریت کو بھی ان ہی سے ملادیں گے اور کسی کے عمل میں سے ذرہ برابر بھی کم نہیں کریں گے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے۔[۴]

اس آیت کی تفسیر میں محمد بن عبداللہ نے اپنی سند کے ذریعہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت پیغمبر اسلامؐ، حضرت علیؑ، جناب فاطمہ (س)، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[۵]

عبدالعزیز بن یحییٰ نے بھی اسی روایت کو بالکل اسی طرح ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت، نبی کریمؐ، علیؑ، فاطمہ (س) اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[۱]

۱۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۲۶۸
۲۔ لبستی المعتزلی، ابی القاسم اسماعیل بن احمد، المراتب فی فضائل امیر المومنین وسید الوصیین علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ، ص ۶۱
۳۔ اسماعیل بن کثیر، عماد الدین، البدایۃ والنہایۃ، ص ۱۷۶
۴۔ سورہ طور، آیت ۲۱
۵۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۲۷۰

ان روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اہلبیت کو ذریت رسول میں شمار کیا گیا ہے اور یہ ذریت کوئی عام ذریت نہیں ہے بلکہ صرف ان خاص افراد کو شامل ہے۔ آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ بہشت میں ان کے فرزندوں کو ان سے ملحق کریں گے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فرزندوں کا درجہ بہشت میں بہت اونچا ہے، کیونکہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ ہونگے اور یہ درجہ صرف معصومین علیہم السلام سے مخصوص ہے۔

❖

وَوَالِدٍ وَ مَا وَلَدَ۔ ترجمہ: اور تمہارے باپ آدم اور ان کی اولاد کی قسم۔[۲]

اس آیت کی تفسیر میں ابوالنضر اپنی سند کے ذریعہ ابی یعفور اور وہ اپنے بعض اصحاب کے ذریعہ امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ ابی جعفر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: والد سے مراد علیؑ اور وماولد سے مراد حسن و حسین ہیں۔ اسی روایت کو اسحاق نے بھی جابر سے نقل کی ہے۔[۳]

ان بزرگوں کی شان کیسے بیان کی جاسکتی ہے۔ جن کی قسم اللہ تعالی کھارہا ہے۔ جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے اس کا مرتبہ بہت بلند ہونا چاہئے اور خاص کر اگر اللہ تعالی کسی کی قسم کھاتا ہے تو یقیناً وہ بہت ہی بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔

منابع و مآخذ

- ❖ قرآن کریم
- ❖ ابن بابویہ، محمد بن علی، علل الشرائع، مترجم: ذہنی تہرانی، محمد جواد، اندیشۂ ہادی،۱۳۹۱ش
- ❖ ابن بابویہ، محمد بن علی، عیون اخبار الرضاؑ، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۴ق
- ❖ ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی، زاد المسیر فی علم التفسیر، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ق
- ❖ ابن طاووس، علی بن موسی، لھوف، انتشارات جہان، تہران، ۱۳۴۸
- ❖ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ق

۱۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۲۷۱

۲۔ سورہ بلد، آیت ۳

۳۔ شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ص ۴۳۰

- ❖ اسماعیل بن کثیر، عماد الدین، البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف، بیروت
- ❖ امین عاملی، سید محسن، اعیان الشیعہ، دار التعارف، بیروت، ۱۴۰۳
- ❖ آلوسی، محمود بن عبداللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ق
- ❖ بحرانی، سید ہاشم، البرہان فی تفسیر القرآن، تحقیق: قسم الدرسات الاسلامیہ موسسۃ البعثۃ قم، بنیاد بعثت، تہران، ۱۴۱۶ق
- ❖ البستی المعتزلی، ابی القاسم اسماعیل بن احمد، المراتب فی فضائل امیر المومنین وسید الوصیین علی بن ابی طالب، انتشارات دلیل ما، قم، ۱۳۸۰ش
- ❖ بغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ق
- ❖ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ق
- ❖ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، تحقیق: محمد عبدالرحمٰن مرعشی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ق
- ❖ پانی پتی، ثناء اللہ، التفسیر المظہری، مکتبہ رشدیہ، پاکستان، ۱۴۱۲ق
- ❖ تلمسانی، محمد بن ابی بکر، الجوہرۃ فی نسب الامام علیؑ، مکتبہ النوری، دمشق، ۱۴۰۲ق
- ❖ التلیدی المغربی، ابو الفتوح عبد اللہ بن عبد القادر، الانوار الباہرہ، مجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۸۸ش
- ❖ ثعلبی، احمد بن محمد، الکشف وبیان المعروف تفسیر الثعلبی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۲ق
- ❖ الجزری، شمس الدین محمد بن محمد، اسنی المطالب فی مناقب الامام علیؑ، نقش جہان، تہران
- ❖ حرانی، عبداللہ بن نور اللہ، عوالم العلوم والمعارف، مؤسسۃ الامام المہدی، بیروت، ۱۴۲۹
- ❖ حسکانی، عبید اللہ بن عبداللہ محقق، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، وزارت ارشاد، تہران،؛ ۱۴۱۱ق
- ❖ حلی، جعفر بن محمد بن نما، منیر الاحزان، مدرسۃ الامام المہدی، قم، ۱۴۰۶ق
- ❖ حموی، محمد بن اسحاق، انیس المؤمنین الحموی، بنیاد بعثت، تہران ۱۳۶۳ش
- ❖ سمرقندی، نصر بن محمد بن احمد، بحر العلوم،، دار الفکر، بیروت
- ❖ سید بن طاووس، الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف، انتشارات خیام، قم، ۱۴۰۰ق

❖ سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور، کتاب خانہ عمومی حضرت آیت اللہ العظمٰی مرعشی نجفی، قم
❖ شوشتری، نور اللہ، احقاق الحق، کتابخانۂ عمومی حضرت آیت اللہ العظمٰی مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۹ق
❖ طبرسی، فضل بن حسن، اعلام الوری، مؤسسۃ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۳۷۶ش
❖ طبرسی، عماد الدین حسن بن علی۔ (۱۳۷۶)۔ تحفۃ الابرار، تہران: میراث متوب؛
❖ طبرسی، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۲ق
❖ العروسی حویزی، عبد علی بن جمعۃ، تفسیر نور الثقلین، دار التفسیر، قم، ۱۳۸۳ش
❖ عکبری بغدادی، محمد بن نعمان (شیخ مفید)، الارشاد، انتشارات محبین، قم، ۱۴۲۶ق
❖ فخر رازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ق
❖ فیض کاشانی، محمد بن شاہ مرتضٰی، الوافی، مکتب الامام الامیر المؤمنین علیؑ العامہ، اصفہان، ۱۴۰۶ق
❖ قرطبیؒ، محمد بن احمد، الجامع الحکام، ناصر خسرو، تہران، ۱۳۶۴
❖ قمی، ابن قولویہ، کامل الزیارات، مترجم ذہنی تہرانی، محمد جواد، پیام حق، تہران، ۱۳۸۴
❖ قندوزی، سلیمان بن ابراہیم، ینابیع المودۃ لذوی القربی، اسوہ، قم
❖ کاتب واقدی، ابن سعد، طبقات الکبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ق
❖ کلینی، محمد بن یعقوب بن اسحاق، الکافی، کتاب فروشی علمیہ اسلامی، تہران، ۱۳۶۹
❖ کوفی، ابن عثم، الفتوح، دار الأضواء، ۱۴۱۱ق
❖ مجلسی، محمد باقر، جلاء العیون، نشر سرور، قم، ۱۳۸۲ش
❖ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفاء، بیروت
❖ محمد بن طولون شمس الدین، ائمۃ الأثنی عشر، نشر رضی، قم
❖ مسعودی، علی بن حسین، اثبات الوصیۃ للامام علی بن ابی طالب، انصاریان، قم، ۱۴۲۴ق
❖ مشہدی، میرزا محمد، تفسیر کنز الدقائق، دار الغدیر، قم، ۱۴۲۳ق
❖ میبدی، ابو الفضل رشید الدین، کشف الاسرار، امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۱
❖ نسائی، احمد بن شعیب، خصائص امیر المؤمنین، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۲
❖ یزدی حائری، علی بن زین العابدین، الزام الناصب، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۴۲۲

قیام عاشورہ، اہل سنت کی تاریخی کتابوں میں

مؤلف: ڈاکٹر سید احمد عقیلی
مترجم: ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری

واقعہ کربلا تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے جس میں بہت سے مقاصد واغراض پوشیدہ ہیں اور اہل سنت کے اکثر بزرگ مورخین نے اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔اس مضمون میں بخاری، طبری اور ذہبی کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے، قیام عاشورہ کے بارے میں ان مورخین کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تینوں مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ امام حسینؑ نے اللہ کے لئے قیام کیا اور اس قیام کی بنیاد آزادی، عدالت اور شرافت ہے۔آپ لوگوں کو حاکم وقت کے ظلم و ستم سے نجات دلانا چاہتے تھے۔اس واقعہ میں خاندان پیغمبرؐ کے افراد شہید ہوئے اور ان کے اہلبیت کو اسیر کیا گیا۔ پہلے ہم یہاں پر ان تینوں کتابوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں:

صحیح بخاری: امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بخاری کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ تیرہ شوال سنہ ۱۹۴ ہجری میں شہر بخارا میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بخارا کے مکتب خانوں سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ پھر علامہ داخلی جیسے علما کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ بخاری نے بہت ساری کتابیں تحریر کی ہیں جیسے کتاب قضایا الصحابہ والتابعین واقاویلہم، التاریخ الکبیر، الادب المفرد، اسامی الصحابہ، التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط، کتاب الجامع الصحیحین من السند من حدیث رسول اللہ وسنہ وایام معروف بہ صحیح بخاری۔امام بخاری نے ۱۶سال کے عرصہ میں اس کتاب کو تحریر کیا۔

گذشتہ صدیوں میں اس کتاب پر بہت توجہ دی گئی ہے اور سو سے زائد تعلیقات اور حواشی اس پر تحریر کئے گئے ہیں۔ مثلاً شرح فتح الباری تالیف علامہ ابن حجر عسقلانی اور عمد القاری تالیف بدرالدینی عینی۔ صحیح بخاری میں رسول خداؐ سے مروی احادیث کو نقل کیا گیا ہے۔ بخاری نے اس کتاب میں واقعہ عاشورہ کا تجزیہ

کیا ہے اور پہلے امام حسینؑ کے حسب و نسب کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر کوفیوں کی دعوت کا تذکرہ ہے جنہوں امامؑ کو کوفہ بلایا تھا اور پھر آپ کی شہادت کا تذکرہ ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ بخاری نے عزاداری اور عاشورہ کے سلسلہ میں اہل سنت کے عقائد کو بھی بیان کیا ہے۔

تاریخ طبری: ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی تحریر کردہ کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے۔ یہ تاریخ کی کتاب ہے جس کے دو حصے ہیں۔ ایک دنیا کی تاریخ اور دوسرے دنیائے اسلام کی تاریخ۔ فقیہ اور متکلم ہونے کے ناطے طبری نے تاریخ اسلام سے متعلق روایات کو بہت ہی دقت نظر سے نقل کیا ہے۔ طبری نے تاریخ طبری کی ساتویں جلد میں سنہ ۶۱ ہجری کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ انہوں نے امام حسینؑ کی کوفہ کی جانب روانگی، یزید کی بیعت نہ کرنا اور آپ کی شہادت کو مفصّل بیان کیا ہے اور قیام عاشورہ کے مختلف زاویوں کا تجزیہ کیا ہے۔

سیر اعلام النبلا: شمس الدین محمد بن احمد ذہبی کی تحریر کردہ کتاب ہے جو آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مورخ اور محدث ہیں۔ انہوں نے اسلامی تاریخ کے سات سو سالوں کو ستر دہائیوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر دہائی کو طبقہ کا نام دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو مختصر بھی کیا ہے جس کا نام العبر فی خبر من غبر رکھا ہے۔ انہوں نے سنہ ۷۴۴ تک کی اسلامی تاریخ کو اختصار کے ساتھ تحریر کیا اور اس کا نام دول اسلامی رکھا۔ اس کے علاوہ آپ نے حدیث و رجال کے موضوع پر بھی کئی کتابیں تحریر کی ہیں جیسے کہ میزان الاعتدال، الکاشف، المغنی فی الضعفا، سیر اعلام النباء اور تاریخ اسلام۔ ذہبی نے سیر اعلام النبلا کی تیسری جلد میں امام حسینؑ کی تحریک کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ امام حسینؑ کے فضائل، کوفیوں کے خطوط، مسلم بن عقیل کی شہادت اور دوسرے واقعات۔

اہل سنت کی تاریخی کتابوں میں امام حسینؑ کا حسب و نسب اور فضائل

آپ ابو عبداللہ حسین بن علی بن ابیطالب، علی بن ابی طالب اور رسول خداؐ کی بیٹی جناب فاطمہ زہرا(س) کے دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ کے بہت سے القاب ہیں جیسے کہ سید، وفی، ولی، مبارک، سبط اور شہید

کربلا۔[1] اہل سنت کے بعض بزرگ حضرات نے امام حسینؑ کو سید الشہدا کا لقب دیا ہے کیونکہ رسول خداؐ نے خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

"سید الشہدا حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ انسان ہے جو ظالم حاکم کے خلاف قیام کرے گا اور اسے امر بمعروف و نہی عن المنکر کرے گا اور اس کے ہاتھوں قتل ہوگا۔"

امام حسینؑ پانچویں شعبان سنہ چار ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ رسول خداؐ ولادت کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ کو دیکھنے گئے اور آپ کے منہ کو اپنے لعاب دہن سے متبرک کیا اور آپ کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا: میرے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت علیؑ نے جواب دیا: اس کا نام حرب جنگاور رکھا ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا اس کا نام حسین ہے۔ امام حسینؑ کی ولادت کے ساتویں روز رسول خداؐ نے ایک بقرہ عقیقہ کیا اور فرمایا اس کے بالوں کو جمع کرکے اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ دو۔[2]

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا بچپن رسول خداؐ کے سایہ شفقت میں گزرا یہاں تک کہ آپ نے ان دونوں حضرات کو اپنا بیٹا کہا اور جب بھی جناب فاطمہ (س) کے پاس آتے تو فرماتے میرے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ یہ دونوں بھائی دنیا میں میرے خوشبودار پھول ہیں۔[3] حسن و حسین سید شباب اہل جنت ہیں۔[4] امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی طرف پیغمبر اسلامؐ کی توجہ کے سلسلہ میں اس کے علاوہ بھی بہت سی روایتیں منقول ہیں جو حقیقت میں امام حسینؑ کے فضائل و مناقب پر دلالت کرتی ہیں۔

یعلی بن مرہ کہتے ہیں:

"ایک روز امام حسینؑ گلی میں کھیل رہے تھے۔ رسول خداؐ نے اپنے ہاتھوں کو پھیلایا۔ امام حسینؑ ادہر ادہر بھاگ رہے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے آپ کو ہنسایا اور گود میں بٹھا کر فرمایا: حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ حسینؑ کو دوست رکھنے والے کو اللہ دوست رکھتا ہے۔"[5]

۱۔ ابن جوزی، سبط، تذکرۃ الخواص، ص ۲۱۰
۲۔ ابن حنبل، احمد، مسند احمد بن حنبل (جلد ۱)، ص ۱۵۸
۳۔ بخاری، الجامع الصحیح (جلد ۴)، ص ۵۸۸
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر (جلد ۳۹)، ص ۳
۵۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (جلد ۱)، ص ۹۷

جابر بن عبداللہ بھی رسول خداؐ سے روایت کرتے ہیں:

"جو کوئی بہشتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہے وہ حسین بن علی کی طرف نظر کرے"۔[۱]

خلفائے راشدین اور دوسرے اصحاب رسول بھی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی عظمت کے قائل تھے اور ان کو چاہتے تھے۔ خلیفہ اول سے منقول ہے کہ اہلبیت پیغمبر کی حرمت کا لحاظ کرو۔[۲] علامہ ابن کثیر دمشقی سے مروی ہے کہ خلیفہ اول، امام حسینؑ کا بہت احترام کرتے تھے۔ خلیفہ سوم بھی حضرت علیؑ کی اولاد سے محبت کرتے تھے۔[۳]

امام حسینؑ کی نمایاں خصوصیتیں

امام حسینؑ کا مزاج اور ان کی اخلاقی خصوصیات ہر لحاظ سے پیغمبر اسلامؐ سے مشابہ تھیں۔ آپ کی ذات میں سخاوت اور دوسرے کو معاف کرنے کے علاوہ وفا اور بہادری بھی موجود تھی۔ لوگوں میں کبھی غلطی نہ نکالتے تھے بلکہ ہمیشہ دین کی تعلیم دینے کی کوشش کرتے تھے۔ امام حسینؑ سخی، وفادار اور بہادر تھے اسی وجہ سے اپنے بھائی امام حسنؑ کی شہادت کے بعد معاویہ کے خلاف قیام نہیں کیا کیونکہ ان کے بھائی نے معاویہ سے صلح کی تھی اور معاہدہ کیا تھا۔ جب آپ کے چاہنے والوں نے کہا کہ آپ معاویہ سے خلافت کو دوبارہ حاصل کرلیں تو آپ نے فرمایا کہ معاویہ نے میرے بھائی سے معاہدہ کیا ہے اور جب تک مناسب وقت نہ آجائے اسے توڑنا مناسب نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ معاہدہ کے پابند تھے۔

امام حسینؑ بہادری میں بے مثال تھے۔ آپ شمالی افریقہ، طبرستان اور قسطنطنیہ کی جنگوں میں شریک رہے اور جنگ جمل، صفین اور نہروان میں اپنے والد کے ہم رکاب رہے لیکن آپ کی بہادری کا اعلی نمونہ میدان کربلا میں نظر آتا ہے۔ امام حسینؑ مہربان، خیر خواہ اور منکسر المزاج اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے انسان تھے۔

۱۔ ابن حبان، صحیح ابن حبان (جلد ۱۵)، ص ۴۲۱

۲۔ الجامع الصحیح (جلد ۴)، ص ۵۷۹

۳۔ ابن سعد کاتب واقعدی، محمد، الطبقات الکبری (جلد ۳)، ص ۲۹۶

مروی ہے کہ ایک روز آپ کا گزر غریبوں کے ایسے گروہ کے پاس سے ہوا جو کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ سواری سے اترے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا اور فرمایا میں نے تمہاری دعوت قبول کی اب تم لوگ بھی میری دعوت کو قبول کرو۔ پھر آپ نے ان لوگوں کی اپنے گھر پر دعوت کی۔[1]

ذہبی تحریر کرتا ہے:

> "امام حسینؑ عبادت و تقوائے الٰہی میں نمونہ تھے اور اسی راہ میں اپنی جان دی۔ آنحضرت واجب نمازوں کے علاوہ نافلہ نمازوں کو بہت اہمیت دیتے تھے، دنوں میں روزہ رکھتے تھے اور راتوں میں اللہ تعالی سے راز و نیاز کرتے تھے۔ مصعب سے منقول ہے کہ آپ نے پچیس بار پیدل حج بجالایا۔"[2]

امام حسینؑ میدان جنگ میں بھی نماز برپا کرتے تھے۔ جنگ کے دوران آپ نے اذان کا حکم دیا تاکہ نماز پڑھ سکیں اور نماز کے بعد آپ نے فرمایا:

> "اے لوگو! پرہیزگار بنو اور حق کو اس کے حق دار کے لئے جانو تاکہ اللہ کی رضایت حاصل ہو سکے۔"[3]

بخاری، طبری، ذہبی اور ان کے بعد کے محققین نے امام حسینؑ کی منکسر المزاجی اور بہادری کو سراہا ہے۔

امام حسینؑ، یزید کے زمانہ میں: مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد یزید کو کوئی غم نہ تھا سوائے اس بات کے کہ حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر نے اس کی بیعت نہیں کی ہے۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے معاویہ کے زمانہ میں ہی اس کی بیعت سے انکار کیا تھا۔ اس لئے یزید نے ایک خط کے ذریعہ حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو ان لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا۔[4]

۱۔ الجامع الصحیح (جلد ۷)، ص ۹۸

۲۔ ذہبی، سیر اعلام النبلا (جلد ۳)، ص ۲۷۸

۳۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری (جلد ۷)، ص ۲۹۹۱

۴۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون (جلد ۱)، ص ۴۰۳

ولید نے خط ملنے کے بعد مروان بن حکم سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ اسی وقت ان افراد سے یزید کی بیعت لو اور اگر وہ انکار کرتے ہیں تو ان کی گردن اڑا دو۔ ولید کا آدمی حسین بن علیؑ اور عبداللہ بن زبیر کے پاس گیا۔ یہ دونوں لوگ مسجد نبوی میں موجود تھے۔ قاصد نے ولید کا پیغام ان تک پہنچایا۔ امام حسینؑ اپنی ذاتی فراست و ذہانت کی وجہ سے واقعہ کی تہہ تک پہنچ گئے اور فرمایا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور حاکم مدینہ اس خبر کے پھیلنے سے پہلے ہی ہم سے یزید کی بیعت لینا چاہتا ہے۔"

عبداللہ بن زبیر نے بھی آپ کی تائید کی۔ امام حسینؑ نے بات کو اور واضح کرنے کے لئے حاکم مدینہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ آپ اپنے کچھ مسلح ساتھیوں کے ہمراہ حاکم مدینہ کے محل کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو محل کے باہر رکنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر میں تمہیں اندر بلاؤں یا میری آواز بلند ہو جائے تو تم سب محل کے اندر آ جانا ورنہ یہیں ٹھہرنا جب تک میں واپس نہ آ جاؤں۔ حضرتؑ محل کے اندر گئے۔ آپؑ کو بیعت کے لئے کہا گیا۔ آپؑ نے فرمایا میں خفیہ طور پر بیعت نہیں کروں گا، جب حاکم مدینہ مسجد میں لوگوں سے بیعت لے گا تب میں بھی بیعت کرلوں گا۔[1]

حاکم مدینہ مروان کی مخالفت کے باوجود امامؑ کی بات کو مان لیتا ہے۔ امامؑ گھر واپس آئے اور پھر مکہ جانے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن زبیر بھی اپنے بھائی جعفر کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ مکہ کے لوگوں نے آپ کا استقبال کیا اور مختلف گروہ ان کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی تقریروں سے مستفید ہونے لگے۔ ابن زبیر بھی خانہ کعبہ کے جوار میں عبادت میں مشغول ہو گیا اور نماز کے بعد لوگوں کے ساتھ امامؑ کے پاس جاتا تھا۔

کوفہ کے لوگ بھی اس عرصہ میں امام حسینؑ کے فضائل سے آشنا ہو چکے تھے اور آپ کے خاندان کے زہد و تقویٰ کے معتقد ہو گئے تھے۔ انہوں نے جب معاویہ کے انتقال اور یزید کے تخت نشین ہونے کی خبر سنی اور انہیں یہ بھی پتہ چلا کہ امام حسینؑ، یزید کی بیعت سے انکار کرکے مکہ آ گئے ہیں، تو انہوں نے آپ کو خط لکھے اور آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔[2]

۱۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم الملوک (جلد ۷)، ص ۲۹۰۵

۲۔ سیر اعلام النبلاء (جلد ۳)، ص ۲۹۹

امام حسینؑ نے تامل کیااور آخر کار اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو دیار کوفہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہاں کے حالات کا اندازہ لگائیں۔ مسلم بن عقیل کا کوفہ میں گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ ہزاروں کوفیوں نے امام حسینؑ کی نیابت میں مسلم بن عقیل سے بیعت کی۔جناب مسلم نے امامؑ کو خط لکھا اور کوفیوں کے جوش وخروش کے بارے میں بتایا۔دوسری طرف کچھ کوفیوں نے خفیہ طور پر یزید کو خط لکھااور کوفہ کے حالات اور امام حسینؑ سے بیعت کے بارے میں اسے بتایا۔اس خط کے ملتے ہی یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا والی مقرر کیااور کوفہ پہنچتے ہی مسلم بن عقیل کو شہر بدر کرنے یا قتل کرنے کا حکم دیا۔ابن زیاد کوفہ آیااور لوگوں کو ڈرادھمکا کر مسلم بن عقیل سے دور کر دیااور وہ اکیلے رہ گئے۔آخر کار ابن زیاد کے سپاہیوں نے مسلم بن عقیل کو گھیر لیااور انہیں ابن زیاد کے پاس لے گئے۔اس نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیااور مسلم بن عقیل کو قصر الامارہ کی چھت پر لے جایا گیااور ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیااس حال میں کہ وہ اللہ اکبر کہہ رہے تھے۔

امام حسینؑ اس واقعہ سے ایک روز قبل مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے اور مسلم بن عقیل کی شہادت کی ان کو خبر نہ تھی۔امامؑ کے چاہنے والوں کو جب پتہ چلا کہ امامؑ کوفہ جانا چاہ رہے ہیں تو آپ کو کوفہ جانے سے منع کیا اور کوفہ والوں کی بے وفائی کے بارے میں بتایا لیکن امامؑ اپنے فیصلہ سے نہ ہٹے اور اپنے راستہ پر چلتے رہے۔

امام حسینؑ کا قافلہ ایک اونچے پہاڑ کے پاس عبید اللہ بن زیاد کے لشکر سے روبرو ہوا جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور جس کا سپہ سالار حر بن یزید ریاحی تھا۔ انہیں امامؑ کو کوفہ لے جانے کا حکم تھا۔امام حسینؑ ایک انجانے راستہ پر چل پڑے اور ابن زیاد کے سپاہی آپ کے تعاقب میں تھے۔دوسری محرم سنہ ۶۱ ہجری کو امامؑ کے قافلہ نے نینوا کے پاس کربلا نامی علاقہ میں پڑاؤ ڈالا اور وہیں پر خیمہ نصب کئے گئے۔دوسرے دن عمر بن سعد چار ہزار کے لشکر کے ساتھ کوفہ سے کربلا پہنچا اور امامؑ کے سامنے صف آرا ہو گیا۔

دونوں لشکر کے سرداروں کے درمیان گفتگو ہوئی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔امامؑ نے دشمن کے لشکر کو حق کی دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ پیغمبر اسلامؐ کے عمامہ کو سر پر رکھ کر اور پیغمبرؐ کے اونٹ پر سوار ہو کر آپ ایک ٹیلہ پر پہنچے تا کہ لوگ آپ کی آواز کو سن سکیں۔پھر آپؑ نے بلند آواز سے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

”میرے نسب کو یاد کرو کہ میں کون ہوں۔ میرا قتل اور میری حرمت کو پامال کرنا کہاں جائز ہے۔ کیا میں تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول خداؐ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں؟ وائے ہو تم پر! کیا میں نے تم میں سے کسی کو قتل کیا ہے جس کا انتقام لینا چاہتے ہو؟ کیا میں نے تمہارے مال پر قبضہ کر لیا ہے جس کا تم بدلہ لینا چاہتے ہو؟“[1]

اس کے بعد امامؑ نے کوفہ کے ان لوگوں کا نام لیا جنہوں نے بیعت کے لئے آپ کو بلایا تھا اور اب ابن زیاد کے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے مقابلہ کرنے آئے تھے۔ اس تقریر کا لوگوں پر بہت اثر ہوا اور دشمن کے لشکر کے کچھ لوگ منجملہ ان کا سردار حر بن یزید ریاحی امامؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔[2]

جنگ کا آغاز

دسویں محرم سنہ ۶۱ ہجری بروز جمعہ عمر بن سعد اپنے لشکر کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوا۔ امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو میدان کے مختلف مقامات پر تعینات کیا۔ حضرتؑ کے پاس ۷۲ آدمی تھے جن میں سے ۳۲ گھوڑ سوار اور ۴۰ پیدل تھے۔ لشکر کا پرچم جناب عباس کے ہاتھ میں تھا۔ دشمن کا لشکر سامنے آیا تو امامؑ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور دعا پڑھنا شروع کیا۔ دشمن کے سپاہیوں میں پریشانی و اضطراب کا ماحول تھا۔ یہاں تک کہ عمر سعد خیام حسینی کے قریب آیا اور ایک تیر خیموں کی طرف چلایا اور چلا کر کہا: امیر کے پاس جا کر گواہی دینا کہ پہلا تیر میں نے حسینؑ کی طرف چلایا تھا۔ پھر مسلسل تیروں کی بارش ہونے لگی۔ امامؑ نے ایک نظر تیروں کو دیکھا اور ایک نظر اپنے اصحاب پر ڈالی اور فرمایا: اے میرے اصحاب! یہ تیر اس قوم کا منحوس پیغام لانے والے ہیں۔

اس طرح جنگ کا آغاز ہوا اور امامؑ کے اصحاب نے ایسی بہادری دکھائی جس کی مثال رزمیہ نظموں اور افسانوں کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔ لشکر باطل تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود، حق کے سپاہیوں کے سامنے کمزور پڑ گیا اور ہر لحہ ان کا سوار قتل ہوتا رہا۔ آخر کار عروہ بن قیس عمر سعد سے کہتا ہے: دیکھ رہے ہو

۱۔ الجامع الصحیح (جلد ۷)، ص ۱۰۰
۲۔ عقاد، عباس محمود، واقعہ کربلا، ص ۱۲۳

کس طرح ہمارا لشکر ان چند لوگوں کے مقابلہ میں کمزور پڑ رہا ہے۔ تیر اندازوں اور پیادوں کو ان کی طرف بھیجو۔ اس وقت حصین بن نمیر کی سپہ سالاری میں پانچ سو لوگوں نے امام حسینؑ کے ساتھیوں پر تیر برسانے شروع کیئے جس سے امامؑ کے لشکر کے کئی لوگ زخمی اور کچھ لوگ شہید ہوگئے۔ حر بن یزید، امام حسینؑ کی طرف سے بہت بہادری سے جنگ کرتے رہے اور بہت سے دشمنوں کو ختم کرکے آخر کار خود شربت شہادت نوش کرتے ہیں۔ امام حسینؑ کے خاندان کے لوگ اور ان کے بھائی، امامؑ کا دفاع کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہوتے رہے۔

ظہر کے وقت امام حسینؑ اور آپ کے ساتھی نماز خوف پڑھتے ہیں۔ دشمن حضرتؑ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ امامؑ کا ایک ساتھی خود کو سپر قرار دیتا ہے اور مجروح ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس وقت زہیر بن قین نے حضرت کا دفاع کیا اور جنگ کرتے کرتے شہید ہوگئے۔ جناب علی اکبر مرہ بن منذ شقی کے نیزہ سے شہید ہوئے۔ امام حسینؑ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا خدا اس قوم کو ہلاک کرے جنہوں نے تم کو مار ڈالا، یہ قوم کتنی جاہل و نادان ہے۔

پیاس و گرمی کی شدت میں امام حسینؑ نے جنگ جاری رکھی لیکن جب اپنے بیٹے عبداللہ کو دیکھا کہ پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں تو ان کو سیراب کرنے کی غرض سے اپنے ہاتھوں پر بلند کیا اور ظالم لوگوں سے کہا:

> "اگر ہمارے حق کے لئے اللہ تعالی کی پرواہ نہیں کرتے تو کم سے کم اس بچے کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اسی وقت دشمن کے ایک سپاہی نے معصوم بچے کی طرف ایک تیر مارا اور کہا لو اسے اس سے سیراب کرو۔ تیر بچہ کے سینہ پر پیوست ہوا۔ حضرتؑ نے بچہ کے خون کو اپنے چلو میں لیا اور آسمان کی طرف پھینک کر فرمایا: پروردگارا! اگر آسمان سے کامیابی کو میرے لئے روک رکھا ہے تو اس سے بہتر چیز ہمارے لئے مقرر کر اور اس قوم سے ہمارا انتقام لے"۔[۱]

امام حسینؑ ایک بڑے لشکر کے سامنے یکہ و تنہا رہ گئے۔ جن لوگوں نے آپ کا محاصرہ کیا تھا، ان پر حملہ کرتے رہے اور ان کی صفوں کو توڑتے رہے لیکن کسی میں حضرتؑ پر حملہ کرنے کی جرات نہ تھی۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء (جلد ۴)، ص ۲۰۳

آنحضرت کو شہید کرنا ان کے لئے بہت مشکل تھا کیونکہ جو بھی اس گناہ کا مرتکب ہوتا اللہ کا سخت عذاب اس کے انتظار میں تھا۔ آخر کار شمر بن ذی جوشن چلا کر کہتا ہے: وائے ہو تم پر! حملہ کیوں نہیں کرتے۔ شمر کے خوف کی وجہ سے سپاہیوں نے آپ پر حملہ کیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے حضرتؑ کے بائیں بازو پر ضرب لگائی۔ کسی نے شانہ پر ضرب لگائی اور اس طرح حضرتؑ زمین پر گر پڑے لیکن دشمن تیروں کی بارش کرتا رہا اور روایتوں میں ہے کہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد آپ کے جسم اطہر پر ۳۳ نیزہ کے زخم اور ۳۴ شمشیر کے زخم نظر آئے۔ اس وقت سنان بن ابی عمرو اصبحی نے آپ کے سر مبارک کو تن سے جدا کیا اور خولی بن یزید کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد ابن زیاد کے حکم سے دس سپاہیوں نے شہیدوں کے مقدس لاشوں پر گھوڑے دوڑائے۔ پھر شہیدوں کے سروں کو تن سے جدا کرکے نیزوں پر بلند کیا اور بے جان جسموں کو زمین پر چھوڑ دیا۔ مصیبت زدہ خواتین کو شہیدوں کی لاشوں کے پاس سے گزارا گیا۔ جناب زینب(س) اس منظر کو دیکھ کر فرماتی ہیں: اے محمدؐ! یہ حسینؑ ہیں جو زمین پر پڑے ہیں اور آپ کی بیٹیوں کو قیدی بنایا گیا ہے اور آپ کے بیٹوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان پر باد صبا چل رہی ہے۔[1]

شہیدوں کے مقدس جسم زمین پر پڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ جو اسی نواح میں رہتے تھے، آئے اور شہیدوں کو سپرد خاک کیا۔ طبری، بخاری، ذہبی اور دوسرے مورخوں کا ماننا ہے کہ شہیدوں کے سر کو اہلبیت عصمت و طہارت کی خواتین کے ساتھ کوفہ لے جایا گیا اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان سروں کی کوفہ کے مختلف قبائل میں نمائش کی جائے۔ اگلے روز ان سروں کو ابن زیاد کے محل میں لے جایا گیا۔ ابن زیاد اپنے عصا سے سر مبارک کی بے ادبی کر رہا تھا۔ اسی وقت رسول خداؐ کے ایک صحابی زید بن ارقم نے چلا کر کہا: اس عصا کو ہٹالے، اللہ کی قسم! میں نے خود رسول خداؐ کو ان لبوں کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر اس نے اشک بار آنکھوں سے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا: اے قوم عرب! تم نے فاطمہ(س) کے بیٹے کو قتل کر دیا اور پسر زیاد کو اپنا امیر بنالیا جب کہ اس نے بہترین لوگوں کو اذیت دی ہے اور انہیں غلاموں کی طرح گرفتار کیا ہے۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اس طرح ذلیل ہو رہے ہو؟[2]

۱۔ واقعہ کربلا، ص ۱۳۹

۲۔ تاریخ طبری (جلد ۷)، ص ۳۰۷۹

ابن زیاد آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھیوں کے سروں کو نیزہ پر چڑھا کر دمشق بھیج دیتا ہے اور اس کے بعد اہلبیت عصمت و طہارت کی مخدرات کو بھی جنگی اسیروں کی طرح اونٹوں پر سوار کرکے دمشق کے لئے روانہ کردیا۔ اسیروں کا قافلہ اور شہیدوں کے سر ایک ساتھ دربار یزید میں پہنچے۔ آخر کار یزید بن نعمان بشیر کے ہمراہ اہلبیت عصمت کو مدینہ کے لئے روانہ کیا گیا۔

یزید نے اپنے دور حکومت میں ایسے گھناؤنے کام انجام دئے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اس سے نفرت ہو گئی۔ یزید نے ابن زیاد کے کاموں کی تائید کی اور واقعہ کربلا کے مسببین کو کوئی سزا نہیں دی۔ کچھ دنوں بعد اس نے شہر مدینہ کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے مسلم بن عقبہ کی سرداری میں ایک لشکر مدینہ کی طرف بھیجا اور شہر نبیؐ کی حرمت کو تار تار کردیا۔ اس کے لشکر نے بہت سے انصار و مہاجرین اور ان کی اولاد کو قتل کردیا۔ اس کے بعد یزید کے لشکر نے مکہ پر حملہ کا قصد کیا لیکن اس کا سپہ سالار راستہ میں ہی مر گیا۔ لشکریوں نے مکہ کا محاصرہ کرلیا اور چند روز کی جنگ و خونریزی کے بعد خبر ملی کہ یزید مر گیا اور اس طرح وہ لشکر متفرق ہو گیا۔

اہل سنت کے عقائد و تاریخ کی کتابوں میں قاتلین امام حسینؑ سے صراحت کے ساتھ بیزاری و نفرت کا اعلان ملتا ہے اور ان پر لعنت و ملامت کی گئی ہے۔ احمد سرہندی ملقب بہ مجدد ثانی تحریر کرتے ہیں:

> ”یزید ملعون فسقہ کے زمرہ میں ہے اور اس پر لعنت نہ کرنے کی وجہ اہل سنت کی یہ اصل ہے کہ کسی معین شخص کو اگرچہ وہ کافر ہو لعنت نہیں کی جاسکتی ہے مگر یہ کہ اس کا خاتمہ بہ کفر ہونا ثابت ہو جائے، نہ یہ کہ یزید لعنت کے مستحق نہیں ہے۔“

اہل سنت کے دوسرے محققین نے بھی صراحت کے ساتھ یزید کو لعنت کے قابل جانا ہے اور اس کے برے اعمال کی تنقید کی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

> ”وہ میرے نزدیک مبغوض ترین شخص ہے اور اس بدبخت نے اس امت میں ایسے کام کئے کہ کسی نے ویسا کام نہ کیا۔ امام حسینؑ کے قتل کے بعد اہل بیت کی اہانت کی اور مدینہ پر لشکر کشی کی اور صحابہ و تابعین اس کے حکم سے قتل کئے گئے۔ پھر مکہ مکرمہ پر حملہ اور عبداللہ بن زبیر کا قتل کیا۔ اس کے بعد توبہ اور خدا کی طرف رجوع کرنے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس شخص کی محبت و عقیدت سے دور رکھے

جس نے اہلبیت نبوت سے عداوت کی اور ان کے حق کو پایمال کیا اور ہمیں محبان اہلبیت کے زمرہ میں محشور کرے"۔[۱]

احمد بن عبدالحلیم مشہور بہ ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں:

"بے شک یزید مسلمان بادشاہوں میں سے تھا جس نے برے اعمال انجام دئے۔ ہمارے قائدین یزید اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم نہ انہیں برا کہتے ہیں اور نہ ان سے محبت کرتے ہیں"۔[۲]

بخاری، ذہبی، طبری اور اہل سنت کے دوسرے منابع میں امام حسینؑ کے قتل کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے یزید سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔

واقعہ کربلا کے اسباب و وجوہات اہل سنت کی کتابوں میں

قیام عاشورہ کے اسباب و وجوہات کے سلسلہ میں شیعی منابع اور اہل سنت کے منابع میں زیادہ اختلاف نظر نہیں پایا جاتا ہے اور دونوں کا نظریہ مشترک ہے۔ کچھ تجزیہ نگاروں نے اس ضمن میں مختلف دلیلیں پیش کی ہیں لیکن سبھی امامؑ کے اس عمل کو حکمت و فلسفہ کی بنیاد پر مانتے ہیں۔ در حقیقت امامؑ کے قیام کی اصل وجہ یہی تھی کہ ظالم حکومت آپ سے زبردستی بیعت لینا چاہتی تھی اور آپ نے اس سے انکار کیا۔ جیسا کہ ابن عباس کے اصرار کے جواب میں آپؑ نے فرمایا:

"میری وجہ سے حرم خدا پر حملہ ہو اس سے بہتر ہے کہ میں کسی اور جگہ شہید ہو جاؤں۔"

طبری کی نظر میں امام حسینؑ کا قیام کوفیوں کی دعوت کی خاطر تھا جنہوں نے حضرتؑ کو خط لکھا اور اپنی حمایت کا اعلان کیا لہٰذا آپ کے قیام کا اصلی مقصد اسلامی حکومت کی تشکیل تھا۔[۳]

۱۔ دہلوی، عبدالحق، تکمیل الایمان، ص ۱۷۳

۲۔ ابن تیمیہ، احمد، مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ (جلد ۴)، ص ۴۷۵

۳۔ تاریخ الامم الملوک (جلد ۵)، ص ۳۳۸

لیکن ذہبی کے عقیدہ کے مطابق بیعت کرنے کا دباؤ یا کوفیوں کے خطوط سے صرف نظر کرتے ہوئے، امامؑ کے قیام کا اصل مقصد امر بہ معروف اور نہی عن المنکر تھا۔[1]

بہر حال اہم مسئلہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کا قیام ظلم و جور کے مقابلہ کے لئے تھا۔ البتہ اہل سنت کے کچھ علماء منجملہ بخاری کا ماننا ہے کہ امامؑ کو اپنی شہادت کا پورا علم تھا اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ حکومت حاصل کرنے کا یہ موقع نہیں ہے لہٰذا آپ نے شہادت کو انتخاب کیا تا کہ یزید کے ظلم و ستم کو زمانہ میں ظاہر کر سکیں۔

منابع و مآخذ

- ❖ قرآن مجید
- ❖ ابن سعد کاتب واقعدی، محمد، الطبقات الکبری، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ق
- ❖ ابن الجوزی، سبط، تذکرۃ الخواص، موسسہ اہل البیت، ۱۴۰۱ق
- ❖ ابن حنبل، احمد، مسند احمد بن حنبل، موسسہ التاریخ العربی، ۱۴۱۴ق
- ❖ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، انتشارات دار المعرفۃ، ۱۴۱۶ق
- ❖ ابن حبان، صحیح ابن حبان، انتشارات موسسہ الرسالۃ، ۱۴۱۴ق
- ❖ ابن کثیر، ابو الفداء، البدایہ والنھایہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۳ق
- ❖ ابن اثیر، عزالدین ابو الحسن علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت ۱۳۸۵ش
- ❖ ابن خلدون، عبد الرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون، ترجمہ محمد پروین گنا بادی، انتشارات علمی فرہنگی، ۱۳۷۹ش
- ❖ ابن تیمیہ، احمد، مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، مطبع الریاض، ۱۳۸۱ش
- ❖ ارباب، اسماعیل، سیرت حضرت حسین بن علی، انتشارات خواجہ عبد اللہ انصاری، تربت جام، ۱۳۹۰ش
- ❖ بخاری، الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ق
- ❖ دہلوی، عبد الحق، تکمیل الایمان، انتشارات الرحیم اکیڈمی، کراچی، ۱۴۱۲ق
- ❖ ذہبی، سیر اعلام النبلاء موسسہ الرسالۃ، ۱۴۱۳ق
- ❖ سربازی، عبد الرحمٰن، شہسوار کربلا، جامعۃ الحرمین الشریفین، چابہار، ۱۳۸۶ش

۱۔ سیر اعلام النبلاء، ص ۳۰۰

❖ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، ترجمہ ابوالقاسم پاینده، انتشارات اساطیر، ۱۳۶۹ش
❖ تاریخ الامم الملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، دارالتراث، بیروت، ۱۹۶۷م
❖ طبرانی، المعجم الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۴ق
❖ عقاد، عباس محمود، واقعہ کربلا، ترجمہ مسعود انصاری، نشر پردیس، ۱۳۸۰ش
❖ غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ مویدالدین محمد خوارزمی، انتشارات علمی فرہنگی
❖ کلینی، اصول کافی، انتشارات اسوه، ۱۳۷۵ش
❖ نعمانی، عبدالعزیز، روایتی از انقلاب عاشورا و شہادت حضرت حسین، مجلّہ ندای اسلام، سال سوم و چہارم، شماره ۱۲ و ۱۳، ۱۳۸۱ش

واقعہ کربلا: ایک تجزیہ

مؤلف: ڈاکٹر محسن حیدر نیا
مترجم: مولانا مقداد حیدر روحانی

واقعہ کربلا ایک اہم اور ہمیشہ باقی رہنے والا واقعہ ہے جس کا اسلامی معاشرہ پر بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ واقعہ کربلا آج بھی زندہ ہے اور کل بھی زندہ رہے گا لیکن اس کی حیات ابدی کی وجہ کیا ہے؟ دوسری اہم بات یہ ہے کہ واقعہ کربلا روز عاشورہ سے ہی ایک تحریک میں تبدیل ہو گیا تھا یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعد کے زمانے میں علماء، ذاکرین اور محققین کے ذریعہ یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہوا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ واقعہ کربلا امام حسینؑ کی نورانی شخصیت کی وجہ سے روز عاشورہ سے ہی ایک تحریک اور مکتب فکر میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس حقیر کی نظر میں علماء، خطبا اور ذاکرین صرف اس تحریک کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں نہ کہ اسے تحریک کی شکل دیتے ہیں۔ اس مضمون میں قدیم منابع اور مآخذ سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مختلف واقعات کے بیچ تعلق کو ظاہر کیا جاسکے۔

بہت سے مورخین اور محققین نے سنہ ۶۱ ہجری میں رونما ہونے والے واقعہ عاشورہ کا "واقعہ کربلا"، "انقلاب حسینی"، "قیام حسینی"، "واقعہ طف یا نینوا" اور "مکتب عاشورہ" جیسے مختلف عناوین کے تحت تجزیہ و تحلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تمام تعبیریں اپنی جگہ صحیح ہیں جس سے اس واقعہ کی کثیر الجہتی اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور دوسری طرف اس واقعہ کی حقیقت اور ماہیت کو بیان کرنے میں پیش آنے والی دشواری بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ہم اس مضمون میں واقعہ عاشورہ کے ابدی اور ہمیشگی ہونے کے باب میں اپنی تحلیل کو پیش کریں گے۔

زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حوادث و واقعات فراموش ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں بہت بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے لیکن سب صفحات تاریخ کا حصہ بن گئے اور سماجی عرصہ حیات میں کوئی اہم کردار

نبھانے سے قاصر رہے۔ بیشک واقعہ کربلاکے گہرے اثرات اورابدی ہونے کے راز کواس واقعہ کی کیفیت اور دونوں گروہ کی شخصیات میں تلاش کرنا چاہئے۔

واقعات اور خاص کر معرکہ جنگ کا لوگوں پر بڑا اثر پڑتا ہے لیکن واقعہ کربلا میں نہ صرف یہ کہ امام حسینؑ اس واقعہ سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اس واقعہ پر اثرانداز بھی ہوئے جس کی وجہ سے یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہوگیا۔

تاریخ میں کربلا سے زیادہ بڑے اور خونین واقعے رونما ہوئے ہیں لیکن یہ واقعات ہرگز تحریک میں تبدیل نہ ہوسکے لیکن امام حسینؑ کی جوانمردی،انسانی برتاؤاور گفتار، حریّت، شجاعت،ایمان اور معنوی خطبوں کی وجہ اسی دور میں واقعہ کربلاایک تحریک میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ہم نے اس مضمون میں اس کی تحریک کے چھ مہینہ کے دور کا تجزیہ کیا ہے۔ ہم نے آپؑ کی مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت اور پھر کربلا میں شہادت کا تجزیہ کیاہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ کن اسباب کی وجہ سے یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہوگیا۔

واقعہ کی شروعات

اس واقعہ کی دوررس وجوہات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اسے نیمہ ماہ رجب سنہ ۶۰ ہجری سے شروع کرتے ہیں۔یزید لعین اپنے باپ معاویہ کا جانشین بنااور جلد بازی میں اپنے پہلے حکم نامہ میں،حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھ کر تاکید کرتا ہے: خُذِالحُسین وَ عَبْدَاللہ بنِ عُمر وعَبْدَاللہ بن زبیر اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصة حتی یُبایِعوا وَالسَّلام۔ ترجمہ: حسینؑ،عبداللہ ابن عمر،وعبداللہ ابن زبیر کو گرفتار کرکے اتنادباوبناوکہ بیعت کے علاوہ کوئی بہانہ نہ رہ جائے والسلام![1]

ولید نےیزیدکے حکم کوان افراد (عبداللہ بن عمراور عبداللہ بن زبیر) تک پہونچایا جنھوں نے اس کا مثبت جواب دیا بلکہ انہوں نے امام حسینؑ کو بھی یزید کی بیعت سے انکار کرنے کے خطرات سے آگاہ کرنے

۱۔ خوارزمی، موفق بن احمد، مقتل الحسین (جلد۱)، ص۱۹۰؛ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (جلد ۳)، ص۲۶۹؛ اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ص۴۲؛ دینوری، ابوحنیفہ احمد بن داؤد، ص۲۲۷؛ ابن اعثم کوفی، محمد بن علی، الفتوح، ص۸۲۲

کی کوشش کی۔ عبداللہ بن زبیر رات کی تاریکی میں مکہ کی طرف بھاگ گیا لیکن امام حسینؑ پوری بہادری کے ساتھ اور واضح الفاظ میں یزید کی بات کا منفی جواب دیا اور اس کی وجہ یوں بیان فرمائی:

اَیُّھاالاَمِیْر اِنَّا اَھْلُ بیتِ النَّبوَّۃ وَ مَعْدَنِ الرِّسَالہ و مُخْتَلف المَلائِکۃ وَ مَھْبِطَ الرَّحمۃ بِنَا فَتَحَ اللہُ وَ بِنَا یَخْتِمُ، وَ یَزیدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمر وقاتِلُ النَّفْسِ المُحْتَرَمۃ مُعلِنٌ بالْفِسق و مِثلِی لا یُبایعُ مِثلَہُ وَ لِیکن نُصبِحُ و تُصبِحونَ و نَنظُرُ و تَنظرونَ اَیُّنَا اَحَقُّ بالخِلَافَۃِ وَ البیعۃ۔ترجمہ: اے ولید! ہم اہل بیت نبوت و معدن رسالت اور ملائکہ کے نازل ہونے کی جگہ ہیں اور نزول رحمت کا مرکز ہیں جہاں فتوحات الٰہی کا آغاز اور انجام ہم سے ہوتا ہے جب کہ یزید لعین، شراب خور، نفس محترمہ کا قتل کرنے والا اور علنی طور پر فسق وفجور کرنے والا ہے۔ اس صورت میں میرے جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا لیکن ہم اور تم کل تک انتظار کریں گے کہ ہم میں سے کون خلافت اور بیعت کا مستحق ہے۔[1]

جیسا کہ واضح ہے اس عبارت میں بہت اہم مسائل کو مختصر لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

۱. طرفین کی شخصیت میں واضح فرق موجود ہے۔امام حسینؑ اہلبیت نبوت اور معدن رسالت ہیں اور ایسے گھر میں پرورش پائی ہے جو ملائکہ کی آمد و شد اور رحمت و وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے اور آپ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو باب اللہ ہے لیکن طرف مقابل یزید لعین ایک مرد شرابخوار، قاتل اور علنی طور پر فساد کرنے والا ہے۔

۲. امام حسینؑ اس واضح فرق سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ مجھ جیسا آزاد مرد ایسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔

۳. امام حسینؑ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یزید جیسا شخص خلافت جیسے بڑے منصب کے لائق نہیں ہے اور ایسے شخص کی بیعت نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ لوگوں اور اسلام کے حقوق کی پامالی ہے۔ امام حسینؑ جانتے ہیں کہ بڑے کاموں کو عظیم انسانوں کے سپرد کیا جانا چاہئے ورنہ تباہی اور بربادی ہوگی۔

۱۔ تاریخ الامم والملوک (جلد ۳)، ص ۲۷۰؛ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۸۵؛ الفتوح، ص ۸۲۷

حقیقت میں یزید لعین اپنی حکومت کے دوران (۶۰-۶۴ ہجری قمری) ایسے ناشایستہ اعمال کا مرتکب ہوا جس نظیر اسلام میں نہیں ملتی۔ انھیں میں سے ایک کربلا کا واقعہ تھا جس کا بیان آئے گا اور واقعہ حرّہ (مدینہ کے نزدیک ایک مکان) جس میں تین دن کے لئے مدینہ میں لوگوں کی جان، مال اور ناموس کو اپنے سپاہیوں کے لئے مباح کر دیا اور تیسرا واقعہ عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کرنے کے لئے کعبہ کو آگ لگانا ہے جہاں خانہ خدا میں منجنیق کے ذریعہ آگ لگائی گئی اور بیت عتیق کا لحاظ نہیں کیا گیا۔[1]

یزید کے انہیں اعمال نے بہت جلد اور اچھی طرح سب پر یہ واضح کر دیا کہ امام حسینؑ نے کیوں یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا اور آپ کے کلام کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے جب آپ نے فرمایا تھا:

> ''میں بھی اور تم بھی صبح کا انتظار کرو، اور پھر گزرتا ہوا وقت یہ بتائے گا کہ ہم میں سے کون خلافت ''کے لائق ہے۔''[2]

امام حسینؑ کے اس مختصر جواب نے آن حضرتؑ کی حکمت عملی کو واضح کر دیا۔ دوسری طرف یزید کا سخت رویہ بھی اخذاً شدیداً اور لیست فیه رخصة[3] جیسے جملوں سے ظاہر ہو گیا تھا لہٰذا یزید لعین کا مطالبہ اور امام حسینؑ کا واضح جواب اس واقعہ کا آغاز تھا۔

مدینہ سے مکہ کی طرف سفر

حاکم مدینہ امام حسینؑ کو گرفتار کرنے پر مامور تھا۔ امام حسینؑ جانتے تھے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے لہٰذا آپ اپنے افراد خاندان اور کچھ ساتھیوں کے ساتھ ۲۸ رجب سنہ ۶۰ ہجری کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ سے روانگی اور چاہنے والوں سے خدا حافظی کے وقت، آپ کے رقت بھرے جملے خاص کر اپنے جد گرامی کی قبر مبارک سے رخصت ہوتے وقت بیان کئے گئے جملے، دلوں پر درد بھرے اثر چھوڑ گئے

۱۔ مسعودی، علی بن حسین، مروج الذہب و معادن الجوہر (جلد ۳)، ص۶۸-۷۲؛ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، ص ۲۵۰

۲۔ مفید، شیخ محمد بن نعمان، الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، ص ۲۰۰

۳۔ دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، ص ۲۲۷؛ تاریخ یعقوبی، ص ۲۴۱؛ تاریخ الامم والملوک (جلد ۳)، ص ۲۶۹

جو شروع سے ہی اس واقعہ کے درد بھرے اور اہم ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔[۱] ایسا واقعہ جس کے درد بھرے پیغام نے زمانہ اور تاریخ کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور سینہ بہ سینہ بعد کی نسلوں کو منتقل ہوتا رہا۔

امام حسینؑ کو حالات کا بخوبی اندازہ تھا اور آپ جانتے تھے کہ مستقبل میں تلخ واقعہ پیش آنے والا ہے۔ مدینہ سے رخصتی کے وقت اپنے بھائی محمد حنفیہؒ سے امام حسینؑ نے جو وصیت فرمائی ہے اس کے مطالعہ سے قیام امام حسینؑ کے اہداف و مقاصد بخوبی واضح ہوتے ہیں:

”بسم اللہ الرحمنِ الرحیمِ، ھذا ما اوصی بِہِ الحسینُ بنُ عَلی بنِ ابی طالبِ اِلی اخیہِ محمد المَعروفِ بِابنِ الحَنَفیۃِ: اِنَّ الحسینَ یشھدُ اَن لا الہ الا اللہُ وَحدَہُ لا شریکَ لَہُ و اَنَّ مُحَمَّداً عبدہُ و رَسولُہُ جاءَ بِالحَقِ مِن عِند الحَقِ و اَنَّ الجَنَّۃَ و النارَ حقٌّ و اَنَّ السّاعَۃَ آتیۃٌ لا ریبَ فیھا و اَنَّ اللہَ یبعثُ مَن فی القبورِ و اَنّی لَم اَخرُج اَشِرا و لا بَطِرا و لا مُفسِدا و لا ظالماً و اِنّما خَرَجْتُ لِطَلَبِ الاصلاحِ فی امّۃِ جَدی، اریدُ اَن آمُرَ بِالمَعروفِ و انھی عَنِ المُنکرِ و اسیرَ بِسیرَۃِ جدی محمد و مَن رَدَّ عَلی ھذا اَصبِرُ حتی یقضی اللہُ بینی و بَینَ القومِ بِالحقِ و یحکمَ بینی و بینھُم و ھو خیرُ الحاکمینَ و ھذا وصیای یا اخی اِلیکَ و ما توفیقی الا باللہِ علیہ توکّلتُ و اِلیہِ انیب۔

ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وصیت ہے حسین بن علی بن ابی طالب کی اپنے بھائی محمد بن حنفیہؒ کے لئے۔ حسین گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور خدا کی طرف سے جو حق ہے وہ لے آئے اور جنت و جہنم حق ہیں اور بے شک قیامت آئے گی اور خدا سبھی لوگوں کو جو قبروں میں ہیں زندہ کرے گا۔ میں نے سرکشی، طغیان، فساد اور ظلم کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ میں اپنے جد کی امت کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں، میں

۱۔ الفتوح، ص ۸۳۰

امر بہ معروف اور نہی از منکر اور اپنے جد محمدؐ اور باپ علی بن ابی طالب کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں۔ اگر میں تم کو حق پر نظر نہیں آتا تو میں صبر کروں گا جب تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور میرے اور ان کے بیچ حکم کرے اور وہ ہی بہترین حاکم ہے۔ یہ میری وصیت ہے تم کو اے میرے بھائی اور خدا میرا مددگار ہوگا۔ میں نے خدا پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جاؤں گا۔[۱]"

امام حسینؑ اس وصیت نامہ میں سب سے پہلے توحید کی معرفت کو بیان کرتے ہوئے اپنی حیثیت کو عالم ہستی میں ایک انسان کے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں اور مبدا و معاد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ حقیقتاً جو انسان اس طرح کی معرفت کا حامل ہو اور گہرائی سے اس پر یقین رکھتا ہو، ایسا شخص خاص طریقہ کار اور روش کا حامل ہوتا ہے اور عملی زندگی میں یقیناً اس شخص کا کردار دوسرے لوگوں سے الگ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر کا عکس العمل امام حسینؑ کے عکس العمل سے بالکل مختلف تھا؛ کیونکہ ہر ایک جداگانہ معرفت اور شخصیت کا حامل ہے جو کہ فردی، اجتماعی اور سیاسی کردار کو شکل وصورت عطا کرتا ہے۔

امام حسینؑ حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے پروردہ تھے اور سبط رسولؐ اور فرزند علیؑ ہونے کے ناطے ان بزرگوں کے راستہ کو آگے بڑھانا ان کا فرض تھا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ نیکیوں کو کس طرح نظر انداز کیا جارہا ہے اور برائیوں کو بڑھایا جا رہا ہے۔ امامؑ خود نیکیوں کے ظہور کا مرکز ہیں اور یزید جو کہ فسق وفجور کا اعلانیہ مرتکب ہوتا ہے، آپ کو دھمکی دے رہا ہے۔ امام حسینؑ کی نظر میں یزید کی بیعت ذلت وخواری کے علاوہ کچھ اور نہیں تھی۔ امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کرکے اس کی تائید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے مکہ سے نکلتے وقت آپ اپنے قیام کی وجہ کو واضح لفظوں میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

۱۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۸۸؛ الفتوح، ص ۸۳۳

''میرا قیام (انقلاب) فقط میرے جد رسول خداؐ کی امت کی اصلاح، نیکیوں کی طرف ہدایت اور برائیوں سے روکنے کے لئے ہے۔ میں چاہتا ہوں اپنے جد محمدؐ اور اپنے پدر علی بن ابی طالبؑ کی سیرت پر گامزن رہوں''۔

امام حسینؑ پوری آگاہی کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور اس کے تلخ نتیجے سے بھی بخوبی واقف ہیں اسی لئے محمد حنفیہؒ سے وصیت کے بعد مدینہ سے باہر نکلتے وقت آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَومِ الظَّالِمِينَ[۱]۔ ترجمہ: موسی وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔[۲]

آپؑ اپنے اصحاب اور افراد خانوادہ کے ساتھ اصلی راستہ سے ہوتے ہوئے دس روز کی مسافرت کے بعد شہر مکہ میں وارد ہوئے۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ خفیہ راستہ سے چھپ چھپا کر مکہ جائیں لیکن امام علیہ السلام نے ان کے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ آپؑ کا ہدف روشن اور واضح تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ لوگ مسائل سے مطلع نہ ہوں بلکہ اس کے برخلاف امام علیہ السلام نے مختلف راستوں سے گذرتے ہوئے لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی۔

مکہ میں وقتی اقامت اور سفر کوفہ کی تیاری

مدینہ سے ماہ رجب کے آخری ایام (۲۸ رجب سنہ ۶۰ ہجری) میں سفر کا آغاز ہوا تھا اور امام حسینؑ ماہ شعبان سنہ ۶۰ ہجری کے شروع میں مکہ پہونچ چکے تھے۔ امام حسینؑ مکہ میں تقریباً چار مہینہ مقیم رہے۔ (پہلی شعبان سے آٹھ ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری تک) اس عرصہ میں امام حسینؑ نے تقریروں اور خطوط کے ذریعے حجاز اور عراق کے لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی اور لوگوں نے آپ کا استقبال بھی کیا۔ عراق،

۱۔ سورہ قصص، آیت ۲۱
۲۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، باب سوم، ص ۳۳۳؛ ابو مخنف لوط بن یحیٰ، مقتل الحسین، ص ۷

خاص کر شہر کوفہ سے بہت سے خطوط آئے جس میں امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی اور عدالت کے نفاذ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں امامؑ کی مدد کرنے کا بھی ذکر تھا۔[۱]

ایک طرف عبداللہ بن زبیر اور اس کے ساتھی مکہ میں امام حسینؑ کو رقیب کی نظر سے دیکھ رہے تھے[۲]، اور دوسری طرف یزید لعین نے والی مکہ کو امامؑ پر نظر رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے علاوہ عمرو بن سعید بن عاص کو آپؑ کا پیچھا کرنے اور شاید قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔[۳] ان ساری باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے امامؑ نے مکہ سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا۔ امامؑ کا عبداللہ بن زبیر سے ملنے کا طریقہ اور مکہ میں یزیدیوں سے مقابلہ نہ کرنے کا آپ کا حتمی ارادہ، آپ کی الٰہی سیرت کا مظہر ہے۔ ان حالات میں امام علیہ السلام کی توجہ کوفیوں کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کی طرف مبذول ہوئی جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔[۴]

امام حسینؑ نے نیمہ ماہ رمضان سنہ ۶۰ ہجری میں اپنے بھائی جناب مسلم بن عقیل کو مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ کیا تاکہ کوفیوں کے خطوط کی اصلیت اور ان کے ارادوں کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے[۵]۔ جناب مسلم بڑی زحمتوں کے بعد کوفہ پہونچے۔ امامؑ کے چاہنے والوں خاص کر کوفہ کی اہم شخصیات جیسے ہانی بن عروہ نے حاکم کوفہ نعمان بن بشیر کی متزلزل اور کمزور حکومت کو دیکھتے ہوئے، مختلف قبائل اور بااثر افراد کو امام حسینؑ کی حمایت کے لئے آمادہ کیا۔

جناب مسلم نے کوفہ کے حالات کو امام حسینؑ کے حق میں پایا اور امامؑ کو کوفہ کے موجودہ حالات سے آگاہ کیا۔ مکہ کا دشوار ماحول، کوفیوں کے خطوط اور امامؑ کو کوفہ بلانے پر ان کا اصرار کرنا اور جناب مسلم کی طرف سے کوفہ کے حالات کی تائید، ان ساری وجوہات کی بناپر امام علیہ السلام نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا اور آٹھویں یا نویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری کو اپنے گھر والوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ کے حالات اتنے خراب تھے کہ امامؑ نے عبداللہ بن عباس جیسے لوگوں کی مشفقانہ نصیحت کو بھی نظر انداز کیا جو امامؑ کو عراق جانے سے منع کر رہے تھے۔

۱۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک (جلد ۷)، ص ۲۹۲۳-۲۹۲۵؛ الاخبار الطوال، ص ۲۲۹-۲۳۰؛ الفتوح، ص ۸۳۹-۸۴۲

۲۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک (جلد ۷)، ص ۲۹۶۶-۲۹۶۷

۳۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۲۲۰

۴۔ تاریخ رسل والملوک، ص ۲۹۲۳-۲۹۲۴

۵۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۰؛ الفتوح، ۸۴۲

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار تقریباً بیس دنوں کا مشقت بھرا سفر طے کرکے ذی الحجہ کے آخری دنوں میں شہر کوفہ کے قریب پہونچے۔ مختلف منزلوں کو طے کرتے وقت امامؑ اپنی تقریروں اور خطبوں کے ذریعہ اپنے انصار کی تھکاوٹ کو دور کرتے رہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے انسانی مقاصد اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کے فریضہ سے آگاہ کرتے ہوئے، شک و شبہ کے گرد و غبار کو ان کے دل و دماغ سے صاف کرتے رہے۔ یہ تقریریں، معرفت اور معنویت سے بھرپور تھیں جس سے امامؑ اور آپ کے اصحاب و انصار کا مقصد واضح ہو رہا تھا اور جس کے ذریعہ یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہو رہا تھا۔

امام حسینؑ کوفہ اور کربلا میں

اس طاقت فرسا سفر کے بعد امام حسینؑ اور ان کے انصار کو یہ امید تھی کہ اہل کوفہ ان کا گرم جوشی سے استقبال کریں گے اور مہمان نوازی کا حق ادا کریں گے لیکن افسوس مکہ سے باہر نکلنے سے لیکر اب تک بہت سے واقعے رونما ہو چکے تھے جو غیر متوقع تھے۔ نعمان بن بشیر کو ہٹایا جا چکا ہے اور سفاک و خونریز عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے[۱]۔

مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ شہید ہو چکے ہیں[۲]۔ کوفہ کے خوف زدہ لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ یزید اور عبید اللہ کے ساتھ ہو گئے ہیں، کوفہ کے وفادار لوگ خانہ نشین ہو گئے ہیں یا ابن زیاد کے قید خانہ میں مقید ہیں۔ کوفہ والوں کو امام حسینؑ اور ان کے افراد خاندان کا پرتپاک استقبال کرنا چاہئے تھا اور ان کے مقصد میں ان کی مدد کرنی چاہئے تھی لیکن افسوس وہ کھنچی تلواروں اور بلند نیزوں کے ساتھ اطراف کوفہ میں امام حسینؑ اور ان کے انصار کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

لوگ مختلف ارادوں کے ساتھ جمع ہوئے تھے تاکہ ایک بہت ہی تلخ واقعہ کو رقم کریں۔ ان میں سے کچھ لوگ عصر جاہلیت کی قبایلی جنگ کی فضا کو قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اس خوف سے لرز رہے تھے کہ فرزند رسول امام حسینؑ کے مقابلہ میں ہم نے کیسے تلوار اٹھالی ہے؟ کچھ توبہ اور معرکہ

۱۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۲-۲۳۳؛ مقتل الحسین، ص ۱۶-۲۱
۲۔ ایضاً، ص ۳۲

جنگ سے الگ ہونے کے فراق میں تھے، کچھ بغض و کینہ کی زیادتی کی وجہ سے جنگ وقتال کی کوشش کررہے تھے۔

دوسری طرف جب امام حسینؑ کی بھوکی اور پیاسی، مختصر سی فوج، تلواروں اور نیزوں سے لیس دشمن سے روبرو ہوئی تو ان کی تھکاوٹ میں مزید اضافہ ہوا لیکن ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہیں ہوا کیونکہ اس سے پہلے اس واقعہ یا اس سے بھی تلخ واقعہ کے رونما ہونے کی پیشنگوئی ہو چکی تھی۔

امام حسینؑ اپنے خطبوں اور تقریروں کے ذریعہ کوفیوں کو آگاہ کرنا چاہا۔ مختلف منازل پر لوگوں کو آگاہ کرنا، چاہے وہ اپنے اصحاب رہے ہوں یا دشمن کا سپاہی ہو، اس واقعہ کو تحریک میں تبدیل کرنے کا ایک حصہ تھا جس میں امامؑ کو کامیابی بھی ملی۔ امامؑ نے کوفیوں کے خطوط کو ان کے سامنے ڈال کر فرمایا:

"میں تمہاری دعوت پر یہاں آیا ہوں اگر تم نہیں چاہتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔"

لیکن عبیداللہ بن زیاد کی فوج یزید کے بہت ہی سخت اور غیر انسانی مطالبہ یعنی "بیعت یا خون"! پر اصرار کررہی تھی۔ جس کے نتیجہ میں کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔ امامؑ نہ جنگ کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی بیعت لہٰذا کوئی دوسرا راستہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عبیداللہ کے فوجی پھر بھی بیعت پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ بیعت جو منطق اور عقل کے لحاظ سے زبوں حالی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور حسینؑ ایسے حریت پسند انسان ہیں جو ذلت کو پسند نہیں کرتے۔ آپؑ کا یہ بیان بہت مشہور ہے:

"اِنَّ الدّعی و ابن الدّعی قد رَکَزنی بین السّلّة و الذِّلَّة، هَیهَات مِنَ الذِلَّة۔ ترجمہ: ناپاک کے بیٹے نے مجھے شمشیر اور ذلت دو چیزوں کے درمیان مخیّر قرار دیا ہے، تو یاد رکھنا ذلت ہم سے کوسوں دور ہے۔"

امام حسینؑ کی نظر میں یہ بیعت ذلّت، تحقیر اور بیچارگی ہے۔ یہ تحقیر اور ذلت صرف امام حسینؑ کی نہیں ہے بلکہ یہ ذلت اور زبونی، اخلاق حسینی، سیرت علوی، سیرت نبوی اور ان تمام چیزوں کی تحقیر ہے جنہیں امامؑ کے جدّ گرامی نے بڑھاوا دیا اور جس کے لئے پیغمبر اکرمؐ مبعوث ہوئے اور تمام انسانی کرامتوں کی تحقیر ہے جنہیں آپؑ کے والد گرامی امام علیؑ نے اپنے خطبوں میں بیان فرمایا ہے۔

امام حسینؑ کی ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ یزید جیسے کی بیعت کرلے، جب کہ دشمنوں کی یہی خواہش ہے کہ حسینؑ، یزید جیسے ہو جائیں۔ امام حسینؑ ایسی عظمتوں کے حامل ہیں کہ موت اور شہادت کو عین سعادت جانتے ہیں: اِنِّی لَا اَریٰ الْمَوْتَ اِلاّٰ السَعَادَۃ۔ اور اپنے جدّ بزرگوار کے دین کے احیا اور بلندی کے لئے اپنے دل و جان کو خداوند متعال کے سپرد کرکے، اپنے جسم اور بدن کو تلواروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

"اِنْ کَانَ دِینُ محمد لَم یَسْتَقِم اِلاّٰ بِقَتلِی فَیَا لِلْسُیُوفُ خُذِیْنِی: ترجمہ: اگر دین محمدؐ سوائے میرے قتل کے باقی نہیں رہتا تو اے تلوارو مجھے لے لو!"

کربلا اور عاشورہ

ماہ محرم سنہ ۶۱ ہجری کا آغاز ہوا اور جنگ ہونا طے ہو گئی۔ امام حسینؑ، ابن زیاد کے سپاہیوں سے حجت تمام کر رہے تھے اور آہستہ آہستہ آپ کا قافلہ کوفہ سے دور اور کربلا (نینوا) سے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ امام حسینؑ کے ساتھیوں نے خیموں کو کربلا میں نصب کر دیا اور دو تین روز بعد یعنی نو محرم کی شام کو دشمن کے لشکر نے حملہ کرنا چاہا لیکن امام حسینؑ نے ایک رات کی مہلت لے کر جنگ کو دوسرے روز (عاشورہ) تک ملتوی کرا دیا۔ شب عاشورہ پوری رات امام حسینؑ اور ان کے اصحاب اپنے خدا سے راز و نیاز میں مشغول تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ کل شہادت کا دن ہے[1]۔ امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے لئے ایک درد بھرا اور پرجوش خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سب سے پہلے پروردگار کا شکر ادا کیا کہ جس نے انہیں نبوت جیسی کرامت، قرآن کی تعلیم اور دین کی فہم سے آراستہ کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"یہ یزیدی لشکر میرے درپے ہے اور میں رات کی تاریکی میں تم لوگوں کو یہ اختیار دے رہا ہوں کہ جہاں چاہو چلے جاو اور اپنی جان بچالو"۔

لیکن امامؑ کے با وفا اصحاب کا جواب نہ کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ نہیں ہرگز ہم آپ سے جدا نہیں ہونگے![2]

۱۔ مقتل الحسین، ص ۷۷
۲۔ اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۳۸؛ مقتل الحسین، ص ۷۲

واقعہ کربلا کو ایک تحریک میں تبدیل کرنے میں کیا ان خطبوں کی اہمیت سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ کس تاریخی جنگ میں ایسے سخت شرائط میں اس طرح کے خطبے جاری ہوئے ہیں اور کہاں ہیں ایسے بہادر جنہوں نے جنگ کی خاص شرایط کی وجہ سے انسانی اور اخلاقی حدوں سے تجاوز نہ کیا ہو لیکن امام حسینؑ واقعہ سے متاثر نہیں ہیں بلکہ آپ نے خود اس واقعہ پر اثرانداز ہو کر اسے ایک تحریک میں تبدیل کردیا۔ آپ ایک دلخراش واقعہ میں گھرے ہیں لیکن ہرگز ذرہ برابر بھی اخلاقی اور انسانی حدوں سے آگے نہیں بڑھتے اور ان تمام حدوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔

وہ لوگ ارادہ اور معرفت کی بنیاد پر اس معرکہ میں شریک ہوئے ہیں اور اب اپنی آخری عارفانہ مناجات میں مشغول ہیں اور در اصل اس واقعہ کو مکتب اور تحریک میں بدلنے کی معنوی کوشش میں مشغول ہیں۔ اسی لئے انہوں نے شب عاشورہ تمام رات عبادت اور تفکر میں گزاردی۔ روز عاشورہ یزیدی لشکر نے حسینی لشکر کے سامنے صف آرائی کی۔ عبیداللہ ابن زیاد کا عظیم لشکر، امام حسینؑ کے مختصر ساتھیوں کے مقابلے احساس حقارت کر رہا تھا۔ امام حسینؑ اور ان کے انصار کی مقاومت، بہادری اور ایمان کربلا کی فضا پر طاری تھی۔ امام حسینؑ کے افراد خانوادہ کی موجودگی، آپ کی بہن جناب زینب(س) سے لے کر بھائیوں، بیوی، بچّوں اور چچازاد بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے پورے کربلا کے ماحول پر محبت وعشق کی فضا حاکم تھی اور اس بات کا بھی واقعہ کربلا کے ابدی ہونے پر اثر پڑا۔ اس طرف ایک مختصر سا قافلہ اور اُس طرف ایک بڑا لشکر۔ امام حسینؑ نے اتمام حجت کے لئے لشکر مخالف کے سامنے تقریر کی لیکن وہ شقی القلب افراد تھے اس لئے جنگ کا واقع ہونا حتمی تھا!

پہلا تیر عمر سعد کی فوج کی طرف سے مارا گیا۔ امام حسینؑ کے جانثار اور انصار ایک ایک کرکے میدان میں آئے اور بہادری سے جنگ کرتے ہوئے، امامؑ کے سامنے جام شہادت نوش کرتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک مجاہد نے جنگ سے پہلے، رجز کے اشعار پڑھے جس میں انہوں نے اپنے مولا کے سلسلہ میں اپنی معرفت کو بیان کیا۔[1] ان معنی خیز اشعار کے دقیق مطالعہ سے، اپنے انصار کی معنوی تربیت اور اس واقعہ کو ایک تحریک میں بدلنے میں امام حسینؑ کے کردار کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۔ مقتل الحسین (جلد) ۲، ص ۹-۳۳؛ اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۴ کے بعد

ہاں امام حسینؑ کے انصار ایک ایک کرکے تمام تر معرفت کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوتے رہے۔ امام حسینؑ بھی ہر ایک کے سرہانے آتے رہے اور انھیں جنت کی بشارت دیتے رہے۔اس کے بعد بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے جوش وولولہ کے ساتھ امامؑ سے جنگ کی اجازت طلب کی اور میدان جنگ کو روانہ ہوتے رہے اور امام حسینؑ کی آنسو بھری آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے رہے اور امام حسینؑ ان کو عزت کے ساتھ گود میں اٹھاتے رہے اور ان کو خوشخبری دیتے رہے کہ میں بھی بہت جلد تم سے ملحق ہونے والا ہوں!

عورتوں اور مظلوم بچوں کے نوحوں اور فریاد کی آوازیں بلند تھیں لیکن میدان جنگ میں امام حسینؑ کا وجود ،اب تک ان کے لئے سکون کا باعث اور دردکا مرہم تھا۔ بغض وکینہ سے بھری دشمن کی فوج نے دھیرے دھیرے اپنے امام زمانہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ان کے جسم اطہر کو آماجگاہ نیزہ وشمشیر بنا ڈالا اور معصوم اولاد پیغمبرؐ کے پاکیزہ خون کو زمین کربلا پر بہادیا۔[۱]

امام حسینؑ شہید ہوگئے، لیکن واقعہ کربلا اور عاشورہ حسین ابن علیؑ کی شخصیت کے سایہ میں زندہ وجاوید ہوگیا۔امام حسینؑ کا خون سرزمین کربلا پر جاری ہوا، لیکن آپ کی تحریک پوری دنیا اور کرہ خاکی پر نافذ ہو گئی۔

منابع و مآخذ

- ابن اعثم کوفی، محمد بن علی، الفتوح، ترجمہ محمد بن احمد مستوفی ہروی (قرن ششم)، تصحیح غلام رضا طباطبائی مجد، انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی تہران، ۱۳۷۲ش
- ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی، مقتل الحسین، ترجمہ و تصحیح، حجت اللہ جودکی، (تحت عنوان قیام جاوید) مؤسسۂ انتشاراتی تبیان، تہران، ۱۳۷۷ش
- اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمہ فی معرفہ الأئمہ، مطبعہ العلمیہ، قم، ۱۳۸۱ق
- خوارزی، مقتل الحسین، موفق بن احمد مکی، تحقیق شیخ محمد سماوی، انتشارات مکتبہ المفید، قم
- دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داود، الاخبار الطوال، انتشارات شریف رضی، قم، ۱۳۶۸ش
- طبرسی، امین الاسلام، فضل بن حسن، اعلام الوری بأعلام الہدی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۱۔ الفتوح ص ۹۱۰؛ تاریخ یعقوبی (ج ۲)، ص ۲۴۵

❖ طبرسی، محمد بن جریر، تواریخ الرسل والملوک، ترجمہ ابوالقاسم پاینده، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، تہران، ۱۴۰۸ق
❖ مسعودی، علی بن حسین، مروج الذہب ومعادن الجوہر، تحقیق اسعد داغر۔ دار الجواہر، قم، ۱۴۰۹ق
❖ مفید شیخ محمد بن نعمان، الارشاد فی معرفہ حجج اللہ علی العباد، سید ہاشم رسولی محلاتی، انتشارات علمیہ اسلامیہ، تہران
❖ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب (بن واضح یعقوبی)۔ تاریخ الیعقوبی، دار بیروت، بیروت

حسینی قافلہ کی گزرگاہیں: تاریخ کے آئینہ میں

تالیف: محمد اسماعیل عبداللہی

ترجمہ: بنت زینب خان

معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی یزید کے لئے امت مسلمہ سے بیعت لی اور یہ امر اس عہد نامہ کے خلاف تھا جو اس نے امام حسنؑ سے کیا تھا۔ امام حسینؑ یزید کی بیعت کے لئے تیار نہ ہوئے اور سنہ ۶۰ ہجری میں مدینہ سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور مکہ ہوتے ہوئے کربلا پہنچے۔ امامؑ اپنے پورے سفر میں مختلف منازل سے گزرے۔ شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد میں ان تمام منازل کا ذکر کیا ہے اور ان منازل کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہے جہاں سے اہلبیت عصمت وطہارت نے کربلا سے کوفہ اور وہاں سے شام تک کا سفر کیا تھا۔

مقتل کی کتابوں کے مطالعہ کے دوران بعض جغرافیائی نام ہماری نظر سے گزرتے ہیں جن کے سلسلہ میں مزید جاننے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ بعض محققین اور سیاحوں نے ان میں سے بعض ناموں کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس نکتہ کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ان میں سے بعض منازل اب موجود نہیں ہیں اور ختم ہو چکے ہیں یا بڑے شہروں میں ضم ہو گئے ہیں۔ ہم اس مضمون میں شیخ مفید کی کتاب الارشاد کی مدد سے ان منازل کی نشاندہی کریں گے جہاں سے امامؑ کا قافلہ گزرا تھا۔

مدینہ منورہ

امام حسنؑ کی شہادت کے وقت امام حسینؑ مدینہ میں قیام پذیر تھے۔ آپ اس عہد وپیمان پر باقی رہے جو امام حسنؑ نے معاویہ سے کیا تھا لیکن معاویہ کی موت کے بعد آپ یزید کی بیعت کے لئے تیار نہ ہوئے اور مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔[1]

۱۔ شیخ مفید، محمد بن محمد، الارشاد فی معرفة حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۴۱

رسول خداؐ کی ہجرت سے قبل اس شہر کا نام یثرب تھا لیکن حضور کی تشریف آوری کے بعد اسے مدینۃ النبی کے نام سے جانا جانے لگا اور پھر اختصار میں مدینہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ قرآن مجید میں لفظ مدینہ چودہ بار اور اس کی جمع مداین تین بار استعمال ہوا ہے[۱]۔ ان میں سے کچھ شہر کے معنی میں ہیں اور بعض مدینۃ النبی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورہ منافقون کی آیت نمبر ۸ میں اس لفظ سے مراد مدینۃ النبی ہے:

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّـهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَـٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو ہم صاحبان عزت ان ذلیل افراد کو ضرور باہر نکال دیں گے حالانکہ ساری عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہی کے لیے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

یثرب کا لفظ صرف ایک بار سورہ احزاب کی آیت نمبر ۱۳ میں استعمال ہوا ہے۔[۲]

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا۔ ترجمہ: اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی اے مدینہ والو! تمہارے لیے ٹھیرنے کا موقع نہیں سو لوٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور حالانکہ وہ اکیلے نہ تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

مدینہ کا دوسرا نام طیبہ ہے۔ عباس بن فضل علوی کہتے ہیں:[۳]

و علی طیبة التی بارک الله علیها لخاتم المرسلینا

زید بن اسلم سے منقول ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: مدینہ کے دس نام ہیں۔ المدینہ، طیبہ، طابہ، مسکینۃ، جابرۃ، مجبورۃ، یثرب، الدار و الایمان[۱]۔ کتاب البلدان میں مدینہ کے دوسرے ناموں کے سلسلہ

۱۔ عبدالباقی، محمد فؤاد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص ۷۷۸

۲۔ ایضاً، ص ۸۷۷

۳۔ ابن خردادبہ، المسالک والممالک، ص ۱۰۵

میں یوں لکھا ہوا ہے: الباقیہ، الموفیۃ، المبارکۃ، المحفوفۃ، المحرمۃ، العذرا، طیبۃ، المسکینۃ، المسلمۃ، المقدسۃ، الشافیۃ والمرزوقۃ۔[۲]

وہب بن منبہ کا ماننا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے ہجرت کے بعد یثرب کا نام بدل کر طیبا رکھا۔ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ لوگوں نے مدینہ کی طرف پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کے بعد یا اس سے پہلے ہی اس شہر کا نام مدینہ یا مدینۃ النبی رکھا تھا۔ معجم معالم الحجاز میں مدینہ کے ۹۵ سے زائد نام بتائے گئے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ اسلامی ثقافت کا مرکز بن گیا اور حضور پاک کی رحلت کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں بھی اگرچہ شہر مکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا لیکن مدینہ اسلامی خلافت کا مرکز رہا۔

یہ شہر شبہ جزیرہ عربستان کے مغربی علاقہ میں واقع ہے اور مکہ سے اس کی دوری تقریباً ۴۶۰ کیلومٹر ہے۔مدینہ کی سب سے اہم پہاڑی کوہ احد ہے جو شمال میں واقع ہے جس کا رنگ سرخی مائل ہے۔مدینہ کی دوسری پہاڑیوں میں عیر اور ثور کا نام لیا جاسکتا ہے جو جنوب اور شمال میں واقع ہیں۔

مدینہ میں کئی تاریخی مساجد موجود ہیں جیسے کہ مسجد نبوی، مسجد جمعہ، مسجد مصلی، مسجد غمامہ، مسجد فتح، مساجد ذباب، (ذوباب)، مسجد ذوالقبلتین، مسجد بنی ظفر، مسجد السقیا، مسجد الاجابۃ، مسجد البحیر، مسجد الفضیح۔ پیغمبر اسلام کا روضہ مبارکہ مسجد النبی میں واقع ہے۔

مکہ

امام حسینؑ ہرگز یزید کی بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے لہٰذا آپ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے[۳]۔ابراہیم بن ابی المہاجر کے قول کے مطابق مکہ کو اس لئے مکہ کہا جاتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف روانہ ہوں۔اسے بکہ بھی کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کافر وہاں پر ظلم کریں تو ان کی گردن کاٹ دی جائے۔مکہ محل ازدحام کے معنی میں بھی ہے[۴]۔ نیز مکہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ظالموں کا غرور چکنا چور ہوتا ہے[۵]۔ بعض

۱۔ابن رستہ، احمد بن عمر، الاعلاق النفیسہ، ص ۸۸

۲۔ابن فقیہ، ابی عبداللہ احمد بن محمد بن اسحاق الہمدانی، کتاب البلدان، ص ۸۰

۳۔الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۴۷

۴۔کتاب البلدان، ص ۴۷

۵۔یاقوت حموی بغدادی، ابی عبداللہ، معجم البلدان (جلد ۵)، ص ۱۸۱

لوگوں کاخیال ہے کہ مکہ اور بکہ ایک ہی ہے صرف میم کو باء میں بدل دیا گیا ہے۔قرآن کریم میں صرف ایک بار لفظ مکہ آیا ہے[۱]۔ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا۔ترجمہ: اور وہی ہے جس نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دئے اس کے بعد اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا تھا اور اللہ ان سب باتوں کو جو تم کر رہے تھے دیکھ رہا تھا۔[۲]

لفظ بکہ بھی ایک بار قرآن مجید میں آیا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ۔ترجمہ: بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں برکت والا ہے اور جہان کے لوگوں کے لیے راہ نما ہے۔[۳]

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں مکہ کو ام القری، البلد الامین اور البلد کے نام سے بھی یاد کیا ہے[۴]۔دوسری کتابوں میں اس کے دوسرے نام بھی بتائے گئے ہیں، جیسے القریۃ، قریۃ النمل، الحاطمہ، الوادی، الحرم، العرش، برہ، صلاح، قطام، طیبۃ، معاد، ام الرحم وغیرہ۔[۵]

مکہ (کعبہ) حضرت آدم کا گھر ہے اور حضرت ابراہیم و اسماعیل نے یہیں پر خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی۔جناب ہاجرہ اور اسماعیل مکہ میں رہائش پذیر تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر بھی یہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہاں پر رونق پیدا ہوئی اور عرب کے مختلف قبیلے وہاں پر ساکن ہوئے۔رسول خداؐ کی ولادت اور پھر آپ کے اعلان نبوت کے بعد مکہ دین اسلام کی تبلیغ کا مرکز بنا۔

۱۔المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص ۶۸۷

۲۔سورہ فتح، آیت ۲۴

۳۔سورہ آل عمران، آیت ۹۶

۴۔معجم البلدان (جلد ۵)، ص ۱۸۲

۵۔کحالہ، عمر رضا، جغرافیہ شبہ جزیرہ العرب، راجعہ وعلق علیہ، ص ۱۴۷-۱۴۸

کوہ ابوقبیس، محصّب، قعیقان، فاضح، ثور، حرا، تفاحۃ، مطابخ، فلق، حجون، سقر اور ثبیر اس کی مشہور پہاڑیاں ہیں[۱]۔ مکہ میں کوئی ندی نہیں ہے اور پینے کا پانی کنوؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم کنواں چاہ زمزم ہے۔

رسول خداؐ کے فرمان اور دانشوروں کے بیان کے مطابق مسجد الحرام اور کعبہ روئے زمین کا سب سے مقدس مکان ہے اور خانہ کعبہ مسجد الحرام کے وسط میں واقع ہے۔

تنعیم

امام حسینؑ اپنے حج کو ناتمام چھوڑتے ہیں اور عراق کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں اور منزل تنعیم پر پہنچتے ہیں[۲]۔ اسی منزل پر امامؑ ان تمام اموال کو ضبط کرلیتے ہیں جنہیں والی یمن نے یزید کے لئے بھیجا تھا۔ تنعیم اہل مکہ کا میقات ہے۔ اس کے دائیں طرف نعیم نامی پہاڑی اور بائیں طرف ناعم نامی پہاڑی ہے اور اسی لئے اس جگہ کو تنعیم کہتے ہیں اور ان کے بیچ کے میدان کو نعمان کہتے ہیں[۳]۔ اس کا دوسرا نام مسجد عایشہ ہے۔[۴]

ذات عرق

منزل تنعیم کے بعد امام حسینؑ منزل ذات عرق پہنچے[۵]۔ اہل عراق یہیں سے میقات بجالاتے ہیں۔ یہ بہت ہی خوش آب وہوا اور ہرا بھرا مقام تھا۔ احسن التقاسیم نے چوتھی صدی میں اسے خشک اور بے آب و علف گاؤں بتایا ہے[۶]۔ الروضۃ المعطار نے وہاں پر موجود بڑی مسجد کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۷]

۱۔ منجم، اسحاق بن حسین، آکام المرجان فی ذکر المدائن المشهورہ فی کل مکان، ص ۲۳؛ معجم البلدان (جلد ۵)، ص ۱۵۳

۲۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۹۹

۳۔ حمیری، محمد بن عبدالنعیم، الروض المعطار فی خبر الاقطار، ص ۱۳۸-۱۳۹

۴۔ اسے مسجد عائشہ کہتے ہیں کیونکہ حج الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے فرمایا: عائشہ اپنی بہن کے ساتھ اسی مقام سے احرام باندھیں۔ (الاعلاق النفیسہ، ص ۲۰۸)

۵۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۰۰

۶۔ مقدسی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم (جلد ۱)، ص ۱۱۲-۱۱۳

۷۔ الروض المعطار فی خبر الاقطار، ص ۲۵۶

حاجز

امام حسینؑ کی اگلی منزل حاجز ہے جسے بعض کتابوں میں حاجر کہا جاتا ہے۔ یہ مقام بطن الرُّمّہ کا ایک حصہ ہے[۱]۔ الاعلاق النفیسہ میں تحریر ہے کہ حاجز ایک ہری بھری منزل ہے جسے ابودلف قاسم بن عیسی نے آباد کیا ہے۔ ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں حاجز کے پانی کے ذخائر کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں سے بعض خشک ہو چکے تھے۔ ان سے پہلے ابن جبیر نے بھی اپنے سفر نامہ میں اس کے بارے میں بتایا ہے۔

بطن الرُّمّہ

اسی منزل پر امام حسینؑ نے قیس بن مسہر یا اپنے رضائی بھائی عبداللہ بن یقطر کو کوفہ کے لئے روانہ کیا[۲]۔ مراصد الاطلاع میں تحریر ہے کہ اہل بصرہ، مدینہ جاتے وقت بطن الرمہ سے گزرتے تھے۔ کوفہ و بصرہ کے لوگ یہاں جمع ہوتے اور یہاں سے عُسیلہ جاتے تھے۔[۳]

زرود

منزل زرود پر قبیلہ بنی اسد کے عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل سے امامؑ کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی خبر شہادت کو بکر بن فلان سے دریافت کی۔ اسی منزل پر زہیر بن قین کی امامؑ سے ملاقات ہوئی اور آپ امامؑ کے اصحاب میں شامل ہوئے۔ بعض محققین نے زرود اور خُزیمیہ کو ایک ہی بتایا ہے۔ ابن رستہ کا ماننا ہے کہ اس کا اصلی نام زرود ہے لیکن چونکہ خزیمہ بن خازم نے وہاں پر کنویں ایجاد کئے اور اونٹوں کے ذریعہ پانی کو نہروں میں جاری کیا لہٰذا خزیمیہ کے نام سے بھی مشہور ہو گیا۔[۴]

۱۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۰۱

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۳۔ بغدادی، صفی الدین عبدالمؤمن بن عبدالحق، مراصد الاطلاع (جلد ۲)، ص ۶۳۴

۴۔ الاعلاق النفیسہ، ص ۲۰۵؛ قدامہ بن جعفر، کتاب الخراج، ص ۱۰

ثعلبیہ

منزل ثعلبیہ پر قبیلہ بنی اسد کے عبد اللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل نے جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر امامؑ کو دی[۱]۔ کوفہ سے مکہ جاتے وقت منزل ثعلبیہ منزل شقوق کے بعد اور منزل خزیمیہ سے قبل واقع ہے۔[۲]

زُبالہ

منزل زبالہ پر قیس بن مسہّر اور ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن یقطر کی خبر شہادت امام حسینؑ کو ملی[۳]۔ امامؑ اپنے اصحاب کو ان کی شہادت کی خبر دیتے ہیں اور انہیں رکنے یا واپس چلے جانے کا اختیار دیتے ہیں۔ اس منزل پر بڑا سا گاؤں ہے اور پانی کی فراوانی ہے۔ معجم البلدان کے قول کے مطابق اس مقام کو زبالہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کی مٹی پانی کو جذب کر لیتی ہے نیز زبالہ عمالقہ کے مسعّر کی بیٹی کا نام ہے جو یہاں قیام پذیر تھی۔[۴]

بطن عقبہ

منزل زبالہ کے بعد امام حسینؑ بطن عقبہ پہنچے۔ اسی منزل پر امامؑ کی ملاقات عمرو بن لوذان سے ہوئی۔ اس نے امامؑ سے واپس جانے کی درخواست کی۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: جو تم سوچ رہے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن خدا کی قسم! وہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ میرا خون بہادیں گے۔[۵]

۱۔ شیخ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۰۷
۲۔ معجم البلدان (جلد ۱)، ص ۸۰۸
۳۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۰۹
۴۔ معجم البلدان (جلد ۳)، ص ۱۲۹
۵۔ شیخ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۱۰ و ۱۱۱

شراف

امام حسینؑ کی اگلی منزل شراف ہے۔شراف بلندی کے معنی میں ہے۔ابو عبید السکونی کے مطابق شراف میں تین بڑے کنویں ہیں۔

ذو حسم

منزل ذو حسم میں لشکر حر سے امامؑ کی ملاقات ہوئی[۱]۔اسی مقام پر امامؑ کے لشکر نے لشکر حر کو سیر اب کیا۔امامؑ نے نماز ظہر سے قبل ایک مختصر سا خطبہ دیا اور دونوں لشکر نے امامؑ کی امامت میں نماز ادا کی۔نماز عصر کے بعد امامؑ نے خطبہ دیا اور پھر حر سے بات کی اور پھر یہ طے ہوا کہ مدینہ اور کوفہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر امامؑ کا قافلہ روانہ ہو جائے۔

عُذیب الہجانات

امام حسینؑ کا قافلہ منزل عُذیب الہجانات پر پہنچا اس حال میں کہ حر کا لشکر بھی ساتھ ساتھ تھا۔ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں اس مقام کی تعریف کی ہے۔اس کا تعلق بنی تمیم سے تھا اور کوفہ کے حاجیوں کی منزلگاہ ہے۔

قصر بنی مقتل ہا

اسی منزل پر امامؑ نے عبداللہ بن حر سے گفتگو کی اور اسے لشکر میں ملحق ہونے کی دعوت دی لیکن وہ نہیں مانا پھر امامؑ نے اس سے کہا کہ وہ امامؑ سے جنگ کرنے سے پرہیز کرے[۲]۔قصر بنی مقتل ابن حسان بن ثعلبہ کے مقتل سے متعلق ہے جو عین التمر اور قُطقُطانہ کے درمیان واقع ہے۔ یہاں پر محل کے علاوہ مسجد اور دوسری عمارتیں بھی تھیں جو کہ اب موجود نہیں ہیں۔

۱۔ شیخ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۱۲
۲۔ ایضاً، ص ۱۱۹

نینوا

اسی منزل پر عبیداللہ بن زیاد کا قاصد حر کے پاس آیا اور تاکید کی کہ امامؑ کو بے آب و علف مقام کی طرف لے جایا جائے[۱]۔ عراق میں اس نام کے دو مقام ہیں۔ایک نینوا وہ ہے جو آشوری حکومت کا تیسرا اور آخری دارالخلافہ ہے جو دجلہ ندی کے بائیں سمت پر اور آج کے موصل شہر کے سامنے واقع تھا[۲]۔ابن حوقل نے سنہ ۳۵۸ ہجری میں اس گاؤں کے بارے میں بتایا ہے اور یہیں پر جناب یونس بن متی کی قبر واقع ہے۔[۳] آج کے دور میں نینوا شمالی عراق کا ایک اہم صوبہ ہے جس کا دارالحکومت شہر موصل ہے۔صاحب معجم البلدان نے ایک دوسرے نینوا کے بارے میں بتایا ہے جو کوفہ کے باہر کا ایک علاقہ ہے اور کربلا اسی کا ایک حصہ ہے۔[۴]

غاضریہ اور شُفَیہ

امام حسینؑ نے حر سے فرمایا مجھے نینوا یا غاضریہ یا شُفیہ جانے دو لیکن حر نے کہا اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ قاصد ابن زیاد کی طرف سے یہ پتہ لگانے کے لئے آیا ہے کہ آیا میں اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں یا نہیں۔میں اس کے سامنے مجبور ہوں اور اس کے حکم کو ماننا پڑے گا۔[۵]

غاضریہ کربلا کے قریب ایک گاؤں ہے[۶]۔ شُقیہ بھی ایک گاؤں ہے جس میں ایک کنواں ہے جسے بنی اسد نے کھودا ہے۔

۱۔ شیخ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ص ۱۲۱
۲۔ الحسنی، السید عبدالرزاق، العراق، قدیماً و حدیثاً، ص ۷۶
۳۔ لسترنج، جغرافیای تاریخی سرزمین ہای خلافت شرقی، ص ۹۵
۴۔ معجم البلدان (جلد ۵)، ص ۳۳۹
۵۔ شیخ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد (جلد ۲)، ، ص ۱۲۲-۱۲۳
۶۔ مراصد الاطلاع (جلد ۲)، ص ۹۸۰

کربلا

حر بن یزید ریاحی کے حکم سے امام حسینؑ نے سرزمین کربلا پر اپنے خیمے نصب کروائے اور یہیں پر عاشورہ کا وہ دردناک واقع رونما ہوا۔ معجم البلدان میں کربلا کی وجہ تسمیہ کے بارے یوں تحریر ہے: کربلا کربلہ سے لیا گیا ہے جو کہ رفتار میں سستی کے معنی میں ہے۔شاید یہاں کی زمین انسان میں سستی پیدا کرتی ہے۔ نیز کربل ایک گیاہ کا نام ہے جو یہاں پر اگتا ہے[۱]۔جب امامؑ اس مقام پر تشریف لائے تو اس کا نام پوچھا۔ لوگوں نے اس کا نام کربلا بتایا۔امامؑ نے فرمایا کرب و بلا۔

دوسرے نظریہ کے مطابق کربلا دو آشوری الفاظ کرب اور ایل سے بنا ہے۔ کرب کا مطلب ہے حرم اور ایل کا مطلب ہے اللہ جس کا مطلب ہے حرم اللہ۔[۲]

کربلا کا سب سے قدیمی حصہ اخیضر کا محل ہے جو کہ اب ویرانہ میں بدل چکا ہے اور کربلا سے ۵۵ کلومٹر کی دوری پر واقع ہے۔ لوئی ماسینیون کا ماننا ہے کہ یہ محل اسلام سے پہلے کے حیرہ بادشاہوں کا ہے۔ جرمن کے رہنے والے ہرتسفلد نے بہت جستجو اور تلاش کے بعد اس میں مسجد و محراب کا سراغ لگایا اور یہ ثابت کیا کہ عمارت تیسری ہجری اسلامی سے متعلق ہے۔[۳]

کوفہ

امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب باوفا روز عاشورہ شہید کردئے گئے اور آپ کے اہلبیت اور شہدا کے مقدس سر کو کوفہ اور وہاں سے شام لے جایا گیا۔ معجم البلدان میں اس کی وجہ تسمیہ کے بارے یوں تحریر ہے: کوفہ تکوّفَ سے مشتق ہے اور ریت کے ایک جگہ جمع ہونے کے معنی میں ہے[۴]۔کچھ لوگوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ تکوّفَ تجمّعَ کے معنی میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ اس مقام پر پہنچا تو اس نے اپنے لشکریوں سے کہا: تکوفوا فی ہذا المکان۔اس مقام پر جمع ہو جاؤ۔[۵]

۱۔ معجم البلدان (جلد ۴)، ص ۴۴۵

۲۔العراق، قدیماً وحدیثاً، ص ۱۲۴

۳۔ایضاً، ص ۸۲-۸۳

۴۔کتاب البلدان، ص ۲۰۰

۵۔صفری فروشانی، نعمت اللہ، کوفہ از پیدائش تا عاشورا، ص ۲۷-۲۸

صاحب البلدان کے مطابق کوفہ عراق کا ایک بڑا شہر ہے جو قبۃ الاسلام اور مسلمانوں کی ہجرت کا مقام ہے اور یہ پہلا شہر ہے جسے مسلمانوں نے سنہ ۱۴ ہجری میں عراق میں بنایا جو کہ فرات کے کنارے پر ہے۔ یہ شہر عراق کی فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص کے حکم سے بنایا گیا۔ آج کے دور میں کوفہ شہر نجف کے نواح میں صوبہ کربلا میں واقع ہے۔

مسجد کوفہ شیعوں کی ایک اہم مسجد ہے جس کی بنیاد سنہ ۱۷ ہجری میں اس وقت پڑی جب سعد بن وقاص اور اس کے ساتھی شہر کوفہ کا نقشہ تیار کر رہے تھے۔ مسجد کوفہ کی از سر نو تعمیر اور توسیع، والی کوفہ مغیرہ بن شعبہ کے دور میں سنہ ۴۳ سے ۵۰ ہجری کے درمیان ہوئی۔ زیاد نے سنہ ۵۰ اور ۵۳ کے درمیان اس مسجد میں کچھ تبدیلیاں پیدا کیں۔ ابن جبیر نے اس مسجد کو دیکھا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں اس مسجد کی معماری کی تعریف کی ہے اور اس کے مختلف حصے جیسے کہ حضرت علیؑ کا مکان اور مسجد کے باہر کے مقبروں کے بارے میں بتایا ہے۔ اس مسجد کے چار مشہور دروازے ہیں جن کے نام یوں ہیں: باب السدہ، باب الفیل، باب الکندہ، اور باب الانماط۔[۱]

دمشق

مخدرات عصمت و طہارت کا قافلہ اور شہدائے کربلا کا سر مختلف منازل کو طے کرتا ہوا آخر کار شہر دمشق پہنچا۔ اس کا نام دماشق سے مشتق ہے جو کہ قانی بن مالک بن ارفخشد بن سام بن نوح کا بیٹا ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ دمشق کا بنانے والا جیرون بن سعد بن عماد بن ارم بن سام بن نوح ہے اور اس نے اس کا نام ارم ذات عماد رکھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اس شہر کو حضرت ابراہیم کا حبشی غلام عازر نے بنوایا۔[۲]

یاقوت حموی کے قول کے مطابق یہ شہر سات ہزار سال پرانا ہے اور حضرت ابراہیم اس کی بنا کے پانچ سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام سے پہلے یہ شہر رومیوں کے قبضہ میں تھا اور سنہ ۱۴ ہجری میں ابو عبیدۃ جراح کے ہاتھوں بغیر جنگ کے فتح ہوا[۳]۔ ابن جبیر نے اپنے سفر نامہ میں مریم نامی کلیسا اور دمشق کے سات

۱۔ کوفہ از پیدائش تا عاشورا، ص ۱۲۹-۱۳۱

۲۔ معجم البلدان (جلد ۲)، ص ۳۹۱

۳۔ آکام المرجان، ص ۵۷

مشہور دروازوں کے بارے میں بتایا ہے جن کے نام یوں ہیں: باب الشرقی، باب توما، باب السلامۃ، باب الفرادیس، باب الفرج، باب النصر، باب الجابیہ اور باب الصغیر۔

مسجد جامع دمشق یا بلاط الولید یا مسجد اموی عالم اسلام کی ایک بڑی مسجد ہے۔ چوتھی صدی کے جغرافیادان اصطخری اس کے بارے میں تحریر کرتا ہے: یہ صائبین کی عمارت ہے اوران کے نماز کی جگہ تھی۔اس کے بعد یونانیوں کے قبضہ میں آ گئی۔جب بت پرست اور جہود کا اس پر قبضہ ہوا تو اسے معبد بنادیا۔ اسی مکان میں یحییٰ بن زکریا کا سر قلم کرکے دروازہ پر لٹکادیا گیا۔اس عرصہ دراز کے بعد ترسا لوگ غالب ہوئے اور اسے اپنا کنیسہ اور کتبخانہ بنادیا۔ مسلمانوں کے شہر دمشق پر قبضہ کے بعد اس عمارت کو مسجد میں بدل دیا گیا۔ باب جیرون پر جہاں یحییٰ بن زکریا کا سر لٹکایا گیا تھا وہیں پر امام حسینؑ کا سر مبارک بھی لٹکایا گیا۔ ولید بن عبدالملک نے اس عمارت کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔نخبۃ الدہر میں آیا ہے کہ یہ مکان قریب چہار ہزار سال سے عبادت کی جگہ ہے۔[1]

منابع و مآخذ:

- قرآن کریم
- ابن رستہ، احمد بن عمر، الاعلاق النفیسہ ترجمہ و تعلیق دکتر حسین قرہ چانلو، امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۵ش
- ابن فقیہ، ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن اسحاق الہمدانی، کتاب البلدان، تحقیق: یوسف الہادی، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶م
- ابن بطوطہ، سفر نامہ ابن بطوطہ، ترجمہ: دکتر محمد علی موحد، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران، ۱۳۴۸ش
- ابن جبیر، محمد بن احمد، سفر نامہ ابن جبیر، ترجمہ: پرویز اتابکی، مؤسسۂ چاپ وانتشارات آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۳۷۰
- ابن خردادبہ، المسالک والممالک، ترجمہ: دکتر حسین قرہ چانلو، نشر نو
- ابوالفدا، تقویم البلدان، ترجمہ: عبدالمحمد آیتی، بنیاد فرہنگ ایران، تہران، ۱۳۴۹ش

۱۔ انصاری دمشقی، محمد بن ابی طالب، نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر، ص ۶۱

❖ اصطخری، ابو اسحاق ابراہیم، ممالک و مسالک، ترجمہ: محمد بن اسعد بن عبد اللہ تستری، بہ کوشش: ایرج افشار، بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، تہران، ۱۳۷۳
❖ امینی، داوود، سوریہ، سازمان جغرافیایی نیروھای مسلح، ۱۳۹۱ش
❖ انصاری دمشقی، محمد بن ابی طالب، نخبۃ الدھر فی عجائب البر والبحر، ترجمہ: سید حمید طبیبیان، اساطیر، تہران، ۱۳۸۲
❖ بابان، جمال، اصول اسماء المدن والمواقع العراقیہ، دار الثقافۃ والنشر الکردیۃ، بغداد، ۲۰۱۳
❖ بغدادی، صفی الدین عبد المؤمن بن عبد الحق، مراصد الاطلاع، تحقیق و تعلیق: علی محمد بجاوی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۳ق/۱۹۵۴م
❖ البلادی، عاتق بن غیث، معجم معالم الحجاز، ج ۲ و ۵ و ۸، مؤسسہ الریان، بیروت
❖ جیہانی، ابو القاسم بن احمد، اشکال العالم، ترجمہ عبد السلام کاتب، تصحیح، توضیح و حواشی: فیروز منصوری، بہ نشر، ۱۳۶۸ش
❖ الحسنی، السید عبد الرزاق، العراق، قدیماً وحدیثاً، دار الرافدین، بیروت، ۲۰۱۳م
❖ حمیری، محمد بن عبد المنعم، الروض المعطار فی خبر الاقطار، تحقیق: احسان عباس، مکتبہ لبنان، بیروت، ۱۹۸۴ش
❖ شیخ مفید، محمد بن محمد، الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد(ج ۲) دفتر نشر وفرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۹ش
❖ صفری فروشانی، نعمت اللہ، کوفہ از پیدائش تا عاشورا، مشعر، تہران، ۱۳۹۱ش
❖ عبد الباقی، محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن لکریم، انتشارات اسلامی، تہران، ۱۳۹۰ش
❖ قدامۃ بن جعفر، کتاب الخراج، ترجمہ و تحقیق: دکتر حسین قرہ چانلو نشر البرز، تہران، ۱۳۷۰ش
❖ کحالہ، عمر رضا، جغرافیہ شبہ جزیرۃ العرب، راجعہ وعلق علیہ: احمد علی، مطبعۃ الفجالہ الجدیدہ، قاہرہ، ۱۳۸۴ق/۱۹۶۴م
❖ لسترنج، جغرافیائی تاریخ سرزمین ہای خلافت شرقی، ترجمہ: محمود عرفان، شرکت انتشارات علمی وفرہنگی، تہران، ۱۳۶۷

❖ مقدسی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ترجمہ ڈاکٹر علی نقی منزوی، شرکت مؤلفان ومترجمان ایران، تہران، ۱۳۶۱ش

❖ منجم، اسحاق بن حسین، آکام المرجان فی ذکر المدائن المشہورہ فی کل مکان، ترجمہ: محمد آصف فکرت، معاونت فرہنگی آستان قدس رضوی، ۱۳۷۰ش

❖ یاقوت حموی بغدادی، ابی عبد اللہ، معجم البلدان، ترجمہ: علی نقی منزوی، پژوہشگان سازمان میراث فرہنگی کشور، تہران، ۱۳۸۰ش

❖ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح، البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ق/۲۰۰۲م

واقعہ کربلا کی تاریخ نگاری: ایک مطالعہ

تالیف: سینا میر شاہی
ترجمہ: ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری

صدر اسلام میں اہلبیت پیغمبر اسلامؐ کو بہت ہی ناگوار واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ سنہ ۶۱ ہجری میں میدان کربلا میں امام حسینؑ اور آپ کے بہتر ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا جو اپنے آپ میں تاریخ بشریت کا سب سے دردناک واقعہ ہے۔ اس واقعہ کو زندہ رکھنے اور آنے والی نسلوں تک اس کے پیغام کو پہچانے اور اس تحریک کے اقدار کی حفاظت کے لئے مورخوں نے الگ الگ انداز میں اس کی تاریخ کو اپنی کتابوں میں محفوظ کیا جسے مقتل کے نام سے جانا جاتا ہے اور مقتل لکھنے والے کو مقتل نگار کہا جاتا ہے۔ تاریخ نویسی کا یہ طریقہ ائمہ اطہارؑ کی توجہ اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے شروع کی صدیوں میں بہت زیادہ مقبول ہوا۔ شیعہ مقتل نگاروں کا اصل مقصد شہدائے کربلا کی یاد کو زندہ رکھنا اور ان پر ہونے والے مظالم کو سب کے سامنے پیش کرنا تھا۔ مقتل نگاری کی بدولت واقعہ کربلا تحریف سے بھی محفوظ ہو گیا۔ مقتل نگار جو خود بھی شیعہ تھے، مقتل لکھنے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ ان مقاتل میں مؤلف کے جذبات و احساسات بھی شامل ہوتے تھے جو کہ شیعوں میں بہت زیادہ تاثیر موثر تھے۔

عاشورہ کی تاریخ نگاری پہلی صدی ہجری میں اصبغ بن نباتہ (امام علیؑ کے صحابی) سے شروع ہوتی ہے۔ مقتل نگاری کے سلسلہ میں ائمہ اطہار علیہم السلام کی تاکید اور شیعوں میں اس کی مقبولیت کی وجہ سے بعد کی صدیوں میں اس طرح کے آثار منظر عام پر آتے رہے۔ زیادہ تر مقتل نگار ائمہ اطہار علیہم السلام کے صحابیوں میں سے تھے۔ اصبغ بن نباتہ پہلے مقتل نگار ہیں لیکن ابی مخنف سب سے مشہور مقتل نگار ہیں جن کی پیروی میں بعد کے مورخین نے کتابیں تحریر کی ہیں۔ یہاں پر ہم مقتل نگاروں کے اہم مصادر کی طرف اشارہ کریں گے:

پیغمبر اسلامؐ کی احادیث: مقتل نگاروں نے اپنی کتابوں میں پیغمبر اسلامؐ کی احادیث کا سہارا لیا ہے اور یہی احادیث ان کے اصل مصادر ہیں۔ مثال کے طور پر شیعہ منابع بلکہ اہل سنت منابع میں بھی یہ روایت ملتی ہے کہ جبرئیل نے وحی کے ذریعہ پیغمبر اسلامؐ کو امام حسینؑ کی شہادت اور محل شہادت کی خبر دی۔ یعقوبی اور شہرستانی نے اس روایت کو نقل کیا ہے:

> "جبرئیل وحی الٰہی کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی اثنا میں امام حسینؑ وارد ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کی پشت پر بیٹھ کر کھیلنے لگے۔ جبرئیل نے کہا: اے محمد! آپ کے بعد آپ کی امت فتنہ و فساد کرے گی اور تمہارے اس بیٹے کو قتل کر دے گی۔ پھر جبرئیل نے ہاتھ بڑھایا اور تھوڑی سی سفید مٹی آپ کو دی اور کہا: آپ کے بیٹے کو سرزمین طف میں شہید کیا جائے گا۔ جبرئیل کے جانے کے بعد پیغمبر اسلامؐ اپنے اصحاب کے پاس اس حالت میں آئے کہ وہ مٹی آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا: جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ میرے بعد سرزمین طف میں مارا جائے گا۔"[1]

شیعہ و سنی دونوں فرقوں کی کتابوں میں ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے واقعہ عاشورہ کے بارے اپنے اہلبیت اور صحابیوں کو بتایا اور واقعہ کربلا کو یاد کرکے گریہ بھی فرمایا تھا۔ مثال کے طور پر ایک روایت میں ملتا ہے کہ امام حسینؑ کی ولادت کے موقع پیغمبر اسلامؐ نے آپ کو آغوش میں لیا اور گریہ فرمایا۔[2] اس روایت کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے امام حسینؑ کی ولادت کے بعد مختلف مواقع پر آپ کی مظلومانہ شہادت کے بارے اپنے اہل خانہ اور صحابہ کو بتایا لہٰذا ابتدا کی دو صدیوں میں زیادہ تر مقتل نگاروں نے امام حسینؑ کی شہادت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی احادیث کو نقل کیا ہے اور یہ حدیثیں آنے والے مورخین کے لئے ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۔ یعقوبی، احمد بن اسحاق، تاریخ یعقوبی، ص ۱۸۳؛ شہرستانی، صالح، اشکوارہ کربلا بررسی تاریخ عزاداری. گریہ بر امام حسین از زمان آدم تا زمان ما، ص ۲۹

۲۔ ابن قولویہ، جعفر بن محمد، کامل الزیارات، ص ۲۱۵؛ مجلسی، محمد باقر، تاریخ چہاردہ معصومین، ص ۴۷۸

امام حسینؑ کے خطوط اور خطبے: اموی دور کے معاشرے کے بارے میں جاننے کے لئے امام حسینؑ کے خطوط اور خطبے ایک اہم ماخذ ہیں۔ آپ نے کربلا کے لئے روانگی کے وقت سے ہی مختلف لوگوں کے نام خطوط تحریر فرمائے اور خطبے دئے۔ ان خطوط اور خطبات میں اموی دور کے معاشرے کی عکاسی ملتی ہے اور فلسفہ عاشورہ کو سمجھنے میں ان کا اہم کردار ہے۔ امام حسینؑ نے کربلا کے لئے روانہ ہونے سے قبل کوفیوں کے نام ایک خط تحریر فرمایا جسے بیشتر مورخین نے نقل کیا ہے۔ امامؑ نے کوفیوں کے خطوط کے جواب میں یوں تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم: اما بعد فآن ھانئاً و سعیداً قد ما علی بکتبکم و انا باعث الیکم اخی و ابن عمی و ثقتی من اھل بیتی مسلم بن عقیل فان کتب الی انہ قد اجتمع رای ملاکم و ذوی الحجی و الفضل منکم علی مثل ما قدمت بہ رسلکم و قرات فی کتبکم فانی اقدم الیکم۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ ہانی اور سعید تمہارے خطوط لائے اور میں تمہارے مقصد سے آگاہ ہو گیا۔ میں اپنے چچازاد بھائی اور اپنے مورد اعتماد فرد یعنی مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں جو میرے اہلبیت میں سے ہیں تا کہ وہ وہاں کے حالات کے بارے میں مجھے آگاہ کریں۔ اگر میرا نمائندہ تمہارے ثابت قدم رہنے کے بارے میں مجھے بتائے گا تو میں تمہاری طرف روانہ ہوں گا۔[1]"

بعض مورخوں نے کوفیوں کے ان خطوط کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے جو انہوں نے امام حسینؑ کے نام تحریر کئے تھے۔ امامؑ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والے کوفیوں کی تعداد مورخین کے لئے بہت اہم رہی ہے۔ ان مقتل نگاروں کے مطابق بیعت کرنے والے کوفیوں کی تعداد بیس سے چالیس ہزار تھی اور خطوط کی تعداد بھی ۱۵۰ تھی۔[2]

۱۔ کوفی، محمد بن علی بن اعثم، الفتوح، ص ۸۳۹

۲۔ رنجبر، محسن، عاشورا در آیینہ آمار و ارقام، ص ۵۲

ابو مخنف نے مقتل الحسین میں امام حسینؑ کا وہ مشہور خطبہ نقل کیا ہے جو آپ نے عاشورہ سے قبل اپنے اصحاب کے درمیان دیا تھا۔ اس خطبہ کو دوسرے مقتل نگاروں نے بھی نقل کیا ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں:

"آگاہ ہو جاؤ! یہ لوگ شیطان کی پیروی پر آمادہ ہوگئے ہیں اور اللہ تعالی کی اطاعت کو ترک کر دیا ہے، یہ لوگ کھلے عام فساد کرتے ہیں اور حدود الٰہی پر عمل نہیں کرتے۔ انہوں نے فیء کو اپنے قبضہ میں کرلیا ہے۔ اور حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کر دیا ہے۔[۱]"

امام سجادؑ اور جناب زینب(س) کے خطبے: واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت عصمت و طہارت کو اسیر کرکے کوفہ اور وہاں سے شام لے جایا گیا۔ جناب زینب(س) اور امام سجادؑ نے سفر کے دوران مختلف شہروں میں خطبے دئے اور لوگوں کو واقعہ عاشورہ کے بارے میں آگاہ کیا۔ یہ خطبے بھی مقتل نگاروں کے لئے اہم ماخذ شمار ہوتے ہیں۔ انہی خطبوں کے ذریعہ اموی حکومت کا ظالم و جابر چہرہ لوگوں کے سامنے آیا اور عوام میں بیداری پیدا ہوئی۔ سید بن طاؤس نے اپنی کتاب لہوف میں اور دوسرے مقتل نگاروں نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں امام سجادؑ کے اس خطبہ کو نقل کیا ہے:

اَیّہا الْقَومُ اِنَّ اللّٰہَ وَ لَہُ الْحَمْدُ ابْتَلَانَا بِمَصَایِبَ جَلِیلَۃٍ وَ ثُلْمَۃٍ فِی الاِسْلَامِ عَظِیمَۃٍ قُتِلَ اَبُوعَبْدِاللّٰہِ الحُسَینُ وَ عِتْرَتُہُ وَ سُبِیَ نِسَاؤُہُ وَ صِبْیَتُہُ وَ دَارُوا بِرَاسِہِ فِی الْبُلْدَانِ مِنْ فَوقِ عَامِلِ السِّنَانِ وَ ھَذِہِ الرَّزِیۃُ الَّتِی لَیسَ مِثْلُھَا رَزِیۃً اَیّھَا النَّاسُ فَاَی رِجَالاتٍ مِنْکُمْ یَسرُّونَ بَعْدَ قَتْلِہِ اَمْ اَی فُؤَادٍ لَایَحْزُنُ مِن اَجْلِہِ اَمْ اَیَّۃُ عَینٍ مِنْکُم تَحْبِسُ دَمْعَھَا وَ تَضَنُّ عَنْ انْھما۔

ترجمہ: اے لوگو! بے شک حمد اللہ تعالی سے مخصوص ہے اور اسی نے ہمیں شدید مصائب میں مبتلا کیا۔ ابو عبداللہ اور آپ کی عترت و اصحاب شہید ہوگئے اور آپ کی عورتیں اور بیٹیاں اسیر کرلی گئیں۔ آپ کے سر مبارک کو نیزے پر بلند کیا گیا اور دیار بہ

۱۔ ابومخنف کوفی، لوط بن یحییٰ، وقعۃ الطف، ص ۱۰۹

دیار پھرایا گیا اور اس مصیبت کی کوئی مثال نہیں ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس کے بعد خوشی منائے ؟اور کون آنکھ ہے جو اس مصیبت میں اشکبار نہیں ہے۔[۱]

امام سجادؑ کے زمانے میں بہت سے ایسے کاتب و راوی بھی تھے جنہوں نے واقعہ کربلا کی طرف توجہ کی اور اسے اپنی تحریروں میں قلمبند کیا۔ابو حمزہ ثمالی، سعید بن جبیر، زید بن علی بن الحسین اور داوود بن یحییٰ امام کے ان صحابیوں میں شامل ہیں جنہوں نے کربلا کے واقعات کو قلمبند کیا ہے۔[۲]

جناب زینب(س) نے بھی کوفہ و شام میں اپنے خطبوں کے ذریعہ اموی حکومت کو بے نقاب کیا اور امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت کو سب کے لئے بیان کیا۔ مقتل نگاروں نے ان خطبوں کو ماخذ کے طور پر اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ابو مخنف نے کربلا و کوفہ و شام میں جناب زینب(س) کے خطبوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

> "جب زینب بنت فاطمہ زہرا(س) اپنے بھائی کے مقتل کی طرف سے گزریں تو فرمایا: یا محمداہ ! یا محمداہ ! آسمان کے ملائکہ آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ وہی حسینؑ ہے جو آسمان کے نیچے بغیر کسی سائبان کے خاک و خون میں غلطاں پڑا ہے اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔"[۳]

امام حسینؑ کی رجز: رجز وہ جملات ہیں جو جنگ پر جانے والا میدان جنگ میں اپنے حسب و نسب اور دشمن کی تحقیر میں نظم و یا نثر میں ادا کرتا ہے۔واقعہ کربلا میں امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب نے جو رجز پڑھے ہیں وہ بہت مشہور ہیں۔مثال کے طور زہیر بن قین کی رجز جو روز عاشورہ کی ایک مشہور رجز ہے اور مقتل نگاروں نے اس کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے:

> "زہیر قین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور کہا: اے کوفہ والو! میں تمہیں عذاب خدا کا خوف دلاتا ہوں۔فاطمہ زہرا کے فرزند، سمیہ کے فرزند سے زیادہ مدد کے مستحق ہیں اور اگر ان کی مدد نہیں کرتے تو کم سے کم ان سے جنگ تو نہ کرو۔آج روئے

۱۔ابن طاووس، علی بن موسی، لہوف، ص ۳۶۴
۲۔لہوف، ص ۳۶۴
۳۔وقعۃ الطف، ص ۱۹۳

زمین پر امام حسین کے علاوہ کسی بھی پیغمبر کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ ان کے قتل میں تعاون نہ کرو اگرچہ ایک لفظ کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا کرتے ہو تو اللہ تعالی دنیا کو اس کے لئے تلخ بنادے گا اور آخرت میں اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔"[۱]

روز عاشور حر بن یزید ریاحی کی رجز بھی بہت مشہور ہے جسے ابومخنف نے اپنے مقتل میں نقل کیا ہے۔[۲]

دشمن کی زبانی بیان کردہ حالات: واقعہ کربلا اور امام حسینؑ کی شہادت اس قدر مظلومانہ اور غم انگیز تھی کہ دشمن افراد بھی اس سے متاثر ہوئے۔ فوج دشمن میں شامل حمید بن مسلم اور شبث بن ربعی جیسے افراد نے کربلا کے بعض واقعات کو نقل کیا ہے اور مقتل نگاروں نے اسے نقل کیا ہے۔[۳] ابن ابی الحدید نے فوج دشمن کے ایک سپاہی کی زبانی، اصحاب حسینی کے جذبہ شہادت اور ایثار کو اس طرح تحریر کیا ہے:

"ایسے گروہ نے ہمارے خلاف قیام کیا جن کے ہاتھ قبضہ شمشیر پر تھے اور شیروں کی طرح ہمارے بہادروں کو تہ تیغ کر رہے تھے اور خود کو موت کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ انہیں نہ امان کی ضرورت تھی اور نہ ہی مال و زر کی۔ اگر ذرا سا موقع ملتا تو وہ پورے لشکر کو تباہ کر دیتے۔"[۴]

قرہ بن قیس تمیمی حنظلی نے بھی کربلا کے بعض واقعات کو نقل کیا ہے اور بعد کے مورخوں نے اس کی روایتوں کو نقل کیا ہے۔[۵]

۱۔ تاریخ یعقوبی (جلد ۲)، ص ۱۸۱
۲۔ وقعۃ الطف، ص ۱۷۱ و ۱۷۲
۳۔ صاحبی، محمد جواد، احیای ارزش ہا در نہضت عاشورا، ص ۱۲۳
۴۔ ابن ابی حدید، عزالدین ابوحامد عبدالحمید، شرح نہج البلاغہ (جلد ۳)، ص ۶۳
۵۔ وقعۃ الطف، ص ۱۹۲

اسیران اہلبیت کی روایتیں: واقعہ کربلا کے بعد اہلبیت عصمت و طہارت کو قیدی بنا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے جایا گیا جن میں امام سجادؑ اور جناب زینب (س) بھی شامل تھیں۔ مقتل نگاروں نے امام سجادؑ کے بیانات کو بھی اپنے مقاتل کی زینت بنایا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔[۱] عقبہ بن سمعان لشکر امام حسینؑ میں ایک غلام تھا جسے بعد عاشورہ آزاد کر دیا گیا۔ابی مخنف نے عقبہ بن سمعان کی روایتوں کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ بعد کے مقتل نگاروں نے بھی اس کی روایتوں سے استفادہ کیا ہے۔[۲]

امام حسنؑ کے دو فرزند بھی اسیران کربلا کے قافلہ میں شامل تھے جن میں سے ایک کا نام حسن مثنی ہے۔انہوں نے عاشورہ کے روز بڑی بہادری سے دشمن سے جنگ کی اور اتنا زخمی ہوئے کہ دشمن نے انہیں مردہ سمجھ لیا لیکن وہ زندہ رہے اور اسیر ہوئے[۳]۔ ضحاک بن عبداللہ بھی لشکر امام حسینؑ میں شامل تھے جنہوں نے آخری لمحے تک جنگ کی لیکن شہید نہیں ہوئے اور دشمن کے ہاتھوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ان کا شمار واقعہ عاشورہ کے اہم راویوں میں ہوتا ہے اور ابی مخنف نے ان سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں[۴]۔

طبری نے واقعہ کربلا کو ابی مخنف کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔[۵]

مقتل نگاروں نے جناب زینب (س) اور جناب ام کلثوم (س) کے بیانات کو بھی کتابوں میں نقل کیا ہے۔[۶] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسیران کربلا نے مختلف مواقع پر واقعہ کربلا اور امام حسینؑ کی مظلومیت کو لوگوں کے لئے بیان کیا ہے۔

قرآن کریم نے تاریخ کے مطالعہ اور اس سے عبرت حاصل کرنے پر تاکید کی ہے اور اسی وجہ سے مسلمان مؤلفین نے تاریخی واقعات کو قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔امام علیؑ نے نہج البلاغہ کے خط نمبر ۳۱ میں امام

۱۔ وقعۃ الطف، ص ۱۹۲
۲۔ قتال نیشابوری، محمد بن احمد، روضۃ الواعظین، ص ۲۹۷؛ حلی، علی بن داود، کتاب رجال، ص ۳۹
۳۔ احیای ارزش ہا در نہضت عاشورا، ص ۱۲۰
۴۔ ایضاً
۵۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری (جلد ۷)، ص ۳۰۰۸
۶۔ کتاب رجال، ص ۹۹

حسنؑ کو خطاب فرماتے ہوئے علم تاریخ پر توجہ دینے پر تاکید کرتے ہیں۔ عبیداللہ بن ابی رافع حضرت علیؑ کے کاتب تھے اور جنگ جمل، صفین اور نہروان میں پیش آنے والے واقعات کو انہوں نے قلمبند کیا ہے۔[1]

شیعہ مورخوں نے سیرہ نبویؐ اور ائمہ اطہارؑ کے دور کے واقعات کو ذہن میں رکھتے ہوئے تاریخ نگاری کا آغاز کیا اور واقعہ کربلا اور عاشورہ کو زندہ رکھنے اور اسے آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا خاص اہتمام کیا۔ یہاں پر ہم ہجرت کے بعد کی پہلی دو صدیوں کے مشہور مقتل نگاروں کی فہرست پیش کرتے ہیں:

اصبغ بن نباتہ:

اصبغ بن نباتہ المجاشعی التمیمی الحنظلی امام علیؑ کے قریبی صحابیوں میں سے تھے جنہوں امام علیؑ کی روایتوں کو بھی نقل کیا ہے۔ بعض محققین نے آپ کو امام حسنؑ کے صحابہ میں شمار کیا ہے۔[2] آپ واقعہ عاشورہ کے پہلے مورخ ہیں اور آپ کی کتاب اس سلسلہ کی پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے۔ نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں ان کے بارے تحریر کیا ہے:

> "کان من خاصة امیر المؤمنین و عمر بعده۔ ترجمہ: وہ امام علیؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے اور آپ کے بعد بھی قید حیات میں تھے۔"

شیخ طوسی ان کے بارے اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> "روی عهد مالک بن الاشتر (الذی عهده الیه امیرالمؤمنین لما ولاه مصر و روی)وصیة امیر المؤمنین الی ابنه محمد بن الحنفیه۔ ترجمہ: اصبغ بن نباتہ نے عہد نامہ مالک اشتر (جنہیں امام علیؑ نے والی مصر بنایا تھا) اور محمد بن حنفیہؒ کے نام امام علیؑ کی وصیت کی روایت کی ہے۔"

۱۔ زین العابدینی، رمضان، تاریخ نگاران و مکتب ہای تاریخ نگاری در اسلام، ص ۱۲۶
۲۔ خوئی، سید ابوالقاسم، معجم الرجال الحدیث (جلد ۳)، ص ۲۲۳

اصبغ بن نباتہ نے مقتل ابی عبداللہ الحسینؑ نامی کتاب تحریر کی ہے۔ابوالفرج اصفہانی نے واقعہ کربلا سے متعلق اپنی کتاب مقتل الطالبین میں اصبغ بن نباتہ کے بیٹے قاسم بن اصبغ سے روایت نقل کی ہے۔[۱] آپ کی یوم پیدائش اور وفات کے سلسلہ میں تاریخی کتابیں خاموش ہیں۔

جابر بن یزید ابوعبداللہ الجعفی

جابر بن یزید امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے صحابی اور فقیہ، مفسر و مورخ ہیں اور شیخ طوسی کی رائے کے مطابق آپ کا تعلق قبیلہ ازد سے ہے۔آپ نے امام محمد باقرؑ سے علم تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔[۲] شیعہ بزرگان دین کی آپ کو تائید حاصل رہی ہے۔نجاشی آپ کے بارے میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> "لقی اباجعفر و اباعبدالله (علیهما السلام) و مات فی ایامه سنة ثمان و عشرین و مئة۔ترجمہ: ابا جعفر اور ابا عبداللہ سے ملاقات ہوئی اور ابا عبداللہ کے دور میں سنہ ۱۲۸ ہجری میں انتقال ہوا۔"[۳]

جابر بن جعفی کی صلاحیت اور ائمہ کے نزدیک آپ کی مقبولیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے کئی روایتوں میں آپ پر رحمت بھیجی اور فرمایا: روایات کے نقل کرنے میں جابر صادق اور موثق ہیں[۴]۔

آپ نے الجمل، کتاب صفین، نہروان، مقتل امیر المؤمنین اور مقتل الحسین نامی مقاتل تحریر کیا ہے۔[۵] شعبہ نامی مشہور سنی عالم دین نے ان کو موثق جانا ہے اور ان سے روایتیں نقل کی ہیں[۶]۔نصر بن مزاحم اور ابن ابی الحدید نے بھی ان کی کتابوں سے کچھ روایتوں کو نقل کیا ہے[۷]۔فؤاد سزگین نے

۱۔اصفہانی، ابوالفرج، مقتل الطالبین، ص ۱۴۲

۲۔ نجاشی، ابوالعباس، رجال نجاشی، ص ۱۲۹؛ تفرشی، مصطفی، نقدالرجال (جلد ۱)، ص ۳۲۵

۳۔ ایضاً

۴۔کتاب الرجال، ص ۸۰

۵۔ رجال نجاشی، ص ۱۲۹

۶۔ امین، سید محسن، دایرۃ المعارف شیعہ، ص ۱۳۶

۷۔ ناجی، محمد رضا، تاریخ وتاریخ نگاری، ص ۸۳

اپنی کتاب التراث العربی میں ان کو شیعہ مفسروں اور مورخوں میں شمار کیا ہے اور ان کی وفات کو ۱۲۸ یا ۱۲۹ ہجری میں بتایا ہے۔[1]

لوط بن سعید بن مخنف بن سلیم ازدی

ابی مخنف امام علیؑ کے صحابی تھے جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ سے بھی کچھ روایتیں نقل کی ہیں[2]۔آپ کا شمار عصر اموی کے شیعہ مورخوں میں ہوتا ہے اور حضرت علیؑ اور ان کی آل اطہارؑ سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ بعض محققین نے آپ کو امام جعفر صادقؑ کے صحابہ میں شمار کیا ہے[3]۔ شیخ طوسی نے اپنی کتاب الفہرست میں ان کے والد کو امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ابی مخنف کی کتابوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو شیعہ بتایا گیا ہے لیکن بعض علمائے رجال نے ان کے شیعہ ہونے کے سلسلہ میں خاموشی اختیار کی ہے۔[4]

ابومخنف کے دادا مخنف بن سلیم رسول خداؐ کے صحابی اور راوی حدیث تھے۔حضرت علیؑ کے دور خلافت میں ابومخنف آپ کے اصحاب میں شامل ہوئے اور جنگ جمل میں آپ کے ہمرکاب رہے ۔ ابومخنف کی وفاداری کو نظر میں رکھتے ہوئے امام علیؑ نے آپ کو ہمدان واصفہان کا والی منتخب کیا[5]۔ابومخنف کربلا میں موجود نہیں تھے لیکن واقعہ توابین میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔اہلسنت مورخ ابن عدی نے ابومخنف کو افراطی شیعہ بتایا ہے[6] لیکن ان کے علاوہ دیگر علمائے اہل سنت نے ان کے بارے اس طرح کا بیان نہیں دیا ہے۔[7]

۱۔ سزگین، فواد، تاریخ التراث العربی، ص ۱۲۶

۲۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست، ص ۵۷

۳۔ تفضلی، آذر، فضائل جوان، ص ۱۴۱؛ رجال نجاشی، ص ۳۲۰

۴۔ یاوری، جواد، تاریخ نگاری عاشورا شیعیان از آغاز تا پایان قرن پنجم ہجری، ص ۱۵

۵۔ زرگری نژاد، غلامحسین، نہضت امام حسین وقیام کربلا، ص ۸

۶۔ جعفریان، رسول، تاملی در نہضت عاشورا، ص ۱۷

۷۔ یوسفی غروی، ہادی، اولین تاریخ کربلا ترجمہ مقتل الحسین، ص ۳۴

ابی مخنف نے ۲۹ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے بعض اہم کتابوں کے نام اس طرح ہیں: مقتل محمد بن ابی بکر، مقتل الاشتر، مقتل محمد بن حذیفہ، مقتل حجر بن عدی، مقتل علی و مقتل الحسین[۱]۔ ابی مخنف نے اپنی کتاب مقتل الحسین میں واقعہ کربلا میں موجود افراد نیز خاندان عصمت و طہارت کے افراد سے روایتیں نقل کی ہیں۔ مقتل الحسین کی خاص بات یہ ہے کہ ابو مخنف نے ایک ہی واقعہ کے لئے مختلف روایات کو نقل کیا ہے۔ در حقیقت انہوں نے کسی بھی قومی یا فرقہ وارانہ تعصب کے بغیر واقعہ عاشورہ کو نقل کیا ہے۔[۲]

ابو عبداللہ جعفر بن عفان طائی (۱۵۰ ہجری)

ابو عبداللہ طائی امام صادقؑ کے دور کے شیعہ شاعر اور مرثیہ نگار ہیں جو کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے امام صادقؑ کی خدمت میں امام حسینؑ کے سوگ میں ایک مرثیہ پڑھا اور امامؑ نے گریہ کرتے ہوئے فرمایا: اے جعفر! اللہ تعالی نے تم پر جنت واجب کر دی[۳]۔ آپ دوسری صدی ہجری کے مقتل نگار ہیں جنہوں نے نظم و نثر میں واقعات کربلا کو قلمبند کیا ہے[۴]۔ آپ نے المراثی نامی ایک دوسری کتاب بھی تحریر کی تھی۔[۵]

منابع و مآخذ:

- ❖ نہج البلاغہ
- ❖ ابن ابی الحدید، عزالدین ابو حامد عبد الحمید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، ۱۳۷۸ق
- ❖ ابن طاووس، علی بن موسی، لہوف، ترجمہ محمد طاہر دزفولی، انتشارات مومنین، قم، ۱۳۸۶ش

۱۔ رجال نجاشی، ص ۳۲۰
۲۔ نہضت امام حسین و قیام کربلا، ص ۱۸
۳۔ تاریخ چہارده معصومین، ص ۵۲۳؛ گرمارودی، سید محمد صادق، فرہنگ عاشورا، ص ۷۳
۴۔ کشی، ص ۲۸۹
۵۔ تاریخ نگاری عاشوراشیعیان از آغاز تا پایان قرن پنجم ہجری، ص ۱۴

❖ ابن قولویہ، جعفر بن محمد ، کامل الزیارات، ترجمہ محمد جواد ذہنی تہرانی، انتشارات ابن سینا، تہران ،۱۳۷۷ ش
❖ ابن نما حلی، جعفر بن محمد، مثیر الاحزان، مدرسہ امام مہدی (عج)، قم، ۱۴۰۶ق
❖ ابو مخنف کوفی، لوط بن یحییٰ ، وقعۃ الطف، ترجمہ جواد سلیمانی ، تصحیح محمد ہادی یوسفی غروی، موسسہ آموزشی پژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۰ش
❖ اخوان رستمی، بتول، تاریخ نگاری عاشورا وگسترۂ آن در تاریخ حدیث شیعہ، محلاتی، تہران: انتشارات جہاد دانشگاہی، ۱۳۸۹ش
❖ امین ، سید محسن، دایرۃ المعارف شیعہ (ترجمہ اعیان الشیعہ) ، ترجمہ کمال موسوی، اسلامیہ، قم ، ۱۳۴۵ش
❖ موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، مجموعہ مقالات کنگرہ بین المللی امام خمینیؒ وفرہنگ عاشورا، انتشارات موسسۂ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۷۵ش
❖ التفرشی، مصطفیٰ، نقد الرجال، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام، قم، ۱۴۱۸ق
❖ جعفریان، رسول، تاملی در نہضت عاشورا، چاپخانۂ اعتماد، قم، ۱۳۸۶ش
❖ حلی، علی بن داود، کتاب رجال، انتشارات چاپخانہ دانشگاہ تہران، ۱۳۴۲
❖ خوئی، سید ابوالقاسم، معجم الرجال الحدیث، مرکز نشر آثار شیعہ، قم، ۱۴۱۰ق
❖ داداش نژاد، منصور، تاریخ نگاری شیعیان در سدہ ھای نخستین، نامہ تاریخ پژوھان، سال سوم، شمارہ دہم، ۱۳۸۶ش
❖ رنجبر، محسن، عاشورا در آینہ آمار وارقام، فصلنامہ تاریخ در آیینہ پژوہش، شمارہ ۱۰، ۱۳۸۴ش
❖ زرگری نژاد، غلام حسین، نہضت امام حسین وقیام کربلا، انتشارات سمت، تہران، ۱۳۸۳ش
❖ زین العابدین ، رمضان ، تاریخ نگاران ومکتب ھای تاریخ نگاری در اسلام، انتشارات چاپخش، تہران ، ۱۳۸۸ش
❖ سزگین فواد، تاریخ التراث العربی، انتشارات مطبعہ بھمن، قم، ۱۴۱۲ق

❖ شہر ستانی، صالح ،اشکوارہ کربلا بررسی تاریخ عزاداری و گریہ بر امام حسینؑ اززمان آدم تا زمان ما، انتشارات قیام، قم، ۱۳۸۲ش
❖ صاحبی، محمد جواد، احیای ارزش ھادر نہضت عاشورا، انتشارات بوستان کتاب، قم، ۱۳۹۰ش
❖ ضیایی، سید عبدالحمید، جامعہ شناسی تحریفات عاشورا، انتشارات ہزارہ ققنوس، تہران، ۱۳۸۷ش
❖ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری یا تاریخ الرسل والملوک، ترجمہ ابو القاسم پاینده، انتشارات اساطیر، تہران، ۱۳۶۲ش
❖ طوسی، محمد بن حسن، رجال، انتشارات الحیدریہ، نجف، ۱۳۸۱ش
❖ طوسی، محمد بن حسن، الفہرست، انتشارات المکتبۃ المرتضویہ، نجف
❖ فتال نیشابوری، محمد بن احمد، روضۃ الواعظین، ترجمہ مہدوی دامغانی، نشرنی، تہران، ۱۳۶۶
❖ فردوسی، وحید الویری، محسن، تحلیل کارکرد ارتباطی رجزہای یاران امام حسینؑ در قیام عاشورا، فصلنامہ مطالعات فرہنگ ارتباطات، شمارہ ۶۷، ۱۳۹۵
❖ کوفی، محمد بن علی بن اعثم، الفتوح، ترجمہ احمد مستوفی ہروی، غلامرضا طباطبایی مجد، انتشارات انقلاب اسلامی، تہران، ۱۳۷۲ش
❖ گرمارودی، سید محمد صادق ودیگران، فرہنگ عاشورا، انتشارات وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۸۶ش
❖ مجلسی، محمد باقر، تاریخ چہارده معصوم، انتشارات سرود، ۱۳۷۳ش
❖ محرمی، غلام حسین، تاریخ تشیع از پیدائش تا پایان غیبت صغری، انتشارات مرکز نشر ہاجر، قم، ۱۳۸۶ش
❖ ناجی، محمد رضا ودیگران، تاریخ وتاریخ نگاری، انتشارات کتاب مرجع، تہران، ۱۳۸۹ش
❖ نجاشی، ابوالعباس، رجال نجاشی، موسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعۃ المدرسین، ۱۴۰۷ق
❖ یاوری، جواد، تاریخ نگاری عاشورا شیعیان از آغاز تا پایان قرن پنجم ہجری، تاریخ اسلام، سال ہشتم، زمستان ۸۶، شمارہ ۳۲، ۱۳۸۶ش

❖ یعقوبی ، احمد بن اسحاق، تاریخ یعقوبی ، ترجمہ محمد ابراہیم آیتی، انتشارات علمی وفرہنگی، تہران، ۱۳۸۲ش
❖ یوسفی غروی، ہادی، اولین تاریخ کربلا ترجمہ مقتل الحسین، ترجمہ علی کرمی، دارالکتاب، قم، ۱۳۷۸ش

امامت کے دفاع میں امام حسینؑ کے احتجاج

تالیف: ڈاکٹر محمد رنجبر حسینی
ترجمہ: شبیہ عباس خان

اپنے عقائد اور مکتب کے دفاع اور اس کی تبلیغ وترویج کا ایک راستہ احتجاج و مناظرہ ہے۔ اسی لئے ائمہ معصومینؑ کے تبلیغی شیوہ میں آپ کے وہ احتجاجات بھی شامل ہیں جو آپ اپنے مخالفین کے مقابل کرتے تھے۔ امام حسینؑ کا دور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ امام حسینؑ نے جب معاویہ اور دوسرے معاندین کی طرف سے مکتب امامت کو خدشہ دار ہوتا دیکھا تو آپ نے متعدد مناظرے اور احتجاجات کے ذریعے سے اصل امامت کا دفاع کیا۔

احتجاج و مناظرہ تبلیغ کا ایک طریقہ ہے۔ اگر احتجاج و مناظرے میں اصول و ضوابط اور حالات کی رعایت کی جائے تو حق کی دعوت دینے اور با مقصد تبلیغی فرائض کو انجام دینے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اہلبیت علیہم السلام علوم الہی کا حقیقی سرچشمہ اور اس سے فیضیاب ہونے کا بہترین ذریعہ ہیں لہذا آپ کے مناظرات اور احتجاجات کا گہرائی سے مطالعہ، دین کی صحیح معرفت اور اس کے دفاع کے لئے نہایت ضروری ہے۔

دین اسلام کی تبلیغ وترویج کے لئے قرآن مجید نے واضح طور پر تین طریقے بیان کئے ہیں۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔

ترجمہ: آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دیں اور ان سے اس طریقہ سے بحث کریں جو بہترین طریقہ ہے کہ آپ کا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بہک گیا ہے اور کون لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔[۱]

خداوند متعال نے دین حق کی دعوت دینے کے لئے حکمت اور موعظہ حسنہ کو معیار قرار دیا ہے، اور جدال احسن کو صرف شبہات کے جواب دینے اور سامنے والے کو قانع کرنے کے لئے جائز قرار دیا ہے۔[۲]

پورے یقین سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی دین و مذہب میں اسلام جیسی فکری آزادی اور اظہار عقیدے کی اجازت نہیں ہے تاکہ مخالف جماعت کھل کر اپنے عقائد و نظریات کا اظہار کرسکے اور ایک علمی بحث و مباحثہ کے لئے اپنی زبان کھول سکے اور اپنی مرضی سے کسی نظریے کو قبول یا رد کرسکے۔

پیغمبر اسلامؐ کی حیات طیبہ اور اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جب آپ کے مخالفوں نے باقاعدہ آکر آپ سے بحث و مناظرہ کیا ہے، اسلام کے اصول و فروع پر تنقید کی ہے اور بے جھجک اپنے باطل خیالات کا اظہار کیا ہے، اور آپ حضرات نے بلا کسی ناراضگی اور بغیر کسی توہین کے ان کے اعتراضات و تنقیدات کا معقول و مقبول جواب پیش کیا ہے۔[۳]

اس تحریر میں امام حسینؑ کے ان مناظرات و احتجاجات کا جائزہ لیا جائے گا جو مکتب امامت سے متعلق ہیں۔ مثال کے طور پر معاویہ بن ابوسفیان کے نام آپ کے خطوط یا آپ کا وہ خطبہ جو میدان منیٰ میں اصحاب و تابعین کی ایک جماعت کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا۔

امام علیہ السلام نے اپنے احتجاجات و مناظرات کے ذریعہ باطل کا مقابلہ کیا اور مکتب امامت کی تعلیمات کی تشریح کرتے ہوئے اسے فراموش ہونے سے بچایا، لہٰذا مکتب امامت کو سمجھنے اور اس کا دفاع کرنے کے لئے ان احتجاجات و مناظرات کا گہرائی سے مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس مقالے

۱۔ سورہ نحل، آیت نمبر ۱۲۵
۲۔ دیلمی، حسن بن محمد، ارشاد القلوب، ص ۳۱
۳۔ محمدی ری شہری، محمد، مناظرہ و گفتگو در اسلام، ص ۱۱

میں امامؑ کے احتجاجات و مناظرات کی تشریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ان احتجاجات میں عقل و منطق کا کردار واضح ہوسکے اور اسی طرح حق و حقیقت کے طلبگاروں اور امامت و ولایت کی حرمت کے پاسداروں کے لئے مشعل راہ بن سکے۔

امام حسینؑ کے احتجاجات کی خصوصیات

امام حسینؑ کے احتجاجات کی خصوصیات سے مراد آپ کی وہ خاص روش واسلوب ہے کہ جس کے ذریعہ آپ نے مکتب امامت کے مخالفوں کو جواب دیتے ہوئے انہیں قانع کرنے کی کوشش کی ہے۔

گفتگو میں صراحت و قاطعیت: امام حسینؑ اپنے اصولی موقف کا پورے یقین کے ساتھ اعلان کرتے تھے اور امامؑ کا اس طرح پورے یقین و اعتماد کے ساتھ اپنے موقف کا اعلان کرنا، سننے والوں کو یقین سے بالکل نزدیک کردیتا تھا اور ہر طرح کے شکوک و شبہات کو ان کے ذہنوں سے زائل کردیتا تھا۔ امام حسینؑ نے کبھی بھی شک و تردید کے ساتھ اپنے موقف کو بیان نہیں کیا بلکہ آپ ہمیشہ واضح اور صریح لفظوں میں اپنے مقصد کو بیان کرتے تھے۔

مروان نے معاویہ کو خط لکھا کہ عراق و حجاز میں بسنے والے قبیلوں کے سردار، حسین بن علیؑ کے یہاں رفت وآمد کررہے ہیں اور امام حسینؑ کے قیام و شورش سے ہم لوگ محفوظ نہیں ہیں۔ اس کے بعد معاویہ نے امام حسینؑ کو خط لکھا تو آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

> "میرے بارے میں تمہیں وہ باتیں بتائی جارہی ہیں جس کی مجھے ذرہ برابر بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے ان میں دلچسپی ہے ... میرے بارے میں تجھے جو خبر دی گئی ہے وہ تیرے پست اور حقیر جاسوسوں کی من گڑھت کہانیاں ہیں۔ فی الحال جنگ کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے (امام حسنؑ کی صلح کی خاطر)۔ اگرچہ ایسا نہ کرنے پر میں اللہ سے خائف ہوں اور امید ہے تمہارے اور تمہارے سیاہ بخت ساتھیوں کے متعلق جو ایک ظالم جماعت اور شیطان کے چیلے ہیں، اللہ ہمارے عذر کو قبول کرے گا"۔[۱]

۱۔ طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج علی اہل اللجاج، ص ۲۹۷

امام حسینؑ کا اتنی شجاعت و صراحت سے اپنے بر حق ہونے کا اظہار کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ امام علیہ السلام اپنے مد مقابل سے قطعی خوف زدہ نہیں تھے اور گھما پھرا کر بات کرنے کے عادی نہ تھے۔ جیسا کہ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کو شیطان کا شاگرد کہتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میرے صبر کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے میرے بھائی سے صلح کا عہد و پیمان کیا ہے اور پیمان شکنی ہمارا شیوہ نہیں ہے، لہٰذا فی الحال میں قیام سے صرف نظر کرتا ہوں۔ امام حسینؑ در حقیقت صحیح وقت یعنی معاویہ کی موت کے منتظر تھے۔

امام حسینؑ کی قاطعیت کا ایک اور نمونہ معاویہ کے خط کے جواب میں نظر آتا ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

> "تم نے اپنے خط میں کہا کہ میں اپنا، اپنے دین کا اور امت محمدی کا خیال کروں اور اس امت کی سرکشی و پراگندگی سے بچوں کہ یہ لوگ تمہیں کسی فتنے میں نہ ڈال دیں۔ میری نظر میں تمہاری ولایت و رہبری سے بڑا کوئی اور فتنہ نہیں ہے۔ میرے، میرے بچوں اور میرے جد کی امت کے لئے تجھ سے جہاد کرنے سے بہتر کوئی کام نہیں ہے اگر میں نے ایسا کیا تو میرا ہدف صرف تقرب الٰہی ہوگا اور اگر میں نے اسے ترک کیا تو بارگاہ الٰہی میں اس کے لئے استغفار کروں گا اور ہدایت کی درخواست کروں گا۔"[1]

امام علیہ السلام پوری شجاعت و صراحت کے ساتھ معاویہ کو لکھتے ہیں کہ میری نظر میں تیری حکومت سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے اور میرے اور میرے بچوں کے لئے اور اسی طرح پوری امت کے لئے تجھ سے جہاد کرنے سے بہتر کوئی کام نہیں ہے۔ امامؑ اس طرح معاویہ کے سامنے بے جھجک اپنے خیالات کا اعلان کرتے ہیں اور آپ کے کلام میں ذرہ برابر لچک نہیں ہے۔

اسی خط میں امام حسینؑ آگے تحریر فرماتے ہیں:

> "اے معاویہ! تو نے اپنے خط میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر میں تیرا انکار کروں تو تو بھی میرا انکار کریگا اور اگر تیرے ساتھ فریب کروں تو تو بھی وہی چال چلے گا، لیکن تو جب

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج، ص ۹۰ و ۲۹۷ و ۲۹۸

سے اس دنیا میں آیا ہے، تب سے نیک لوگوں کے ساتھ فریب کرنے کے سوا تو نے کیا کیا ہے؟ تو جتنا دل چاہے ہمارے بارے میں فریب کر لے کیونکہ مجھے امید ہے اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ اس کا سب سے زیادہ نقصان خود تجھ کو ہی ہوگا کیونکہ تو دھوکے اور فریب کی سیاست سے اپنے دشمن پر ضرب لگاتا ہے اور تیری یہی حیلہ گری تجھے رسوا کر دیتی ہے۔

کیا تجھے یاد نہیں ہے کہ حجر بن عدی اور دیگر شیعوں کو قتل کرکے تو نے کس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پہلے تو ان سب کی جان بخشنے کا وعدہ کیا اور جب وہ تسلیم ہو گئے تو تو نے سب کو قتل کرا دیا۔ ان لوگوں کا گناہ کیا تھا؟ یہی نا کہ وہ ہم اہلبیت کے مناقب و فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے اس حق کو بیان کرتے تھے جس سے تو بھی بخوبی آگاہ ہے۔ تو نے صرف اس خوف کے باعث انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا کہ کہیں تیرے مرنے سے پہلے وہ کچھ کر نہ گزریں۔"

ان فقروں میں امام علیہ السلام کا اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے جس سے خود معاویہ بھی آگاہ و باخبر تھا لیکن اہلبیت سے دشمنی کی بنیاد پر اسے مانتا نہیں تھا۔ اس نے اہلبیت کے حق خلافت کو غصب کیا اور اپنی اس غصبی حکومت کو اسلامی رنگ دے کر لوگوں کی نظروں میں وہ اچھا بننا چاہتا تھا جب کہ اسلام کے خلاف کسی بھی جرم و جنایت کرنے سے وہ دریغ نہیں کرتا تھا اور سرانجام اپنی ان فریب کاریوں سے معاویہ نے خود کو تاریخ میں رسوا کر ڈالا۔

مد مقابل سے اپنی حقانیت کا اعتراف کروانا: کبھی کبھی مد مقابل سے اپنی حقانیت کا اقرار لیا جاسکتا ہے یعنی مناسب استدلال اور معقول طرز گفتگو سے اپنے مد مقابل کو اعتراف کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مد مقابل کے اقرار کو دستاویز بنا کر اپنے نظریات کی بالادستی کو ثابت کرسکتے ہیں یا مد مقابل کے باطل عقیدے کو رد کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر مد مقابل کسی مجمع میں اپنی گفتگو کے دوران لفّاظی سے اپنے باطل عقیدے کو حق کا رنگ دے رہا ہو، تو ایسے موقع پر اس سے اپنی حقانیت کا اعتراف کرا لینا سب سے بڑی کامیابی ہے۔

امام علیہ السلام کے نہایت اہم اور تاریخی خطبوں میں سے ایک خطبہ وہ ہے جسے آپ نے میدان منیٰ میں ارشاد فرمایا۔ آپ سنہ ۵۸ ہجری میں یعنی مرگ معاویہ سے دو سال قبل حج بیت اللہ الحرام کے ارادے سے مکہ مکرمہ آئے۔ اس سفر میں عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ امام علیہ السلام نے اپنے چاہنے والے تمام مردوں اور عورتوں کو جمع کیا اور پیغمبرؐ کے سارے اصحاب اور ان کے فرزندان و تابعین کو بھی دعوت دی اور اسی طرح گروہ انصار کے ہر اس فرد کو بلایا جو عبادت اور پرہیزگاری میں معروف تھا۔ مختصر یہ کہ ایک ہزار سے زائد لوگوں کو آپ نے سرزمین منیٰ پر اکٹھا کیا۔[1]

امام حسینؑ نے اصحاب و انصار کے مجمع سے بہت سی چیزوں کا اقرار لیا اور ان کے ان اعترافات کو بھی انہیں یاد دلایا جو اس سے قبل وہ کر چکے تھے۔ اس طرح امامؑ نے حج کے موقع پر بڑی خوبصورتی سے اپنی حقانیت اور امامت کے مقام کو استحکام بخشا۔ آپ نے فرمایا:

> "مجھے آپ لوگوں سے کچھ پوچھنا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا جواب دیجئے۔ اگر میں صحیح کہہ رہا ہوں تو میری تصدیق کیجئے ورنہ مجھے جھٹلا دیجئے۔"

پھر آپ نے فرمایا:

> اَتَعْلَمُون اَنَّ رَسُولَ اللہ قَالَ فِی آخر خطبةٍ خَطَبَها: اِنّی تَرَکْتُ فِیکُمُ الثِّقْلَیْنَ کِتَابَ اللہِ وَ اَهْلِ بَیتِی ، فَتَمَسَّکُوا بِهِما لَنْ تَضَلُّو؟ ۔ترجمہ: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہؐ نے اپنے آخری خطبہ میں مسلمانوں سے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میرے اہل بیت۔ اگر ان دونوں سے متمسک رہوگے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے۔"[2]

۱۔ صفائی حایری، عباس، تاریخ سید الشہدا، ص ۲۶؛ الاحتجاج علی اہل اللجاج ص ۲۹۶
۲۔ شریفی، محمود، فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۰۳-۳۰۹؛ نجمی، محمد صادق، خطبہ حسین بن علی در منی، ص ۶۶

قَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَم۔ترجمہ: سب نے ایک زبان ہو کر کہا خدا کو گواہ بنا کر ہم کہتے ہیں کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔

سلیم بن قیس کہتے ہیں:

"حسین بن علیؑ نے اس کے علاوہ بھی بہت سے فضائل جو مولائے کائنات اور ان کے اہلبیت کے بارے میں قرآن میں نازل ہوئے تھے یا رسول خداؐ کی زبانی سنا تھا، اسے لوگوں کو یاد دلایا جس پر مجمع میں حاضر رسول خداؐ کے اصحاب نے کہا: ہاں! خدا کی قسم ہم نے اس کو پیغمبرؐ سے سنا ہے اور تابعین (وہ لوگ جنہوں نے رسول خداؐ کو نہیں دیکھا تھا) نے کہا کہ ہم نے بھی اس فضیلت کو فلاں مورد اعتماد صحابی سے سنا ہے۔"[۱]

امامؑ نے اصحاب و تابعین کے مجمع میں اس طرح کے سوالات کرکے اور پھر حاضرین سے اپنے بیانات کی تصدیق لے کر مسئلہ خلافت میں اپنی حقانیت کو ثابت کر دیا۔

البتہ اس بات کی طرف بھی دھیان دینا چاہئے کہ مناظرے میں ضروری نہیں ہے کہ ہمارا مد مقابل ہمارا دشمن ہی ہو بلکہ ممکن ہے ایسے افراد ہوں جو دشمن شمار نہ کئے جاتے ہوں لیکن پھر بھی ضرورت ہے کہ ان کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ ہو تاکہ اگر ان کے ذہنوں میں کوئی شک و شبہہ ہو تو زائل ہو سکے یا اگر کسی مسئلے کے بارے میں وہ نہیں جانتے تو انہیں اس کی حقیقت سے آگاہ کیا جاسکے۔

صحیح وقت کی تلاش: اس کا مطلب یہ ہے کہ مناظرے میں مد مقابل کی گفتگو اور استدلال کو خود اسی کے خلاف استعمال کیا جائے۔

"عَنْ صَالِحِ بنِ كَيْسَانَ قَالَ لَمَّا قَتَلَ مُعَاوِيَةُ حُجْرَ بْنَ عَدِيٍ وَ اَصْحَابَهُ حَجَّ ذَلِکَ الْعَامَ فَلَقِيَ الْحُسَينَ بْنَ عَلِيٍ فَقَالَ يَا اَبَاعَبْدِاللهِ! هَلْ بَلَغَکَ مَا صَنَعْنَا بِحُجْرٍ وَ اَصْحَابِهِ وَ اَشْيَاعِهِ وَ شِيعَةِ اَبِيکَ؟فَقَالَ وَ مَا صَنَعْتَ بِهِم؟ قَالَ قَتَلْنَاهُم وَ كَفَّنَّاهُم وَ صَلَّيْنَا

۱۔ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۰۳؛ خطبہ حسین بن علی در منی، ص ۶۳

عَلَيْهِم، فَضَحِكَ الْحُسَينُ ثُمَّ قَالَ خَصَمَكَ الْقَومُ يَا مُعَاوِيَةُ لَكِنَّنَا لَو قَتَلْنَا شِيْعَتَكَ مَاكَفَّنَّاهُم وَ لَاصَلَّيْنَا عَلَيْهِم وَ لَاقبَرنَاهُم۔

ترجمہ: صالح بن کیسان سے منقول ہے کہ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد معاویہ اسی سال حج کے ارادے سے مکہ آیا۔ جب امام حسینؑ سے اس کا سامنا ہوا تو اس نے کہا: اے ابا عبداللہ! کیا تمہیں اس بات کی اطلاع ملی کہ میں نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نیز تمہارے باباکے شیعوں کے ساتھ کیا کیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے ان سب کو قتل کیا پھر انہیں کفن پہنایا اور پھر ان کے جنازے پر نماز بھی پڑھی۔ امامؑ نے مسکرا کے فرمایا پھر تو وہ لوگ تجھ سے جیت گئے، لیکن اے معاویہ! اگر میں تیرے مریدوں کو قتل کرتا تو نہ انہیں کفن دیتا نہ ان پر نماز پڑھتا اور نہ انہیں دفن کرتا۔[۱]"

امامؑ نے اپنی اس گفتگو میں معاویہ کی کہی ہوئی باتوں سے ہی یہ ثابت کر دیا کہ در حقیقت نہ تو تم خود مسلمان ہو اور نہ ہی تمہارے چاہنے والے، لہٰذا میں اگر انہیں قتل کرونگا تو نہ ان کی نماز جنازہ پڑھونگا اور نہ ہی انہیں دفن کرونگا۔

سوال پر سوال کرنا: مناظرے کا ایک اہم اور بنیادی طریقہ یہ ہے کہ مد مقابل کو جواب دینے اور استدلال کرنے پر مجبور کیا جائے۔ امام علیہ السلام نے میدان منیٰ میں موجود لوگوں سے فرمایا:

"تم لوگ طاغوت زمانہ معاویہ کے ان مظالم سے آگاہ ہو جو اس نے ہم پر اور ہمارے شیعوں پر کیئے ہیں اور اس کے ظلم و جبر کے گواہ رہے ہو۔ اب میں چاہتا ہوں کے تم سے اپنے باباکے بارے میں سوال کروں۔"[۲]

در حقیقت امامؑ اپنے مد مقابل سے سوال کرکے اس کو یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ اگر میری باتیں حق ہیں تو میری تصدیق کرو اور اگر حق نہیں ہیں تو ان کو رد کردو۔ آپ نے فرمایا:

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج، ص ۲۹۶-۲۹۷

۲۔ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۰۳؛ خطبہ حسین بن علی در منی، ص ۵۳

"اُنشدکم اللہ اَتعلمون ان رسول اللہ نصبه یوم غدیر خم فنادی له بالولایۃِ و قال لیبلّغ الشّاھدُ الغائب؟ قالوا اللّھم نعم۔۔اُنشدکم اللہ اَتعلمون اَنَّ رَسول اللہ قال له فی غزوۃ تَبوک:انت منی بِمنزلۃِ ھَارونَ مِن مُوسی وَ اَنت ولیُّ کُلِّ مُؤمنٍ بعدی؟ قالوا اللّھمّ نَعم۔۔۔اَتعلمون اَنّ رَسول اللہ بعثه ببرائۃٍ وَ قال لا یبلّغ عَنّی اِلّا اَنا اَو رجلٌ مِنّی ۔ قَالوا اللّھم نَعم۔

ترجمہ: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول نے علی کو غدیر خم میں ولایت کے منصب پر فائز کیا اور پھر اس واقعہ کو ان لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا جو وہاں موجود نہیں تھے؟ سب نے کہا: ہم خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ آپ صحیح فرمار ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جنگ تبوک کی طرف جاتے وقت رسول اللہؐ نے علیؑ سے فرمایا: اے علی! تمہاری اور میری نسبت ویسی ہی ہے جیسے ہارون کی نسبت موسی سے اور پھر فرمایا تم میرے بعد تمام مومنین کے ولی اور سرپرست ہو۔ سب نے پھر جواب دیا: ہم خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ آپ صحیح فرمار ہے ہیں۔"

آپ نے پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول خداؐ نے سورہ برائت کو علیؑ کے ذریعے مکہ تک پہنچایا اور فرمایا: میرے پیغام کو صرف میں یا وہ جو مجھ سے ہے وہی پہنچا سکتا ہے؟ سب نے پھر ایک مرتبہ کہا: خدا کو گواہ بنا کر ہم کہتے ہیں کہ آپ صحیح فرمار ہے ہیں۔[1]

مد مقابل کے نزدیک قابل قبول باتوں سے استناد: مناظرے اور گفتگو میں قابل غور بات یہ ہے کہ مد مقابل کے نزدیک قابل قبول باتوں سے استناد کیا جائے۔ دوران مناظرہ اگر طرفین اپنی اپنی باتیں کہیں لیکن ایک دوسرے کے منابع کو نہ مانیں تو پھر ایسی گفتگو کبھی کسی نتیجے تک نہیں پہنچے گی، لہٰذا کسی بھی گروہ سے مناظرے کرتے وقت، مثال کے طور پر مسلمانوں سے مناظرے کے دوران عقلی دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ، ان دلائل کا بھی استعمال ہونا چاہیے جو مد مقابل کے لئے قابل قبول ہو۔ (جیسے کلام خدا اور سنت و سیرہ نبوی جو تمام مسلمانان عالم کے نزدیک قابل قبول ہے)

۱۔ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۰۳؛ خطبہ حسین بن علی در منی، ص ۵۸

خطبہ منیٰ میں امام علیہ السلام نے واقعہ غدیر خم اور حضرت علیؑ کے ذریعے سورہ برائت کے پہنچائے جانے جیسے واقعات سے استناد کیا جو منیٰ میں موجود لوگوں کے نزدیک قابل قبول تھا اور اس طرح آپ نے اپنی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے مکتب امامت کا دفاع کیا۔

اپنا تعارف: احتجاج و مناظرے میں ضروری ہے کہ طرفین اپنے آپ کو اچھی طرح سے مد مقابل کو پہچنوائیں تاکہ اس کو پتہ چلے کہ اس کا مقابلہ کس سے ہے۔ امام حسینؑ جب معاویہ اور اس کے ساتھیوں کے درمیان خطبہ دے رہے تھے، تو ان میں سے ایک شخص نے سوال کیا: یہ کون ہے جو خطبہ دے رہا ہے؟ امام علیہ السلام نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا تعارف پیش کیا۔

> سَمِعَ رَجُلاً یَقُولُ مَنْ هَذَا الَّذِی یَخْطُبُ ؟ فَقَالَ الحُسَینُ نَحْنُ حِزْبُ اللهِ الغَالِبُونَ وَ عِتْرَةُ رَسُولِ اللهِ الاَقْرَبُون وَ اَهْلُ بَیْتِهِ الْطَّیِّبُونَ وَ اَحَدُ الثَّقَلَینِ اللَّذِین جَعَلَنَا رَسُولُ الِله ثَانِیَ کِتَابِ اللهِ تَبَارَکَ و تَعَالَی الَّذِی فِیهِ تَفْصِیلُ کُلِّ شَیءٍ لَا یَاتِیهِ البَاطِلُ مِنْ بَینِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهِ وَ الْمُعَوَّلُ عَلَیْنَا فِی تَفْسِیرِهِ لَا یُبْطِئُنَا تَاوِیلُهُ بَلْ نَتَّبِعُ حَقَائِقَه۔
>
> ترجمہ: ہم خدا کے غالب گروہ، رسول خداؐ کی سب سے قریبی عترت اور ان کے طیب و طاہر اہل بیت ہیں۔ ہم اُن دو قیمتی چیزوں میں سے ایک ہیں (حدیث ثقلین کی طرف اشارہ) جس کو رسول خداؐ قرآن کے بعد تمہارے پاس چھوڑ گئے۔ وہ کتاب جس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور جس میں نہ ہی آگے سے نہ ہی پیچھے سے کہیں سے بھی باطل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ قرآن جس کی تفسیر کی ذمہ داری ہم کو دی گئی ہے۔ جس کی ترجمانی سے ہم ہرگز نہیں تھکے بلکہ ہمیشہ حقائق کی تلاش میں ہیں۔[1]

قرآنی آیتوں سے استناد: امام حسینؑ نے اُس دور کے لوگوں کے سامنے اپنے احتجاجات میں اپنی حقانیت اور مکتب امامت کے دفاع کے لئے قرآنی آیتوں سے استناد کیا کیونکہ قرآنی آیات سبھی کے نزدیک قابل

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج، ص ۲۹۸

قبول تھیں اور ان آیتوں سے استناد کرنے پر لوگوں پر حقیقت آشکار ہو جاتی تھی اور ان کے پاس کسی طرح کا کوئی عذر و بہانہ نہیں بچتا تھا اور امامؑ اپنی حجت ان پر تمام کر دیتے تھے۔

مثال کے طور پر امام حسینؑ نے معاویہ اور اس کے ساتھیوں کے درمیان خطبہ دیتے وقت، اطاعت امام کی ضرورت کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی آیات سے استناد کرتے ہوئے فرمایا:

...فَاطِيعُونَا فَاِنَّ طَاعَتَنَا مَفْرُوضَةٌ اَنْ كَانَتْ بِطَاعَةِ اللهِ وَ رَسُولِهِ مَقْرُونَةً قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَ: أَطِيعُوا اللَّـهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّـهِ وَالرَّسُولِ ووَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّـهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا۔

ترجمہ: پس ہماری اطاعت کرو کہ ہماری اطاعت واجب ہے کیونکہ ہماری اطاعت در حقیقت خدا اور رسول کی اطاعت ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: خدا کا حکم مانو اور اس کے رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں پھر اگر آپس میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو (سورہ نساء، آیت ۵۹) حالانکہ اگر رسول اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو ان سے استفادہ کرنے والے حقیقت حال کا علم پیدا کر لیتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند افراد کے علاوہ سب شیطان کی اتباع کر لیتے۔ (سورہ نساء، آیت ۸۳)[1]

دوسرے مقام پر امامؑ ایک خط میں معاویہ کو تحریر فرماتے ہیں:

يَا مُعَاوِيَةُ بِقِصَاصٍ وَ اسْتَعِدَّ لِلْحِسَابِ وَ اعْلَمْ اَنَّ لِلّهِ عَزَّوَجَلَّ كِتَاباً لَايُغَادِرُ صَغِيرَةً وَ لَاكَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا وَ لَيْسَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى بِنَاسٍ اَخْذَكَ بِالظِّنَّةِ وَ قَتْلَكَ اَوْلِيَاءَهُ بِالتُّهْمَةِ وَ نَفْيَكَ اِيَّاهُمْ مِنْ دَارِالْهِجْرَةِ اِلَى الْغُرْبَةِ وَ الْوَحْشَةِ وَ

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج، ص ۲۹۹

اَخْذَکَ النَّاسَ بِبَیْعَةِ ابْنِکَ غُلَامٍ مِنَ الْغِلْمَانِ یَشْرَبُ الشَّرَابَ وَ یَلْعَبُ بِالْکِعَابَ لَا اَعْلَمُکَ اِلَّا قَدْ خَسَرْتَ نَفْسَکَ وَ شَرَیْتَ دِیْنَکَ وَ غَشَشْتَ رَعِیَّتَکَ وَ اَخْزَیْتَ اَمَانَتَکَ۔

ترجمہ: اے معاویہ! خود کو قصاص کے لئے آمادہ کر لو اور حساب کے لئے تیار ہو جاؤ۔ خبر دار ہو جاؤ کہ خدا کے پاس وہ کتاب ہے جس نے چھوٹے بڑے کسی کو نہیں چھوڑا مگر یہ کہ سب کو حساب کے لئے جمع کیا۔ خدا تمہارے اعمال سے ذرہ برابر بھی راضی نہیں ہے۔ ظن اور شک کی بنیاد پر کسی گروہ کو اسیر کرنا، خدا کے اولیاء پر الزام لگا کر ان کا قتل کرنا اور دار الھجرہ سے ان کو دیار غربت میں جلا وطن کرنا، اور لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ تیرے بیٹے سے بیعت کریں، وہی بیٹا جو شراب پیتا ہے اور جوا کھیلتا ہے۔ تم نے اپنے ان اعمال سے فقط خود کو نقصان پہنچایا ہے اور اپنے دین کا سودا کیا ہے اور اپنی رعیت کے ساتھ دھوکہ اور دغل کیا ہے اور اپنی امانت میں خیانت کیا ہے۔[1]

امام حسینؑ واضح طور پر آیات قرآنی اور حکم خدا سے استناد کر رہے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

لِّلَّـهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّـهُ۔ ترجمہ: اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کی کُل کائنات ہے, تم اپنے دل کی باتوں کا اظہار کرو یا ان پر پردہ ڈالو وہ سب کا محاسبہ کرے گا۔ وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا۔ وہ ہر شے پر قدرت و اختیار رکھنے والا ہے۔[2]

سنت و سیرت نبوی سے استناد: امام حسینؑ نے معاویہ اور اُس دور کے لوگوں کے سامنے اپنی حقانیت کے اثبات اور مکتب امامت کے دفاع کے لئے، پیغمبر اکرمؐ سے منقول روایات و احادیث سے استناد کیا کیونکہ

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج، ص ۲۹۸
۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۸۴

رسول اللہؐ کی روایات سب کے نزدیک قابل قبول تھیں اور ان روایات و احادیث سے استناد کرنے پر لوگوں پر حقیقت آشکار ہو جاتی تھی اور ان کے پاس کسی طرح کا کوئی عذر و بہانہ نہیں بچتا تھا اور امامؑ اپنی حجت ان پر تمام کر دیتے تھے۔ منیٰ کے خطبے میں امامؑ نے لوگوں سے فرمایا: کیا تم جانتے کہ رسول خداؐ نے اپنے آخری خطبے میں (مسلمانوں) سے فرمایا:

...اِنّی تارک فیکم اَمْرَینِ اِنْ اَخَذْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا کِتَابَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اَهْلَ بَیْتِی عِتْرَتی ، اَیُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوا وَ قَدْ بَلَّغْتُ اِنَّکُمْ سَتَرِدُونَ عَلَی الْحَوضِ فَاَسْاَلُکُم عَمَّا فَعَلْتُم فِی الثَّقلَینِ وَ الثَّقلَانِ کِتابُ اللهِ جَلَّ ذِکْرُهُ وَ اَهْلُ بَیتِی...[1]

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو قیمتی امانتیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت۔ ان دونوں سے متمسک رہنا کہ تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے (حدیث ثقلین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)۔ سب نے مل کر جواب دیا: خدا کو گواہ بنا کر ہم کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔[2]

امام حسینؑ نے لوگوں کے نزدیک مقبول احادیث نبوی سے استناد کرکے اپنی حقانیت اور مکتب امامت کا دفاع کیا۔ آپ حدیث غدیر اور حدیث منزلت کا مکرر طور پر اپنے خطبات میں حوالہ دیتے رہے اور لوگوں سے تصدیق کراتے رہے۔

نتیجہ:

امام حسینؑ نے اپنے احتجاجات کے ذریعے سے چاہے وہ مکتوبی شکل میں ہوں یا پھر خطبوں کی شکل میں، حق اور حقیقت کے متلاشی افراد کے لئے راہ کو بے راہے سے اور حق کو باطل سے جدا فرمایا۔ امام علیہ السلام نے مختلف موقعوں پر مکتب امامت کے اصولوں کا دفاع کیا۔ آپ کے ان احتجاجات میں ایسی منطق پائی جاتی ہے جو مد مقابل کو آپ سے متفق ہونے پر مجبور کرتی ہے اور کسی بھی قسم کے عذر و بہانہ کی کوئی گنجائش نہ چھوڑتے ہوئے حجت کو تمام کرتی ہے۔

۱۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، ص ۲۹۲، باب الاشارہ والنص علی امیر المومنین، حدیث ۳
۲۔ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۰۳؛ خطبہ حسین بن علی در منی، ص ٦٦

امام علیہ السلام نے اپنے کلام میں صراحت سے مد مقابل سے اقرار لینے، معقول سوالات ،مد مقابل کی نظر میں قابل استناد باتوں کا حوالہ دے کر، خود کو پہچنوا کر اور قرآنی آیات اور روایات نبوی سے استناد کرکے مکتب امامت کا دفاع کیا ہے۔

آپ کے احتجاجات کا یہ طریقہ اور یہ منطق ایک بہترین نمونہ ہو سکتا ہے ان سبھی لوگوں کے لئے جو مکتب امامت کے اصولوں کا دفاع کرنا چاہتے ہیں کیونکہ احتجاج اور مناظرے کو ایک خاص منطق کے سایہ میں ہونا ضروری ہے تاکہ اس احتجاج کا نتیجہ حاصل ہو اور اہل حق پر حق آشکار ہو جائے اور اہل شر پر حجت تمام ہو جائے۔

منابع و مآخذ:

- قرآن کریم
- ابن بابویہ، محمد بن علی، الأمالی (للصدوق)، کتابچی، تہران، ۱۳۷۶ش
- ابن بابویہ، محمد بن علی، ترجمہ عیون اخبار الرضاؑ، مترجم: حمید رضا مستفید و علی اکبر غفاری، نشر صدوق، تہران؛، ۱۳۷۲ش
- ابن فارس، احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغہ، ہارون، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۴۱۴ق
- ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، ۱۴۰۴ق
- بندر یگی، محمد، فرہنگ جدید عربی۔ فارسی انتشارات اسلامی، عمید، تہران، ۱۳۷۱ش
- پیشوائی، مہدی، ، سیمای پیشوایان در آیینہ تاریخ، موسسہ انتشارات دار العلم، قم، ۱۳۸۰ش
- جمالی، نصرت اللہ، روش گفتمان یا مناظرہ، مہدیہ، قم، ۱۳۸۶ش
- حسینی ہمدانی نجفی، محمد، درخشان پرتوی از اصول کافی، چاپخانہ علمیہ قم، ۱۳۶۳ش
- دیلمی، حسن بن محمد، ارشاد القلوب، ترجمہ رضایی، تہران، ۱۳۷۷ش

❖ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، ، ترجمہ و تحقیق مفردات الفاظ قرآن، مترجم: غلام رضا خسروی، محقق/ مصحح: غلامرضا خسروی حسینی، مرتضوی، تہران، ۱۳۷۴ش
❖ رنجبر حسینی، محمد، نیازی پور، راضیہ، روش شناسی مناظرات ہشام بن حکم در موضوع امامت، مجلّہ حدیث واندیشہ، شمارہ ۱۹، بہار وتابستان ۱۳۹۴ش
❖ سبحانی، جعفر، مناظرای معصومانؑ، توحید قم، ۱۳۹۲ش
❖ سجادی، سید جعفر، ، فرہنگ معارف اسلامی، انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۷۳ش
❖ شریف قرشی، شیخ باقر، زندگانی حضرت امام حسینؑ، بنیاد معارف اسلامی، ۱۳۸۰ش
❖ شریفی، محمود ودیگران، فرہنگ جامع سخنان امام حسینؑ، ترجمہ علی مؤیدی، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۸۲ش
❖ صفائی حائری، عباس، تاریخ سید الشہداءؑ، انتشارات مسجد مقدس جمکران، قم، ۱۳۸۲ش
❖ طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج علی اہل اللجاج، مشہد، ۱۴۰۳ق
❖ علامہ حلی، الباب الحادی عشر، مؤسسہ مطالعات اسلامی، تہران، ۱۳۶۵ش
❖ قرائتی، محسن، قرآن و تبلیغ، مرکز فرہنگی درس ہایی از قرآن، تہران، ۱۳۷۷ش
❖ قرشی، سید علی اکبر، قاموس قرآن، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۷۱ش
❖ قمی، شیخ عباس، ، منتہی الامال، نسیم حیات، قم، ۱۳۸۶ش
❖ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول الکافی، ترجمہ کمرہ ای، قم، ۱۳۷۵ش
❖ مجلسی، محمد تقی بن مقصود علی، ، لوامع صاحبقرانی مشہور بہ شرح فقیہ، مؤسسہ اسماعیلیان، قم، ۱۴۱۴ق
❖ محدثی، مہدی، ردپای خورشید (امام حسینؑ از ولادت تا شہادت)، مؤسسہ بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۸ش

❖ محمدی ری شہری، محمد، مناظرہ وگفتگو در اسلام، دار الحدیث، سازمان چاپ ونشر، قم، ۱۳۸۳ش
❖ نجمی، محمد صادق، خطبہ حسین بن علیؑ در منی، بنیاد پژوہش ہای اسلامی، مشہد، ۱۳۷۵ش
❖ ہلالی، سلیم بن قیس، اسرار آل محمدؑ، ترجمہ کتاب سلیم، مترجم انصاری زنجان خوئینی، اسماعیل، نشر الہادی، قم، ۱۴۱۶ق

شہر کوفہ میں جناب زینب (س) کے خطبہ کا تجزیاتی مطالعہ

تالیف: سید مصطفیٰ حسینی رودباری
ترجمہ: مولانا محمد رضا خان

جناب زینب (س) نے کوفہ میں اپنے خطبہ کے ذریعہ کفر و نفاق کے پردوں کو چاک کر دیا۔ اس خطبہ کو دو منظر سے تجزیہ و تحلیل کیا جاسکتا ہے: اس دور کے کوفہ کا سیاسی، سماجی اور نفسیاتی ماحول اور دوسرا تقریر کرنے والے کے نفسیاتی حالات۔

کوفیوں کے سیاسی، سماجی اور نفسیاتی حالات

کوفہ شیعوں کا مرکز اور حضرت علیؑ کی حکومت کا دارالخلافہ تھا۔ کوفیوں نے جنگ جمل اور نہروان جیسے تاریخی ادوار میں احقاق حق کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے اموی حکومت کے خلاف اپنے محاذ میں سستی کا مظاہرہ کیا اور ناکامیوں کا پیش خیمہ بن گئے۔ اس دور میں کوفیوں کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کے درد بھرے شکوے اس حد تک تھے کہ آپ نے اللہ تعالی سے موت کی درخواست کی۔[1]

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اور امام حسنؑ کے دور میں بھی کوفیوں کا یہی حال رہا۔ امام حسینؑ کے دور میں اور معاویہ کی موت کے بعد، کوفیوں نے امویوں کی ذلت بھری حاکمیت سے نجات پانے اور ان سے انتقام لینے کی غرض سے، جذباتی رویہ اپناتے ہوئے اور بغیر کسی حکمت عملی کے متعدد خطوط کے ذریعہ امام حسینؑ سے درخواست کی کہ آپ ان کی سیاسی قیادت قبول فرمائیں اور اسلامی معاشرہ میں صالحین کی حکومت کے لئے موقع فراہم کریں لیکن کچھ عرصہ بعد شام کی مرکزی حکومت کی دھمکیوں اور ابن زیاد کی

۱۔ نہج البلاغہ، خط نمبر ۳۵ اور خطبہ نمبر ۲۷ و ۳۴

مکاری اور مظالم کی وجہ سے کوفیوں نے اپنا رویہ بدلا اور دشمن کے سپاہیوں میں شامل ہوگئے یہاں تک کہ بعض لوگ امام حسینؑ کی شہادت میں بھی شریک رہے۔

واقعہ کربلا کے بعد بھی کوفیوں نے متعدد بار کربلا کے شہیدوں کی یاد میں آنسو بہائے اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے کے منصوبے بھی بنائے۔ کوفیوں کے اس برتاؤ کے بارے میں بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں میں محبت اہل بیتؑ کے جذبہ کے باوجود، دو منفی پہلو پائے جاتے تھے۔ دین کی سطحی شناخت اور دشمن کی سطحی شناخت۔

الف: دین کی سطحی شناخت: دین ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر اس کی صحیح شناخت نہیں ہوگی تو اس کا نقصان بے دینی سے زیادہ ہوگا۔ خوارج کے ذریعہ اسلامی معاشرہ کو جو نقصان ہوا، وہ اس نقصان سے کہیں زیادہ تھا جو علنی طور پر اسلام کے خلاف لڑنے والوں سے ہوا۔ زیادہ تر کوفی دین کی صحیح شناخت نہیں رکھتے تھے اور ان کی نظر میں دین کی تبھی تک حمایت کی جاسکتی تھی جب تک اس سے دنیاوی منافع کو نقصان نہ پہنچتا ہو لہٰذا دین و دنیا میں ٹکراؤ کی صورت میں وہ دنیا کا ساتھ دیتے تھے۔ کوفیوں کی یہ خصوصیت امام حسینؑ کے اس کلام میں بخوبی آشکار ہے:

> النّاسُ عَبیدُ الدُنیا وَ الدّینُ لَعِقٌ عَلی السِنَتِهِم یَحوطُونَهُ مادرّت اِلیه مَعایِشُهم فاذا مُحِصّوا بالبَلاءِ قَلَّ الدّیانون۔ ترجمہ: لوگ دنیا کے بندے ہیں، دین ان کا لقلقہ زبان ہے۔ وہ تبھی تک دین کا ساتھ دیتے ہیں جب تک ان کی دنیا پر کوئی آنچ نہ آئے اور جب بلاؤں کے ذریعہ ان کا امتحان لیا جاتا ہے تو دینداروں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔[1]

ب: دشمن کی سطحی شناخت: کوفیوں نے دشمن کی شناخت میں غلطی کی اور اسی وجہ سے ان کے جال میں پھنس گئے اور کبھی بھی دشمن کی دھمکیوں کی حقیقت کے بارے میں نہیں سوچا۔ مثال کے طور پر ابن زیاد نے دھمکی دی کہ شام کا لشکر کوفہ کے لئے روانہ ہوچکا ہے اور عنقریب کوفیوں پر حملہ کرنے والا ہے۔ اگر کوفیوں نے ذرا سا غور و فکر کیا ہوتا اور کوفہ و شام کے بیچ کی دوری کو ذہن میں رکھا ہوتا تو کبھی ابن زیاد کے دھوکہ میں نہ آتے اور اس وقت کوفہ میں موجود دشمن کو جو کہ تعداد میں بہت کم تھے، آسانی سے ختم

۱۔ تحف العقول، ص ۲۴۵

کر سکتے تھے۔ دشمن نے کوفیوں کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور موت کے خوف کو ان دلوں میں بٹھا دیا اور کامیابی کی طرف سے ان کو مایوس کر دیا۔ حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: مَن نَامَ لَم یُنَم عَنہُ۔

تقریر اور خطابت کے لئے ایک مناسب ماحول بہت ضروری ہے۔ مقرر پر کسی طرح کا ذہنی اور جسمانی دباؤ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے سامنے ایسا منظر نہیں ہونا چاہئے جس سے اس کا ذہن تشویش میں مبتلا ہو جائے۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ سامنے موجود مجمع اسے حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس کے بارے میں مجمع کے خیالات مثبت ہوں۔

ان ساری باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ہم کوفہ و شام کا رخ کریں اور یہ دیکھیں کہ جناب زینب(س) نے کن حالات میں خطبہ دیا تھا تو ہمیں ایک بار پھر یہ معلوم ہو جائے گا کہ ظاہری طاقت، ایمان کی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ جناب زینب(س) نے کن حالات میں خطبہ دیا، اس کے بارے میں ہم مختصر طور پر یہاں بیان کریں گے:

۱. جناب زینب(س) کوفہ میں لائی گئیں ہیں جہاں اس سے قبل آپ اور آپ کے اہلبیت عزت و احترام کے ساتھ رہتے تھے لیکن اب اسیر اور قیدی کی حیثیت سے نامحرموں کے سامنے کھڑی ہیں۔

۲. آپ کے آس پاس سیکڑوں مسلح فوجی تعینات ہیں اور پورے کوفہ میں فوجی حکومت کا سایہ ہے۔

۳. جناب زینب(س) کے ساتھ ایسی خواتین تھیں جن کے عزیز واقارب روز عاشورہ قتل کئے جا چکے تھے۔

۴. جناب زینب(س) کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ تھے جن کو زنجیروں اور طوق خاردار میں جکڑا گیا تھا۔[1]

۵. آپ کی نظروں کے سامنے شہدا کے مطہر سر نوک نیزہ پر تھے۔

۱۔ کتاب امالی شیخ مفید صفحہ نمبر ۳۲۱ پر تحریر ہے: حُذلم بن ستیر کہتے ہیں: جب علی بن حسینؑ اور خاندان اہل بیت کو کوفہ لایا گیا تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کی گردن میں خاردار طوق تھا۔ و فی عُنُقِہِ الجامِعَۃُ وَ یَدَہُ مَغلولَۃٌ اِلی عُنُقِہِ۔

۶. اپنے امام، بھائی اور قائد نیز بیٹوں اور بھتیجوں کی شہادت کا غم آپ کے سینہ پر بھاری بوجھ کی طرح موجود تھا۔

۷. بھوک، پیاس، نیند اور سفر کی تھکن کا بھی غلبہ تھا اور ان سب باتوں کی وجہ سے تقریر کرنا بہت مشکل تھا۔

۸. تماشائیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اہلبیت عصمت و طہارت کو نہیں پہچانتے تھے اور آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے لہٰذا آپ کو اس انداز میں تقریر کرنی تھی کہ ان کی اس نوع نگاہ میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔

ان سب کے باوجود جناب زینب (س) نے تقریر کی اور آپ کی تقریر بجلی کی طرح کوفیوں پر گر رہی تھی اور ذلت و خواری میں پڑے کوفیوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ خطبہ کے آغاز میں آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے لوگوں کو خاموش رہنے کے لئے کہا۔ پورے مجمع پر مکمل خاموشی چھا گئی۔ آن حضرتؑ نے اپنی تقریر کا آغاز اس طرح کیا:

اَلْحَمْدُ للهِ وَ الصَّلَاۃُ عَلَی اَبِی مُحَمَّدٍ وَ آلِہِ الطَّیِّبِینَ الَاخْیَار۔

حمد و ثنائے الٰہی سے تقریر کا آغاز کرنا اس بات کی دلیل ہے آنحضرت کا قلب مقدس ابھی بھی حضرت حق سے متصل ہے اور مصائب و آلام آپ کے اور اللہ تعالی کے درمیان حائل نہیں ہیں۔ آپ نہ صرف یہ کہ بارگاہ الٰہی میں کوئی شکوہ نہیں کرتیں بلکہ سب سے پہلے اللہ تعالی کی حمد و ثنا کرتی ہیں۔ جناب زینب (س) کی نظر میں یہ مصیبت اور پریشانی الطاف الٰہی کا ایک حصہ ہے۔ اسی وجہ سے جب ابن زیاد نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِی فَضَحَکُم وَ قَتَلتکُم، تو جواب میں آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِی اَکْرَمْنَا بِمُحَمَّدٍ وَ طَهَّرْنَا تَطْهِیراً۔[1]

پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے آل اطہار کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ ہمیشہ مصائب کے وقت اللہ تعالی کی حمد و ثنا کرتے تھے جیسا کہ زیارت عاشورہ میں ہم پڑھتے ہیں:

۱۔ شیخ صدوق، الامالی، ص ۲۲۹

"اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدَ حَمْدَ الشّاکِرِیْنَ لَکَ عَلَی مُصَابِھِم۔ ترجمہ: پالنے والے! حمد و ثنا تیری ذات سے مخصوص ہے۔ ان لوگوں کی حمد و ثنا جنہوں نے مصیبت میں تیری حمد و ثنا کی ہے۔"

جناب زینب(س) اس کے بعد فرماتی ہیں:

"وَالصَّلَاۃُ عَلَی اَبِی مُحَمَّدٍ وَ آلِہِ الْطَیِّبِینَ الاَخْیَار۔ ترجمہ: درود و سلام ہو میرے باپ محمد اور ان کے پاک و نیک خاندان پر۔"

آپ نے یہاں پر لفظ ابی کا استعمال کیا ہے جس کی دو وجہ ہو سکتی ہے:

۱. **عوام کے جذبات کو بیدار کرنا**: لفظ ابی کا استعمال کرکے جناب زینب(س) یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ہمارا تعلق پیغمبر اسلامؐ سے ہے، وہی پیغمبرؐ جس کا نام تم دن میں پانچ بار دہراتے ہو، پھر تم نے کس طرح سے ان کے خاندان کو قیدی بنالیا؟

۲. **امویوں کے پروپگنڈوں کی نفی**: امویوں نے امام حسینؑ اور خاندان رسالت کے خلاف غلط پروپگنڈے کرکے عوام کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا یہاں تک کہ کچھ لوگ انہیں دین سے خارج مانتے تھے۔ جناب زینب(س) والصلاۃ علی ابی محمد کہہ کر انہیں اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہیں کہ ہم خوارج میں سے نہیں ہیں بلکہ ہم رسول خداؐ کے خاندان سے ہیں۔

جناب زینب(س) اپنے خطبہ کو جاری رکھتی ہیں اور فرماتی ہیں:

"یَا اَھْلَ الْکُوفَۃِ ! یَا اَھْلَ الْخَتْلِ وَ الْغَدْرِ اَتَبْکُونَ فَلا رَقَاْتِ الدَّمْعَۃُ وَ لَا ھَدَاْتَ الرَّنَّۃُ۔ ترجمہ: اے کوفہ والو! اے اہل مکر و فریب! کیا اب تم روتے ہو؟ (خدا کرے) تمہارے آنسو کبھی خشک نہ ہوں۔ اور تمہاری آہ و فغان کبھی بند نہ ہو۔"

جناب زینب(س) حمد و ثنائے پروردگار کے بعد کوفہ والوں کی دو سب سے اہم خصوصیت کو بیان فرماتی ہیں: یَا اَھْلَ الْخَتْلِ وَ الْغَدْرِ۔ اے اہل فریب و مکر! کوفیوں نے خاندان پیغمبرؐ سے بار بار خیانت کی اور اپنے عہد و پیمان کو توڑا لہٰذا وہ انسانی مقام و مرتبت سے نیچے گر گئے۔ اَتَبْکُونَ۔ کیا تم روتے ہو! کیا تم اس طریقہ

سے اپنے گناہ کو کم کرنا چاہتے ہو؟ تم اپنے اس گریہ کے باوجود ذم و نفرین کے لائق ہو۔فَلا رَقَأْتِ الدَّمْعَةُ وَ لَا هَدَأْتَ الرَّنَّةُ۔ کیونکہ تمہارے یہ آنسو مکروفریب وخیانت کی وجہ سے ہیں جو تمہاری جان میں گھر کر چکے ہیں۔اس جملہ میں چند نکتے قابل ذکر ہیں:

ا. یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ اگر ساری عمر بھی اس پر آنسو بہایا جائے تب بھی کم ہے۔

۲. اس جرم کی وجہ سے کوفی کبھی بھی چین وسکون سے نہیں رہ سکیں گے اور اس کے اثرات قیامت تک ان کی نسل میں باقی رہیں گے اور ہمیشہ عذاب و بلامیں مبتلا رہیں گے۔

۳. بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جن کے اثرات کو فدیہ یا دیت ادا کرکے، کم کیا جاسکتا ہے لیکن بعض جرائم اتنے سنگین ہوتے ہیں کہ اسے کسی بھی طرح سے بھلایا نہیں جاسکتا ہے، واقعہ کربلا بھی اسی طرح کا ہے کیونکہ اس واقعہ میں ایسے انسان کی شہادت ہوئی جو انبیا اور اولیا کا وارث تھا اور کوفیوں نے آپ کو شہید کرکے پوری بشریت کو آپ کے فیض سے محروم کردیا۔

"اِنَّما مَثَلُکُم کَمَثَلِ الَّتی نَقَضَت غَزلَها مِن بَعدِ قُوَّةٍ اَنکاثاً تَتَّخِذُونَ أَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ۔ترجمہ: تمہاری مثال اس عورت سی ہے جس نے اپنے دھاگہ کو مضبوط کاتنے کے بعد پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔نہ تمہارے عہد و پیمان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی تمہاری قسم کا کوئی اعتبار۔"

یہاں پر دو نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے:

ا. یہ خطبہ دس سطر کے قریب ہے اور یقینی طور پر پانچ منٹ میں دیا گیا ہوگا لیکن اس میں بار بار قرآنی آیتوں سے استشہاد کیا گیا ہے اور یہ استشہاد اتنی خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ آیتیں اسی روز اور اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں۔جناب زینب(س) کا یہ طریقہ، حضرت علیؑ اور جناب فاطمہ(س) کی سیرت کے مطابق ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قرآن پر پورا عبور حاصل تھا۔

۲. مقرر اپنی تقریر میں تمثیل کا استعمال کر کے مخاطب تک اپنی بات کو بہتر انداز میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جناب زینب(س) نے اس مختصر سے خطبہ میں کوفیوں کے حالات بیان کرنے کے لئے کئی تمثیلوں کا استعمال کیا ہے۔

جناب زینب(س) نے اِنَّما مَثَلُکُم کَمَثَلِ الَّتی نَقَضَت... کو بیان کر کے، سورہ نحل کی آیت نمبر ۹۲ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ انسان کا ماضی کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو لیکن مستقبل میں اس کی حقانیت کی بنیاد نہیں بن سکتا ہے۔ تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ ایسے لوگ جنہوں نے اپنی حیات کے ایک حصہ میں بہت اہم کارنامے اسلام کے حوالے سے انجام دئے لیکن بعد کے دور میں اپنے کسی عمل سے ان سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ مثال کے طور زبیر نے اسلام کی راہ میں ۲۵ زخم کھائے لیکن تیس سال بعد جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے مقابلہ پر آ گیا۔

کوفیوں نے بھی اپنے تمام تر اچھے کارناموں کے باوجود، اموی حکومت کا ساتھ دیا جس کے نتیجہ میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت ہوئی۔ جناب زینب(س) واقعہ کربلا کے حوالے سے کوفیوں کے کردار کو اس عورت سے تشبیہ دیتی ہیں جو عرب میں حمقاء کے نام سے مشہور تھی۔ یہ عورت آدھے دن اپنے دھاگے کو کاتتی تھی اور پھر انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ یہ تمثیل کوفیوں کی ماہیت و حقیقت کو پوری طرح سے ظاہر کرتی ہے۔

کوفیوں کے پاس بہت اچھا موقع تھا اور وہ امام حسینؑ کی قیادت میں اموی حکومت کا تختہ پلٹ کر ایک الٰہی حکومت تشکیل دے سکتے تھے لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ یہ موقع گنوا دیا بلکہ دشمن نے ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، انہیں امامؑ کے مد مقابل کھڑا کر دیا۔ اور اس طرح کوفیوں نے اپنے سابقہ تمام کارناموں پر پانی پھیر دیا کیونکہ انہوں نے پہلے تو مسلم بن عقیل کے ہاتھوں پر بیعت کی اور سخت قسمیں کھائیں اور مدد کا وعدہ کیا لیکن اس عورت کی طرح بعد میں اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور دشمن کا ساتھ دیا۔

"تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ۔ ألا وَهَل فِيْكُم اِلاَّ الصَّلِفُ وَالنَّطِفُ وَمَلَقُ الاِمَاءِ، وَ غَمْزُ الأَعْدَاءِ۔ ترجمہ: تم نے اپنی قسم کو اپنے امام کو دھوکہ دینے کا ذریعہ

بنایا۔ تم جتنے بھی ہو سب کے سب بیہودہ گو، ڈینگ مارنے والے، پیکر فسق و فجور اور فسادی، کینہ پرور اور لونڈیوں کی طرح جھوٹے چاپلوس اور دشمنی کے غمّاز ہو۔"

جناب زینب(س) کوفیوں کے دایرہ انسانیت سے خارج ہونے کی چہار وجہیں بیان کرتی ہیں: ڈینگ مارنے والے، دشمنی سے لبریز سینہ، چاپلوسی اور دشمن سے خفیہ تعلق۔ نفسانی خواہشات کی پیروی انسان کی سب سے بڑی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان اور انسانی معاشرہ اپنی شناخت کھودیتا ہے اور اس حالت میں انسان کسی بھی نصیحت و برہان کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے اور طبیبان نفوس بھی شاید اس کے علاج سے عاجز ہو جائیں۔ قرآن کریم اس سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ ترجمہ:۔ پیغمبر کیا ہم آپ کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع دیں جو اپنے اعمال میں بدترین خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش زندگانی دنیا میں بہک گئی ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔[1]

جناب زینب(س) اپنی تقریر کے ذریعہ کوفیوں کو گہری نیند سے جگانا چاہتی ہیں اور انہیں ان کی واقعی شناخت بتانا چاہتی ہیں۔ انہیں یہ بتانا چاہتی ہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس جہنم میں گر چکے ہیں لہٰذا آپ فرماتی ہیں:

لا وَهَل فِيكُم اِلاَّ الصَّلِفُ وَالنَّطِفُ۔ ترجمہ: تم سب کے سب بیہودہ گو، ڈینگ مارنے والے ہو۔

جناب زینب(س) کوفیوں کو ڈینگ مارنے والا انسان بتاتی ہیں جو اپنے تخیلات میں سیر کررہا ہے۔ کوفیوں کو اپنے محب اہلبیتؑ ہونے پر بڑا فخر تھا اور انہیں اس بات پر ناز تھا کہ وہ خاندان رسالت کی مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ جناب زینب(س) کا یہ جملہ انہیں بتانا چاہتا ہے کہ یہ سب جھوٹا دعوی ہے جس کی

۱۔ سورہ کہف، آیات ۱۰۳-۱۰۴

وجہ سے تم غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے ہو۔ مخلص اور واقع بین انسان کبھی بھی اپنے اعمال پر گھمنڈ نہیں کرتا ہے اور ہمیشہ اپنے لئے تشویش میں مبتلا رہتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اہلبیتؑ سے صرف دوستی کا اظہار کرنا فخر کی بات نہیں ہے اور خاص کر جب یہ اظہار دوستی، دشمنی میں بدل جائے۔ جیسا کہ جناب زینب (س) اگلے جملہ میں ارشاد فرماتی ہیں:

"والصدرُ الشنف۔ترجمہ: کیا تمہارے سینوں میں ہماری دشمنی کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔"

آپ کہنا چاہتی ہیں کہ تمہارے وجود میں تناقض پایا جاتا ہے۔ ایک طرف تو ہماری محبت پر فخر کرتے ہو اور دوسری طرف اپنے سینوں میں ہماری عداوت بھر لی ہے اور ہمارے خلاف لشکر کشی کی ہے۔

"وَمَلِقُ الاِمَاء، وَ غَمْزُ الأَعْدَاءِ۔ ترجمہ: کیا تمہارے اندر چاپلوسی اور تملق اور دشمنوں سے خفیہ تعلقات کے علاوہ کچھ اور پایا جاتا ہے۔"

حضرت زینب (س) بتاتی ہیں کہ نفاق تمہارے وجود میں جگہ بنا چکا ہے اور تم زیادہ خطرناک ہو بہ نسبت ان لوگوں کے جو اعلانیہ ہمارے خلاف لڑ رہے ہیں۔ یہاں پر جناب زینب (س) نے مَلِقُ الاِمَاء کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی نفاق تمہارے وجود میں سرایت کر چکا ہے اور چاپلوسی میں تمہاری زبان اس کنیز کی زبان کی طرح ہے جو اپنے مالک کے لئے طنازی کرتی ہے۔

"أو كَمَرعَى على دِمْنَة۔ترجمہ: تمہاری یہ کیفیت ہے کہ جیسے کثافت کی جگہ سبزی۔"

یہاں پر جناب زینب (س) اپنے خطبہ کی تیسری تمثیل بیان کرتی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ تمہاری مثال اس ہرے بھرے پودے کی سی ہے جو گندگی پر اگتا ہے۔ حضرت کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری دینداری کی کوئی بنیاد اور اساس نہیں ہے اور تھوڑے سخت حالات میں تم دینداری کو ترک کر دوگے۔

"او كَفِضَّه عَلَى مَلحُودَه۔ ترجمہ: تمہاری مثال قبر پر رکھی ہوئی چاندی کی سی ہے۔"

جناب زینب(س) کی تقریر میں یہ چوتھی تمثیل ہے۔ آپ فرماتی ہیں تمہاری مثال اس چاندی کی سی ہے جسے قبر پر زینت کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس چاندی کا قبر میں پڑے ہوئے انسان پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے یعنی اگرچہ تمہارا ظاہر خوبصورت ہے لیکن تمہارا باطن متعفن ہے۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ۔ ترجمہ: انہوں نے اپنے نفس کے لئے جو سامان پہلے سے فراہم کیا ہے وہ بہت برا سامان ہے جس پر خدا ان سے ناراض ہے اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔[1]

جناب زینب(س) اس آیت کی تلاوت فرما کر ایک نتیجہ پیش کرنا چاہتی ہیں کہ اس طرح کی دینداری اور صفات رذیلہ کا انجام غضب الٰہی ہے۔ حضرت(س) کی بات کی تائید کرتے ہوئے ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اپنے امامؑ کو دھوکہ دیکر اور ان سے مقابلہ کرکے کوفیوں نے کیا حاصل کیا۔ کیا وہ دنیاوی عیش و آرام جس کی تلاش میں وہ تھے، انہیں مل گیا؟ کیا ابدی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ اور انہیں نصیب ہوا؟

اہم بات اس آیت کی شان نزول ہے۔ یہ آیت ان یہودیوں اور عیسائیوں سے متعلق ہے جنہوں نے مشرکین سے عہد و پیمان کرکے رسول خداؐ سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ جناب زینب(س) اس آیت کی یہاں پر تلاوت فرما کر کوفیوں کو انہیں کافروں کی طرح بتایا ہے کہ جس طرح وہ مشرکین اپنی سعی میں ناکام رہے اور ذلت و رسوائی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں ہوا بالکل اسی طرح کوفیوں کو بھی عذاب الٰہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

"اَتَبْکُون وَ تَنْتَحِبُون؟ اَی وَاللهِ فَبکُوا کَثِیراً وَاضْحَکُوا قَلِیلاً۔ ترجمہ: تم ہم پر رو رہے ہو اور آہ و فغان کر رہے ہو؟ خدا کی قسم زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔"

پھر آپ سورہ توبہ کی ۸۲ آیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو منافقوں کی مذمت میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے حضرت پیغمبر اسلامؐ کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ آپ فرماتی ہیں تم بھی ان منافقوں کی

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۸۰

طرح زیادہ روؤاور کم ہنسو کیونکہ تم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے عنقریب تم پر ایسے لوگ حاکم ہو جائیں گے جو تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں گے اور مستقبل میں آنے والے بھی تمہاری مذمت کریں گے اور تم پر لعنت بھیجیں گے اور آخرت کا عذاب دنیاوی عذاب سے زیادہ طویل اور سخت ہوگا۔ ای و اللہ یعنی لفظ جلالہ اللہ کی قسم یہ بتا رہی ہے کہ یہ باتیں ضرور واقع ہونگیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس جملہ میں جناب زینب(س) نے کوفیوں کو عصر رسالتؐ کے منافقوں سے تشبیہ دی ہے جب کہ اس سے قبل والے جملہ میں آپ نے کوفیوں کو یہود و نصارا سے تشبیہ دیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حقیقت کے خلاف دشمن سے تعاون کرنا یا خاموشی اختیار کرنا جس کے مرتکب کوفی ہوئے تھے، انسان کو نفاق کی وادی میں ڈھکیل دیتا ہے جو کہ کفر سے زیادہ خطرناک ہے۔

> "فَلَقَد ذَهَبْتُم بِعَارِهَا وَ شَنَآنِهَا، وَلَن تَرحَضُوهَا بِغَسلٍ بَعدَهَا أبداً۔ ترجمہ: تم امام علیہ السلام کے قتل کی عار و شنار میں گرفتار ہو چکے ہو اور تم اس دھبے کو کبھی دھو نہیں سکتے۔"

ان جملوں میں کوفیوں کے جرم کی شدت تفصیل سے بیان ہوئی ہے تا کہ جو لوگ ابھی بھی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوئے ہیں وہ بیدار ہو جائیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ تم نے ایسا جرم کیا ہے جس کی ذلت و رسوائی کسی بھی پانی سے دھوئی نہیں جا سکتی ہے۔

> "وَأنّى تُرحِضُونَ قَتلَ سَلِيلِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَ سَيِّدِ شَبَابِ أهلِ الجَنّةِ وَمَلاذِ خِيَرَتِكُم وَمَفزَعِ نَازِلَتِكُم وَمَنَار حَجَّتِكُم وَمَدَرةِ سُنَّتِكُم۔ ترجمہ: اور بھلا تم خاتم نبوت اور معدن رسالت کے سلیل (فرزند) اور جوانان جنت کے سردار، جنگ میں اپنے پشت و پناہ، مصیبت میں جائے پناہ، منارہ حجت، اور عالم سنت کے قتل کے الزام سے کیوں کر بری ہو سکتے ہو۔"

جناب زینب(س) اپنے خطبہ کے اس حصہ میں امام حسینؑ کی خصوصیات کو بیان کرکے لوگوں کو بتانا چاہتی ہیں کہ انہوں نے کتنا بڑا جرم کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں تم نے حسین بن علیؑ کو قتل کیا ہے جو:

- ❖ پیغمبر اکرمؐ کے وجود کا عصارہ: سلیل خاتم النبوة
- ❖ معدن رسالت کا عصارہ: سلیل معدن الرسالة

❖ جوانان جنت کے سردار: سید شباب اھل الجنة

❖ حیرانی و سرگردانی میں تمہاری پناہگاہ: ملاذ حیرتکم

❖ مصائب و بلا میں تمہاری پناہگاہ: ملاذ نازلتکم

❖ حجت و روشنائی کا مرکز: منار حجتکم

❖ سنت پیغمبرؐ کا مرکز: مدرة سنتکم

الاء ساء ما تزرون: جناب زینب(س) یہاں پر سورہ انعام کی ۱۳۱ آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کوفیوں سے فرماتی ہیں: آگاہ ہو جاؤ! تم نے آخرت کے لئے بہت برا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کی زبان حال ہے جو قیامت میں اپنی کمیوں کی طرف متوجہ ہونگیں اور حسرت و ندامت سے کہیں گے:

> يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ۔ ترجمہ: ہائے افسوس! ہم سے اس کے بارے میں کیسی کوتاہی ہوئی؟ اور وہ اپنے (گناہوں کے) بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوں گے۔ کیا برا بوجھ ہے جو وہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

پھر حضرت زینب(س) کوفیوں کے حق میں دو بددعا کرتی ہیں: و بُعْداً لَكُم و سُحْقاً۔ ترجمہ: رحمت الٰہی سے دور رہو اور ہلاکت و نابودی تمہارا مقدر بن جائے۔

> "فَلَقَد خَابَ السّعي وَ تَبّتِ الاَيْدى وَ خَسِرَتِ الْصَّفْقَةُ وَ بُوْتُمْ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَ ضُرِبَتِ عَلَيْكُمُ الْذِلَّةَ وَ الْمَسْكَنَةُ۔ ترجمہ: تم نے اپنا ماضی برباد کر دیا اور تمہارے ہاتھ کٹ گئے۔ جو سودا تم نے کیا اس میں نقصان اٹھایا اور اللہ تعالی کا غضب خریدا اور اب خواری و ذلت کے ساتھ زندگی گزاروگے۔"

جناب زینب(س) اپنے خطبہ کے اس فقرہ میں بنی اسرائیل کے سلسلہ میں نازل ہونے والی بعض آیتوں کو کوفیوں کے حالات سے تطبیق دیتی ہیں:

فَلَقَد خَابَ السَّعَی: اشارہ ہے وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسَّیھَا[۱]۔

و تبت الایدی: اشارہ ہے تَبَّتۡ یَدَا اَبِی لَھَبٍ وَتَبَّ[۲]۔

و حسرت الصفقة: اشارہ ہے اَنَّ الۡخَاسِرِینَ الَّذِینَ خَسِرُوا اَنۡفُسَھُم[۳]۔

و ضربت علیکم الذلة و المسکنة: اشارہ ہے وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡھِمُ الذِّلَّةُ وَ الۡمَسۡکَنَةُ وَ باؤُ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰہِ[۴]۔

اس خطبہ میں غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم کس طرح قرآن مجید میں تدبر کرکے اس کی آیات سے اپنے زمانے کے حالات کی تبیین کر سکتے ہیں۔ جناب زینب(س) کوفیوں کے جذبات کو اور بیدار کرنے کے لئے ان کی بے وفائی اور غداری کو بلاواسطہ رسول خداؐ سے بے وفائی سے تعبیر کرتی ہیں اور فرماتی ہیں تم نے حسین بن علیؑ کو قتل کرکے گویا رسول خداؐ کو قتل کیا ہے اور ان کے اہلبیت کو قیدی بنایا ہے:

"وَیۡلَ لَکُم یَا اھۡلَ الکُوفَه ! أیَّ کَبِدٍ لِرَسُولِ اللہِ فَرَیتُم، وَأیَّ کَرِیمَه لَهُ أبرَزۡتُم، وَأیَّ دَم لَهُ سَفَکۡتُم، وَأیَّ حُرمَة لَهُ اَنۡتَھَکۡتُم۔ ترجمہ: کچھ جانتے بھی ہو کہ تم نے رسول خداؐ کے کس جگر کو پارہ پارہ کردیا؟ اور ان کا کون سا خون بہایا؟ اور ان کی کون سی ہتک حرمت کی؟ اور ان کی کن مستورات کو بے پردہ کیا۔"

جناب زینب(س) اپنے خطبہ کے دوسرے حصہ میں اس جرم کے گھناؤنے ہونے کے بارے میں بتاتی ہیں:

"لَقَدۡ جِئتُم بِھِم صَلۡعَاءَ عَنۡقَاء سَوَّاءَ فَقمَاءَ (و فِی بَعضھَا خَرقَاءَ شَوھَاءَ) کَطِلاعِ الأرضِ وَمُلاءِ السَّمَاءِ۔ ترجمہ: یہ جرم جو تم نے کیا ہے بہت شدید، سخت، تاریک، حماقت

۱۔ سورہ شمس، آیت ۱۰
۲۔ سورہ مسد، آیت ۱
۳۔ سورہ شوری، آیت ۴۵
۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۶۱

بھرا، برباد کرنے والا اور کریہہ منظر ہے۔ اس طرح کہ اس کی برائی زمین وآسمان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔"

ان الفاظ کا ایک ساتھ اور وہ بھی صفت مشبہ کی صورت میں آنا وصف کو ذات کے لئے ثابت کرتا ہے اور کَطِلاعِ الأرضِ وَمُلاءِ السَّمَاءِ کی تشبیہ بھی اس واقعہ کی شدت پر تاکید کرتی ہے۔ آپ آگے ارشاد فرماتی ہیں:

"افعجبتم ان مطرت السماء دما۔ ترجمہ: کیا تمہیں حیرت ہے کہ آسمان سے خون کے قطرے برسے۔"

اس جملہ کی تبیین میں یہ کہنا ضروری ہے کہ بہت سی شیعہ وسنی روایتوں کی بنیاد پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور طلوع و غروب خورشید سرخ رنگ کا ہوگیا اور بیت المقدس میں جس پتھر کو اٹھاتے تھے اس کے نیچے سے خون نکلتا تھا۔ امام رضاؑ سے منقول ہے کہ:

"لَمَّا قُتِلَ جَدِّی الحُسینُ صَلَوات اللهِ عَلَیه اَمْطَرَتِ السَّمَاءِ دَمَاً وَ تُراباً اَحْمَر۔
ترجمہ: جب میرے جد حسین بن علی شہید ہوئے، آسمان سے خون اور سرخ مٹی کی بارش ہوئی۔[۱]"

یہاں پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر یہ بات تھوڑا عجیب لگتی ہے لیکن دینی منظر اور الہی جہان بینی کے نقطہ نظر سے یہ ثابت ہے کہ پوری دنیا اور اس میں موجود تمام موجودات میں ایک شعور پایا جاتا ہے:

وَاِنْ مِنْ شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ ترجمہ: اور کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔[۲]

کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ تَسْبِیحَهُ۔ ترجمہ: اور سب اپنی اپنی نماز و تسبیح سے باخبر ہیں۔[۳]

۱۔ عیون اخبار الرضا (جلد ۲)، ص ۲۶۸
۲۔ سورہ اسراء، آیت ۴۴
۳۔ سورہ نور، آیت ۴۱

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الأَرْضِ۔ ترجمہ: زمین وآسمان کا ہر ذرہ خدا کی تسبیح کر رہا ہے۔[۱]

جناب زینب کی نظر میں آسمان سے خون کی بارش اگرچہ ایک عذاب ہے لیکن اس عذاب کا آخرت کے عذاب سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ہے لہٰذا سورہ فصلت کی سولھویں آیت سے اقتباس کرتے ہوئے آپ فرماتی ہیں:

"وَ لَعَذَابُ الاخِرَةِ اَخْزَی وَ اَنْتُم لَا يَنْصَرُونَ۔ ترجمہ: اور آخرت کا عذاب تو زیادہ رسواکن ہے اور وہاں ان کی کوئی مدد بھی نہیں کی جائے گے۔"

خطبہ کے آخر میں جناب زینب(س) یہ بتاتی ہیں کہ عذاب الٰہی میں تاخیر اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ معاف کردے گا۔

"فَلا يَسْتَخِفَّنَّكُمُ المَهَلُ فَإنَّه لَا تَحفِزُهُ البِدَارُ، وَلايُخَافُ فَوتُ الثَّارِ ، وَاِنَّ رَبَّكُم لَبِالمِرصَادِ۔

ترجمہ: تمہیں جو مہلت ملی ہے اس سے خوش نہ ہو کیونکہ خداوند عالم بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا کیونکہ اسے انتقام کے فوت ہوجانے کا خدشہ نہیں ہے۔ یقیناً تمہارا خدا اپنے نافرمان بندوں کی گھات میں ہے۔"

یہاں پر یہ جناب زینب(س) کا خطبہ ختم ہوتا ہے۔ اس خطبہ کا کوفیوں پر اتنا اثر ہوا کہ راوی کہتا ہے:

فَوَاللهِ لَقَدْ رَأيتُ النَّاسَ يومَئِذٍ حَيَارَى، يَبكُونَ وَقَد وَضَعُوا أيدِيَهُم فِي افواهِهِم و رَأيتُ شَيخاً وَاقِفاً اِلَى جَنبِي، يَبكِي احصلت لحيةُ و هو يقولُ بابى انتم و امى كَهُولُكُم خير الكُهُولِ وَشَبَابُكَم خَيرُ الشَّبَابِ وَنِسَاؤُكُم خَيرُ النِّسَاءِ وَنَسْلكُم خَيْرُ نَسْلٍ لايُخزى وَلا يُبزى۔

۱۔ سورہ جمعہ، آیت ۱

ترجمہ : خدا کی قسم ! اس دن لوگ حیران و پریشان تھے اور رو رہے تھے۔ایک ضعیف شخص کو میں نے دیکھا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا : تمہارے بوڑھے سب سے بہترین بوڑھے، تمہارے جوان سب سے بہترین جوان، تمہاری عورتیں سب سے بہترین عورتیں اور تمہاری نسل بہترین نسل ہے اور کبھی بھی ذلت و خواری سے دوچار نہ ہونگے۔

کوفہ وشام میں امام سجادؑ کے خطبوں کا تجزیہ

تالیف: ڈاکٹر محمد رنجبر حسینی
ترجمہ: مولانا ڈاکٹر گلزار احمد خان

قیام عاشورہ اور امام حسینؑ کی تحریک کو حیات ابدی بخشنے میں امام سجادؑ اور جناب زینب (س) کے خطبوں کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ عصر عاشورہ سے لیکر مدینہ واپسی تک کوفہ وشام کے مختلف مقامات پر حکومتی کارندوں اور عوام سے امام سجادؑ نے جو گفتگو فرمائی ہے اور جو احتجاج کیا ہے، ان میں ایک خاص منطق حاکم رہی ہے جس کی بدولت بنی امیہ کا اصلی چہرہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوا اور امام حسینؑ کی شہادت کے اہداف و مقاصد کھل کر سامنے آئے۔

مناظرہ اور گفتگو کا ہمیشہ سے تبلیغ دین میں اہم کردار رہا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام تبلیغ دین کے لئے اسی شیوہ کو بروئے کار لاتے تھے جس کی وجہ سے دینی تعلیمات عام ہوئیں۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت رہی ہے کہ آپ حضرات مناظرہ اور گفتگو کے ذریعہ حق کو ثابت اور باطل کو محکوم کرتے تھے۔ امام سجادؑ نے بھی واقعہ کربلا کے بعد اور اسارت کے سخت دنوں میں متعدد مقامات پر افکار عامہ کو روشن کرنے اور امام حسینؑ کی مظلومیت کو ثابت کرنے کے لئے خطبے دئے جس کی وجہ سے اموی حکومت کا ظالمانہ رویہ اور اسلام سے ان کا انحراف لوگوں پر ظاہر ہوا اور واقعہ کربلا کو دائمی حیات ملی۔

امام سجادؑ نے اپنے خطبوں میں منطقی طریقہ سے دشمنوں کے سامنے احتجاج کیا جس کی وجہ سے سامنے والا قانع ہوگیا یا خاموش ہوگیا۔ ہم یہاں پر امامؑ خطبوں کی خاص باتوں کو قارئین کے سامنے پیش کریں گے:

گفتگو کو منظم طریقہ سے آگے بڑھانا: امام سجادؑ کے خطبوں میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ ایک منطقی نظم دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثال کے طور پر دربار یزید میں امامؑ نے جو خطبہ دیا اس میں پہلے آپ نے اہلبیت پیغمبرؐ کی خصوصیات اور اللہ کی طرف سے ان کو دی گئی نعمتوں کا تذکرہ کیا، پھر اپنی ذاتی شناخت کو لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ آپ نے پیغمبر اکرمؐ، حضرت علیؑ اور جناب فاطمہ زہرا (س) کا اچھے انداز میں تعارف پیش کیا یہاں تک کہ کسی بھی انجان آدمی کے پاس آپ کو نہ پہچان پانے کا کوئی بہانہ نہیں بچا۔ آپ فرماتے ہیں:

اَیُّهَا النَّاسُ اُعْطِینَا سِتّاً وَ فُضِّلْنَا بِسَبْعٍ ، اُعْطِینَا الْعِلْمَ وَ الْحِلْمَ وَ السَّمَاحَةَ وَ الْفَصَاحَةَ وَ الشَّجَاعَةَ وَ الْمَحَبَّةَ فِی قُلُوبِ الْمُؤمِنِینَ وَ فُضِّلْنَا بِاَنَّ مِنَّا النَّبِیَّ الْمُخْتَارَ مُحَمَّداً وَ مِنَّا الصِّدِیقُ وَ مِنَّا الطَّیَّارُ وَ مِنَّا اَسَدُ اللهِ وَ اَسَدُ رَسُولِهِ وَ مِنَّا سِبْطَا هَذِهِ الأُمَّةِ...اَیُّهَا النَّاسُ اَنَا ابْنُ مَکَّةَ وَ مِنَی، اَنَا ابْنُ زَمْزَمَ وَ الصَّفَا، اَنَا ابْنُ مَنْ حَمَلَ الرُّکْنَ بِاَطْرَافِ الرِّدَا، اَنَا ابْنُ خَیرِ مَنِ ائْتَزَرَ وَ ارْتَدَی، اَنَا ابْنُ خَیرِ مَنِ انْتَعَلَ وَ احْتَفَی، اَنَا ابْنُ خَیرِ مَنْ طَافَ وَ سَعَی، اَنَا ابْنُ خَیرِ مَنْ حَجَّ وَ لَبَّی، اَنَا ابْنُ مَنْ حُمِلَ عَلَی الْبُرَاقِ فِی الْهَوَاءِ، اَنَا ابْنُ مَنْ اُسْرِیَ بِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الاَقْصَی ، اَنَا ابْنُ مَنْ بَلَغَ بِهِ جَبْرَئِیلُ اِلَی سِدْرَةِ الْمُنْتَهَی ، اَنَا ابْنُ مَنْ دَنَا فَتَدَلَّی فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَوْ اَدْنَی...اَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُولِ اللهِ بِسَیْفَینِ وَ طَعَنَ بِرُمْحَیْنِ وَ هَاجَرَ الْهِجْرَتِینِ وَ بَایَعَ الْبَیْعَتینِ وَ قَاتَلَ بِبَدْرٍ وَ حُنَیْنٍ وَ لَمْ یَکْفُرْ بِاللهِ طُرْفَةَ عَیْنٍ، اَنَا ابْنُ صَالِحِ الْمُؤمِنِینَ وَ وَارِثِ النَّبِیِّینَ وَ قَامِعِ الْمُلْحِدِینَ وَ یَعْسُوبِ الْمُسْلِمِینَ وَ نُورِ الْمُجَاهِدِینَ وَ زَیْنِ الْعَابِدِینَ وَ تَاجِ الْبَکَّائِینَ وَ اَصْبَرِ الصَّابِرِینَ وَ اَفْضَلِ الْقَائِمِینَ مِنْ آلِ یَاسِینَ رَسُولِ رَبِّ الْعَالِمِینَ اَنَا ابْنُ مُؤَیِّدِ بِجَبْرَئِیلَ الْمَنْصُورِ بِمِیْکَائِیلَ..مِنَ الْعَرَبِ سَیِّدُهَا وَ مِنَ الْوَغْی لَیْثُهَا وَارِثُ الْمَشْعَرِینِ وَ اَبُو السِبْطَینْ الْحَسَنِ وَ الْحُسَینِ ذَاکَ جَدِّی عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ اَنَا بْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ ، اَنَا ابْنُ سَیِّدَةَ النِّسَاءِ...۔

ترجمہ: اے لوگو! اللہ نے ہمیں چھ خصلتیں عطا کی ہیں اور سات فضیلتیں بخشی ہیں۔اللہ نے ہمیں علم، بردباری، سخاوت، فصاحت، شجاعت عطا کی ہے اور مؤمنوں کے دلوں میں ہماری محبت کو جگہ دی ہے۔ اور اللہ نے ہمیں سات فضیلتیں بخشی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ ہم میں سے ہیں، صدیق ہم میں سے ہیں، جعفر طیار ہم میں سے ہیں، اللہ کا شیر اور رسول خدا کا شیر ہم میں سے ہے، پیغمبر کے دونوں سبط یعنی حسن و حسین ہم میں سے ہیں۔

اے لوگو! میں مکہ و منی کا بیٹا ہوں، میں زمزم و صفا کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر الاسود کو اپنی ردا میں ڈال کر اپنی جگہ پر رکھا۔ میں بہترین سعی و طواف کرنے والے کا بیٹا ہوں۔ میں بہترین حج کرنے والے کا بیٹا ہوں۔

میں اس کا بیٹا ہوں جو براق پر سوار ہوا، میں اس کا بیٹا ہوں جو ایک رات میں مسجد الحرام سے مسجد الاقصی تک گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جسے جبرئیل سدرۃ المنتہی تک لے گئے اور مقام قرب ربوبی تک پہنچے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے پیغمبر کے ہمراہ دو تلوار اور دو نیزہ سے جنگ کی، دو بار ہجرت کی اور دو بار بیعت کی، جنگ بدر و حنین میں کافروں سے جنگ کی اور ایک لحہ کے لئے بھی کفر اختیار نہیں کیا، میں صالح مؤمنوں کا بیٹا، وارث انبیاء اور مشرکوں کو ختم کرنے والے کا بیٹا ہوں . . .

میں عبادت کرنے والوں کی زینت اور رونے والوں کا فخر ہوں . . . میں اس کا بیٹا ہوں جس کی تائید جبرئیل نے کی اور مدد میکائیل نے کی . . . وہ سید عرب ہیں اور میدان جنگ کے شیر ہیں، وہ حسن و حسین کے باپ ہیں۔ ہاں! وہ میرے جد علی بن ابیطالب ہیں۔ میں فاطمہ زہرا کا بیٹا ہوں"۔

امام سجادؑ اسی طرح سے تقریر کر رہے تھے یہاں تک کہ لوگوں کے گریہ وزاری کی آواز بلند ہو گئی۔

سامنے والے سے اقرار لینا: مناظرہ اور احتجاج میں اپنے عقیدہ کے اثبات کے لئے مخاطب سے اقرار لیا جاسکتا ہے اور پھر اسی اقرار سے استناد کرتے ہوئے اپنے عقیدہ کو ثابت اور اس کے عقیدہ کو رد کیا جاسکتا ہے۔ امام سجادؑ نے کوفہ میں اسی طریقہ سے خطبہ دیا:

هَلْ تَعْلَمُونَ اَنَّكُمْ كَتَبْتُم اِلَى اَبِى وَ خَدَعْتُمُوهُ وَ اَعْطِيتُمُوهُ مِنْ اَنْفُسِكُمُ الْعَهْدَ وَ الْمِيثَاقَ وَ الْبَيْعَةَ ثُمَّ قَاتَلْتُمُوهُ وَ خَذَلْتُمُوهُ...بِاَيَّةِ عَيْنٍ تَنْظُرُونَ اِلَى رَسُولِ اللهِ يَقُولُ لَكَمْ قَتَلْتُم عِتْرَتِى وَ انْتَهَكْتُم حُرْمَتِى فَلَسْتُم مِنْ اُمَّتِى۔ترجمہ: کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھا اور پھر انہیں دھوکا دیا۔ تم نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا لیکن پھر ان سے جنگ کی اور انہیں تنہا چھوڑ دیا۔...تم کس طرح پیغمبر اکرمؐ سے نظریں ملاؤ گے، جب وہ تم سے کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو مار ڈالا اور میری حرمت کو پامال کیا، تم میری امت میں سے نہیں ہو۔[1]

شام میں امام سجادؑ خطبہ دے رہے تھے۔ امامؑ کی تقریر کو ختم کرنے کے لئے یزید نے مؤذن کو اذان دینے کے لئے کہا۔ مؤذن اذان دینا شروع کرتا ہے۔ جیسے ہی اس نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا، امامؑ جو ابھی منبر پر تشریف فرما تھے، نے یزید کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"يَا يَزِيدُ هَذَا اَبِى اَمْ اَبُوكَ۔ قَالَ بَلْ اَبُوكَ۔ترجمہ: اے یزید! یہ محمد جن کا نام ابھی اذان میں لیا گیا وہ ہمارے جد تھے یا تیرے؟ یزید نے کہا تمہارے جد تھے۔"[2]

گویا امامؑ اس سوال کے ذریعہ یزید کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تو کہتا ہے کہ پیغمبرؐ تیرے جد تھے تو تو جھوٹ بول رہا ہے اور کفر بک رہا ہے اور اگر تجھے یقین ہے کہ پیغمبر اکرمؐ میرے جد تھے تو پھر کیوں اور کس جرم میں تو نے ان کے خاندان کا قتل کیا۔ اس طرح سے دشمن سے اقرار لینے سے ان تمام پروپگنڈوں پر پانی پھر گیا جس میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ قیدی خوارج ہیں۔

یزید اس رسوائی کے بعد مجبور ہو کر اپنے ظالمانہ رویہ سے پیچھے ہٹا اور جو کچھ اس نے اہلبیت کے ساتھ کیا تھا، ان سے ظاہری طور پر برائت کرنے لگا اور اس واقعہ کے لئے کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو ذمہ دار ٹھرایا۔[3]

۱۔ طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج علی اہل اللحجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۵
۲۔ ایضاً، ص ۳۱۱
۳۔ مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۳۹

کنایہ: مناظرہ کرنے والا کبھی کبھی اپنی بات کو کنایہ کی شکل میں بیان کرتا ہے۔ امام سجادؑ نے کربلا سے شام اور مدینہ واپس آنے تک جو خطبے دئے، ان میں بہت سے مقامات پر کنایتاً اپنی بات کو بیان کیا ہے جو کہ مخاطب پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً کوفہ میں امامؑ نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے اپنے بارے میں بتایا اور بنی امیہ کا نام لئے بغیر اہلبیت پر پڑنے والی مصیبتوں سے انہیں آگاہ کیا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَنِی فَقَدْ عَرَفَنِی وَ مَنْ لَمْ یَعْرِفْنِی فَاَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ،اَلْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَیْرِ ذَحْلٍ وَ لَا تِرَاتٍ ، اَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِکَ حَرِیمُهُ وَ سُلِبَ نَعِیمُهُ وَ انْتُهِبَ مَالُهُ وَ سُبِیَ عِیَالُهُ ، اَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْراً فَکَفَی بِذَلِکَ فَخْراً۔

ترجمہ: جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں حسین کا بیٹا علی ہوں جسے فرات کے کنارے بغیر کسی قصاص یا خون کے بدلے کے قتل کر دیا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کی حرمت کو پامال کیا گیا اور اس کے مال کو لوٹا گیا اور اس کے اہل و عیال کو قیدی بنایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے گھیر کر مار دیا گیا اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے۔[۱]

ایک روایت کے مطابق امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب امام سجادؑ مدینہ واپس آئے تو ابراہیم فرزند طلحہ بن عبیداللہ نے آپ سے ملاقات کی اور پوچھا کس کی جیت ہوئی؟ تو امامؑ نے فرمایا:

"ذَا اَرَدْتَ اَنْ تَعْلَمَ مَنْ غَلَبَ وَ دَخَلَ وَقْتُ الصَّلاَةِ فَاَذِّنْ ثُمَّ اَقِمْ۔ ترجمہ: اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میدان جنگ میں کون جیتا تو نماز کے وقت اذان اور اقامہ کہو[۲]۔"

امامؑ کے اس مختصر سے جملہ کی اس طرح تفسیر کی جا سکتی ہے کہ ہمارا قیام پیغام وحی و رسالت کو زندہ رکھنے لئے تھا اور جب تک گلدستہ اذان سے اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کی آواز سنائی دے گی، ہماری فتح کا اعلان ہوتا رہے گا۔

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۵

۲۔ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۷۷

فطرت کو بیدار کرنا: مناظرہ میں سامنے والے کی فطرت کو بیدار کرکے اسے سوچنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے تاکہ صحیح و غلط کا اسے اندازہ ہوجائے اور حق کے سامنے وہ سر تسلیم خم کرلے۔ کوفہ میں امام سجادؑ نے اپنے خطبہ میں کوفیوں کی سرزنش کرتے ہیں اور ان کے گناہ کے بارے میں بتاتے ہیں تاکہ شاید ان کا خفتہ ضمیر بیدار ہوجائے:

"اَیُّهَا النَّاسُ نَاشَدْتُکُم بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُونَ اَنَّکُم کَتَبْتُم اِلَی اَبِی وَ خَدَعْتُمُوهُ وَ اَعْطَیْتُمُوهُ مِنْ اَنْفُسِکُمُ الْعَهْدَ وَ الْمِیثَاقَ وَ الْبَیْعَةَ ثُمَّ قَاتَلْتُمُوهُ وَ خَذَلْتُمُوهُ فَتَبّاً لَکُم مَا قَدَّمْتُم لِاَنْفُسِکُم وَ سُوءً لِرَایِکُمْ بِاَیَّةِ عَیْنٍ تَنْظُرُونَ اِلَی رَسْولِ اللّٰهِ یَقُولُ لَکُم قَتَلْتُم عِتْرَتِی وَ انْتَهَکْتُم حُرْمَتِی فَلَسْتُم مِنْ اُمَّتِی۔

ترجمہ: اے لوگو! خدا کی قسم کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھا اور پھر انہیں دھوکا دیا۔ تم نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا لیکن پھر ان سے جنگ کی اور انہیں تنہا چھوڑ دیا... تم نے یہ کیسا زاد آخرت بھیجا ہے۔ تم کس طرح پیغمبر اکرمؐ سے نظریں ملاؤگے، جب وہ تم سے کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو مار ڈالا اور میری حرمت کو پامال کیا، تم میری امت میں سے نہیں ہو[1]۔

اس وقت لوگوں کے رونے کی آواز بلند ہوگئی اور وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے ہم ہلاک ہوگئے۔ امامؑ نے اپنے خطبہ کو جاری رکھا:

...وَ رَبِّ الرَّاقِصَاتِ اِلَی مِنًی فَاِنَّ الْجُرْحَ لَمَّا یَنْدَمِلْ قُتِلَ اَبِی بِالاَمْسِ وَ اَهْلُ بَیْتِه مَعَهُ فَلَمْ یَنْسَنِی ثُکْلُ رُسُولِ اللّٰهِ وَ ثُکْلُ اَبِی وَ بَنِی اَبِی وَ جَدِّی شَقَّ لَهَازِمِی وَ مَرَارَتُهُ بَیْنَ حَنَاجِرِی وَ حَلْقِی وَ غُصَصُهُ تَجْرِی فِی فِرَاشِ صَدْرِی وَ مَسْالَتِی اَنْ لَا تَکُونو لَنَا وَ لاَ عَلَیْنَا۔

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۵

ترجمہ: قسم ہے ان اونٹوں کی جو حاجیوں کو منی لے جاتے ہیں، میرے باپ اور ان کے اہلبیت کے قتل کی وجہ سے جو زخم میرے دل پر لگا وہ ابھی مندمل نہیں ہوا ہے۔ پیغمبرؐ کا داغ ابھی فراموش نہیں ہوا ہے اور میرے باپ اور میرے جد اور باپ کے بیٹے کے داغ نے میرے چہرے کو سفید کر دیا ہے اور اس کی تلخی ابھی بھی میری حلق میں ہے اور اس کا غم میرے سینہ میں ہے اور میری یہی خواہش ہے کہ تم نہ میرے ساتھ رہو اور نہ ہی ہمارے خلاف [1]۔

جب اہلبیت عصمت و طہارت رسن بستہ دربار یزید میں کھڑے تھے تو امام سجادؑ نے یزید کی فطرت کو نشانہ بناتے ہوئے فرمایا:

اَنْشُدُکَ اللّٰهَ یَا یَزِیدُ مَا ظَنُّکَ بِرَسُولِ اللّٰهِ لَو رَآنَا عَلی هَذِهِ الْحَالَةِ۔ ترجمہ: اے یزید! خدا کی قسم! تمہارا کیا خیال ہے اگر رسول خداؐ اس حالت میں ہم سے ملاقات کریں گے تو کیا کریں گے [2]۔

اسی مجلس میں یزید خطیب کو حکم دیتا ہے کہ وہ منبر پر جائے اور امام حسینؑ اور ان کے والد کی شان میں گستاخی کرے۔ خطیب منبر پر جاتا ہے اور حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ اس وقت امام سجادؑ اس خطیب کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

"وَیْلَکَ اَیُّهَا الْخَاطِبُ! اَشْتَرَیْتَ مَرْضَاةَ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ فَتَبَوَّا مَقْعَدَکَ مِنَ النَّارِ۔ ترجمہ: وائے ہو تم پر اے خطیب! تم نے بندوں کی خوشنودی کے مقابلہ میں اللہ کا غضب خرید لیا۔ تم نے جہنم میں اپنا ٹھکانا تیار کرلیا ہے۔ [3]"

مغالطہ کے جال سے بچنا: مناظرہ میں علم وآگاہی، فصاحت و بلاغت اور دوسرے بہت سے امور کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی دھیان رہے کہ کبھی بھی سامنے والے کے مغالطہ کے جال میں نہیں آنا

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللحجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۵

۲۔ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۳۲

۳۔ سید بن طاوس علی بن موسی، لہوف، ص ۲۵۲؛ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۳۷

چاہئے۔اس سے پہلے بھی بیان کیا جاچکا کہ یزید کے دربار میں امام سجادؑ کی تقریر سن کر لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہوگیا، سب رونے لگے اوریزید کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں بغاوت نہ ہو جائے۔ اس نے فوراً مؤذن کو اذان دینے کے لئے کہا۔ یہ ایک طرح کا مغالطہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ امامؑ کا کلام منقطع ہو جائے۔ مؤذن نے اذان شروع کی۔ جیسے ہی اس نے اللہ اکبر کہا، امامؑ نے فرمایا: لا شیء اکبر من اللہ۔ کوئی بھی شئے اللہ سے بڑی نہیں ہے۔جب مؤذن نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو امامؑ نے فرمایا: شَهِدَ بِهَا شَعْرِی وَ بَشَرِی وَ لَحْمِی وَ دَمِی۔ میرا گوشت، میری پوست اور میرا خون اللہ کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے۔جب مؤذن نے اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو امامؑ گریہ کرنے لگے اور پھر یزید کی طرف رخ کرکے فرمایا:

”مُحَمَّدٌ هَذَا جَدِّی اَمْ جَدُّکَ یَا یَزِیدُ! فَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّه جَدُّکَ فَقَد کَذَبْتَ وَ کَفَرْتَ وَ اِنْ زَعَمْتَ اَنَّهُ جَدَّی فَلَمَ قَتَلْتَ عِتْرَتَه۔ ترجمہ: اے یزید! یہ پیغمبر میرے جد ہیں یا تیرے؟ اگر تو کہتا ہے کہ تیرے جد ہیں تو تو جھوٹ بولتا ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ یہ میرے جد ہیں تو پھر یہ بتادے کہ تو نے میرے باپ کو کیوں ناحق قتل کیا اور ان کے اہلبیت کو قیدی بنایا[۱]۔

اس طرح امام سجادؑ نے نہ صرف یہ کہ یزید کے مغالطہ کا جواب دیا بلکہ اپنے آپ کو اور اہلبیت عصمت وطہارت کو پہچنوایا اور لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ قیدی کوئی خارجی نہیں بلکہ خاندان رسولؐ ہیں۔

مؤثر زبان کا استعمال: مخاطب میں حقیقت کی جستجو کا شوق پیدا کرنا بہت اہم ہے۔امام سجادؑ نے واقعہ عاشورہ کے بعد اپنے خطبوں میں اس روش کا استعمال کیا اور شعر بھی پڑھا۔ کوفیوں کو ان کی پیمان شکنی پر سرزنش کرتے ہوئے امام سجادؑ نے فرمایا:

فَلَا تَفْرَحُو یَا اَهْلَ کُوفَةَ بِالَّذِی　　اُصیبَ حُسَینٌ کَانَ ذَالِکَ اَعْظَمَا
قَتِیلٌ بِشَطِّ النَّهْرِ نَفْسِی فَدَاؤُهُ　　جَزَاءُ الَّذِی اَرْدَاهُ نَارُ جَهَنَّمَا

۱۔ بحارالانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۳۹

ترجمہ :اے کوفے والو! حسین پر جو مصیبت پڑی ہے اس سے خوش نہ ہو، شط فرات کے کنارے جسے قتل کیا گیا، جس نے اسے قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے۔

شام سے واپسی کے بعد امام سجادؑ نے مدینہ میں ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے امویوں کے ظلم و ستم کو بیان کیا اور لوگوں کو مجلس عزا برپا کرنے اور ماتم کرنے کی طرف دعوت دی۔آپ فرماتے ہیں:

اَیُّهَا النَّاسُ فَاَیُّ رِجَالَاتٍ مِنْكُمْ یُسَرُّونَ بَعْدَ قَتْلِهٖ اَمْ اَیُّ فُؤَادٍ لَا یَحْزُنُ مِنْ اَجْلِهٖ اَمْ اَیَّةُ عَینٍ مِنْكُمْ تَحْبِسُ دَمْعَهَا وَ تَضَنَّ عَنِ انْهِمَالِهَا فَلَقَد بَكَتِ السَّبْعُ الشِّدَادُ لِقَتْلِهٖ وَ بَكَتِ الْبِحَارُ بِاَمْوَاجِهَا وَ السَّمَاوَاتُ بِاَرْكَانِهَا وَ الْاَرْضُ بِاَرْجَائِهَا وَ الْاَشْجَارُ بِاَغْصَانِهَا وَ الْحِیتَانُ وَ لُجَجُ الْبِحَارِ وَ الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَ اَهْلُ السَّمَاوَاتِ اَجْمَعُونَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَیُّ قَلْبٍ لَا یَنْصَدِعُ لِقَتْلِهٖ اَمْ اَیُّ فُؤَادٍ لَا یَحِنُّ اِلَیْهِ اَمْ اَیُّ سَمْعٍ یَسْمَعُ هٰذِهِ الثُّلْمَةَ الَّتِی ثُلِمَتْ فِی الِاسْلَامِ وَ لَا یَصُمُّ۔

ترجمہ: اے لوگو! اس مصیبت کے بعد تم میں سے کون خوش رہ سکتا ہے۔ کس دل میں آنخضرت کا غم نہیں ہے۔ کون اپنے آنسو روک سکتا ہے جب کہ ساتوں آسمانوں نے اس کی مصیبت میں گریہ کیا اور دریا اپنی لہروں کے ساتھ، آسمان اپنے سارے ارکان کے ساتھ، زمین اپنی گہرائیوں تک، درخت اپنے شاخوں کے ساتھ، مچھلیاں اور ملائکہ مقرب الٰہی اور آسمان میں رہنے والے اس مصیبت میں روئے۔ اے لوگو! کون دل ہے جو آنخضرت کے غم میں غمگین نہیں ہوا۔ کس کان نے اس سے زیادہ مصیبت سنی ہے۔[۱]

سوال کرنا: سوال کے ذریعہ ہم مخاطب کو جواب دینے پر مجبور کر سکتے ہیں تاکہ اس کا باطل ہونا آشکار ہو سکے۔اہلبیت عصمت و طہارت کا قافلہ دربار یزید میں پہنچا۔ دربار میں موجود ایک شامی بوڑھا اہلبیت کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرتا ہے۔امام سجادؑ کو معلوم تھا کہ اس بوڑھے کو اہلبیت کی شناخت نہیں ہے

۱۔ لہوف، ص ۲۷۲؛ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۴۸

اسی وجہ سے وہ اس طرح کی زبان بول رہا ہے۔آپ نے اپنے آپ کو پہچنوانے کے لئے سوال وجواب کا طریقہ اختیار کیا اور فرمایا:

اَمَا قَرَأْتَ کِتَابَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ ؟ قَالَ نَعَمْ، فَقَالَ لَهُ اَمَا قَرَأْتَ فِی الآیَۃِ : "قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیهِ اَجْراً اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ"[1] نَحْنُ اُولَئِکَ فَهَلْ تَجِدُ لَنَا فِی سُورَۃِ بَنِی اِسْرَائِیلَ حَقّاً خَاصَّةً دُونَ الْمُسْلِمِینَ؟ اَ مَا قَرَأْتَ هَذِهِ الآیَۃَ "وَ آتِ ذَا الْقُرْبیٰ حَقَّهُ"[2] فَنَحْنُ اُولَئِکَ الَّذِینَ اَمَرَ اللهُ نَبِیَّهُ اَنْ یُؤْتِیَهُمْ حَقَّهُم، نَعَمْ فَهَلْ قَرَأْتَ هَذِهِ الآیَۃَ "وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنَمْتُم مِنْ شَیءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُولِ وَ لِذِی الْقُرْبیٰ"[3] فَنَحْنُ ذُوالْقُرْبَی فَهَلْ تَجِدُ لَنَا فِی سُورَۃِ الاَحْزَابِ حَقّاً خَاصَّةً دُونَ الْمُسْلِمِینَ؟... اَمَا قَرَأْتَ هَذِهِ الآیَۃَ "اِنَّمَا یُرِیدُ اللهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیرًا"[4]۔

ترجمہ: کیا تم نے قرآن کی قرائت کی ہے؟.. کیا اس آیت کو پڑھا ہے: اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر مجھے تم سے اپنے قرابتداروں کی محبت چاہئے۔ ہم وہی قربیٰ اور رسولؐ کے قرابت دار ہیں جن کی مودت کی آپ نے درخواست کی ہے۔ کیا سورہ بنی اسرائیل میں ہمارے حق کے بارے پڑھا ہے جس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں ہے۔.. کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے: ان کے حق کو ادا کرو۔ ہم ہی وہ گروہ ہیں جن کے بارے میں رسولؐ نے کہا ہے کہ ان کا حق ادا کردو۔ شامی بوڑھے نے کہا کیا آپ واقعی وہی ہیں؟ امامؑ نے فرمایاہاں۔ کیا تم نے اس آیت کو پڑھا ہے کہ جو بھی غنیمت تمہیں ملتا ہے اس کا خمس اللہ، رسولؐ اور ان کے قرابت داروں سے متعلق ہے۔ ہم ہی ذوالقربیٰ ہیں۔ کیا سورہ احزاب میں اس حق کے بارے میں پڑھا ہے جو صرف ہم سے

۱۔ سورہ شوری، آیت ۲۳
۲۔ سورہ اسراء، آیت ۲۶
۳۔ سورہ انفال، آیت ۴۱
۴۔ سورہ احزاب، آیت ۳۳

مخصوص ہے نہ کہ دوسرے مسلمانوں سے۔ کیا تم نے اس آیت کو نہیں پڑھا جہاں ارشاد ہوتا ہے بے شک اللہ نے ارادہ کیا ہے کہ گناہ اور رجس کو تم سے دور رکھے۔[1]

معتبر کتابوں میں ملتا ہے کہ ان سب باتوں کو سن کر وہ شامی بوڑھا ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور تین بار کہتا ہے: پالنے والے! میں تیری درگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور آل محمد کی عداوت سے توبہ کرتا ہوں اور اہلبیت کے قاتلین سے بیزاری چاہتا ہوں۔ میں نے قرآن پڑھا تھا لیکن اب تک ان باتوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔[2]

یزید یہ ظاہر کر رہا تھا کہ امام حسینؑ کی شہادت اللہ کی مرضی کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ اس نے امام سجادؑ کو مخاطب کر کے کہا: اللہ کا شکر کہ تیرا باپ مارا گیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: عَلَى مَنْ قَتَلَ اَبِی لَعْنَةُ اللهِ اَفْتَرَانِی لَعَنهُ اللهَ عَزَّوَ جَلَّ۔ ترجمہ: اللہ کی لعنت ہو میرے باپ کے قاتلوں پر۔ اے یزید! کیا تو سمجھتا ہے میں نے خدا پر لعنت کی ہے اور یزید کوئی جواب نہ دے سکا۔[3]

مخاطب کی شناخت: علمی فوقیت اور فن بیان کے علاوہ مناظرہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مخاطب کو پہچانے اور اس کے حالات کو اس خاص ماحول میں سمجھے تا کہ اسی کی مناسبت سے بات کر سکے۔ کوفہ وشام میں امام سجادؑ کے خطبوں میں یہ نکتہ بخوبی مشہود ہے۔ کوفیوں نے امام حسینؑ سے بیعت کی اور آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور پھر اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور آپ سے جنگ کی، لہٰذا امام سجادؑ نے کوفہ میں جو خطبہ دیا ہے اس میں زیادہ تر کوفیوں کی سرزنش کی گئی ہے تا کہ انہیں اندازہ ہو کہ انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے اور شاید ان کا خفتہ ضمیر بیدار ہو جائے۔ اس کے برعکس شامی لوگ اہلبیت پیغمبرؐ کو نہیں جانتے تھے۔ ان کو نہیں پتہ تھا کہ حسینؑ کون ہیں اور امیر المؤمنینؑ کی کیا منزلت ہے۔ اسی وجہ سے امام سجادؑ نے شام کے اپنے خطبہ میں پیغمبر اسلامؐ سے اپنے انتساب کو ظاہر کیا اور امیر المومنینؑ اور جناب فاطمہ (س) کے فضائل بیان کئے تا کہ لوگ سمجھ سکیں کہ یہ قیدی رسول خداؐ کے قرابتدار اور بہترین مسلمان ہیں نہ کہ

۱۔ طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۷؛ لہوف، ص ۲۸۳
۲۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۷
۳۔ ایضاً، ص ۳۱۱

خارجی، اور ان کو قتل کرنے اور اسیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مدینہ کے لوگ بھی اہلبیت کو اچھی طرح سے جانتے تھے لہٰذا ان کے تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ امام سجادؑ نے مدینہ میں زیادہ تر واقعہ کربلا کا تجزیہ کیا اور لوگوں کو مجلس عزا برپا کرنے کی ترغیب دلائی تاکہ یہ تحریک فراموش نہ ہونے پائے۔[1]

صراحت بیان اور بہادری: ابن زیاد اور یزید کے دربار میں امام سجادؑ کی تقریریں اس بات کی گواہ ہیں کہ آپ نے پوری بہادری اور صراحت کے ساتھ دشمن کی باتوں کا جواب دیا ہے۔ جب خاندان عصمت و طہارت کا قافلہ یزید کے دربار میں پہنچا تو یزید نے امام سجادؑ سے کہا اللہ کا شکر کہ تیرے باپ کو قتل کر دیا۔ امام نے فرمایا: قَتَلَ اَبِیَ النَّاسُ۔ لوگوں نے میرے باپ کا قتل کیا۔ یزید نے کہا اللہ کا شکر کہ تیرے باپ کے قتل سے مجھے سکون مل گیا۔ حضرتؑ نے فرمایا عَلَی مَنْ قَتَلَ اَبِی لَعْنَةُ اللهِ۔ اللہ کی لعنت ہو میرے باپ کے قاتلوں پر۔

یہ واقعہ دوسرے طریقہ سے بھی نقل ہوا ہے۔ ابن زیاد کے دربار میں جب امام سجادؑ نے اپنا تعارف کرایا تو یزید نے کہا کیا علی بن حسین کربلا میں قتل نہیں ہوا۔ امامؑ نے فرمایا میرا ایک بڑا بھائی تھا جسے لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابن زیاد نے کہا اللہ نے اسے قتل کیا۔ امامؑ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا[2]۔ اس جواب سے ابن زیاد کو غصہ آگیا اور اس نے کہا تم میری بات کو رد کر رہے ہو۔ اسے قتل کردو۔ یہاں پر جناب زینب(س) نے اپنے بھتیجے کی جان بچائی۔[3]

سامنے والے کے مورد قبول امور سے استناد: مناظرہ کی کامیابی کا ایک راز یہ ہے کہ احتجاج کرنے والا ایسے امور سے استدلال کرے جسے سامنے والا بھی مانتا ہو۔ امام سجادؑ کے احتجاجات میں یہ بات عیاں ہے۔ امام سجادؑ، بوڑھے شامی کے سوال کے جواب میں ایسے امور سے استناد کرتے ہیں جنہیں وہ مانتا ہے:

اَصْبَحْتُ فِي قَومِنَا بِمَنْزِلَةِ بَنِي اِسْرَائِيلَ فِي آلِ فِرْعُونَ يُذَبِّحُونَ الْاَبْنَاءَ وَ يَسْتَحْيُونَ النِّسَاءَ وَ اَصْبَحَ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا يَلْعَنُ عَلَى الْمَنَابِرِ وَ يُعْطَى الْفَضْلُ وَ

۱۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)، ص ۳۱۱؛ لہوف، ص ۲۷۲؛ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۴۸
۲۔ سورہ زمر، آیت ۴۲
۳۔ لہوف، ص ۲۲۰؛ بحار الانوار (جلد ۴۵) ص ۱۱۷

الْاَمْوالُ عَلَى شَتْمِهِ وَ اَصْبَحَ مَنْ يُحِبُّنَا مَنْقُوصاً بِحَقِّهِ عَلَى حُبِّهِ اِيَّانَا۔ ترجمہ: اس حال میں ہم نے صبح کیا کہ اپنی قوم میں قوم فرعون میں بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔ ہمارے مردوں کو قتل کر دیا گیا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا اور پیغمبرؐ کے بعد بہترین خلائق کو منبر پر لعن کیا جا رہا ہے اور اسے دشنام دینے کے لئے مال و منال دیا جا رہا ہے۔ ہمارے محب ہماری محبت کی وجہ سے اپنے حق سے محروم ہوتے ہیں۔

امامؑ اپنی تقریر میں عرب اور قریش پر اہلبیت پیغمبرؐ کی فوقیت کو اس طرح ثابت کرتے ہیں:

يَا مِنْهَال اَمْسَتِ الْعَرَبُ تَفْتَخِرُ عَلَى الْعَجَمِ بِاَنَّ مُحَمَّداً عَرَبِيٌّ وَ اَمْسَتْ قُرَيْشٌ تَفْتَخِرُ عَلَى سَائِرِ الْعَرَبِ بِاَنَّ مُحَمَّداً مِنْهَا وَ اَمْسَيْنَا مَعْشَرَ اَهْلَ بَيْتِهِ وَ نَحْنُ مَغْصُوبُونَ مَقْتُولُونَ مُشَرَّدُونَ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ مِمَّا اَمْسَيْنَا فِيهِ يَا مِنْهَالُ۔

ترجمہ: اے منہال! ایک زمانہ تھا کہ عرب عجم پر فخر کرتا تھا کہ محمد عربوں میں سے ہیں۔ اور ایک زمانہ تھا کہ قریش دوسرے اعراب پر فخر کرتے تھے کہ محمد ہم میں سے ہیں۔ اور ایک زمانہ ہم پر گذرا جب ہمارا حق غصب کر لیا گیا اور ہمیں قتل کر دیا گیا۔ اور اس مصیبت میں جو ہم پر نازل ہوئی ہم صرف انا للہ وان الیہ راجعون کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں[۱]۔

گویا امامؑ ایک عقلی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ اگر قریش پیغمبر اکرمؐ سے انتساب کی وجہ سے پورے عرب پر فخر کرتے ہیں اور دوسرے اعراب بھی اس بات کو مانتے ہیں تو ہم اہلبیت عرب و عجم پر فخر کرنے کے لئے زیادہ سزاوار ہیں لیکن انہوں نے ہمارے حق کو نظرانداز کیا اور آل رسولؐ کے حق میں زیادتی کی۔

مورد قبول امور سے استناد کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اہلبیت عصمت و طہارت کے مدینہ واپسی کے بعد، ایک روز امام سجادؑ سجدہ کی حالت میں گریہ وزاری کر رہے تھے۔ امامؑ کے کسی خادم نے امامؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کے محاسن سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس نے کہا اے میرے مولا! کیا غم واندوہ کے ختم ہونے کا وقت نہیں ہوا ہے؟ امامؑ قیاس عقلی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ لہوف، ص ۲۶۰؛ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۴۳

وَیْحَکَ اِنَّ یَعْقُوب بْنَ اِسْحَاق بْنُ اِبْرَاهِیمَ کَانَ نَبِیّاً ابْنَ نَبِیٍّ کَانَ لَهُ اثْنَا عَشَرَ ابْنَاً فَغَیَّبَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَاحِداً مِنْهُم فَشَابَ رَاْسُهُ مِنَ الْحُزْنِ وَ احْدودَبَ ظَهْرُهُ مِنَ الْغَمِّ وَ ذَهَبَ بَصَرُهُ مِنَ الْبُکَاءِ وَ ابْنُهُ حَیٌّ فِی دَارِ الدُّنْیا وَ اَنَا فَقَدْتُ اَبِی وَ اَخِی وَ سَبْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِی صَرْعِی مَقْتُولِینَ فَکَیْفَ یَنْقَضِی حُزْنِی وَ یَقِلُّ بُکَائِی۔

ترجمہ: کیا کہتے ہو! حضرت یعقوب، پیغمبر اور پیغمبر زادہ تھے اور ان کے بارہ بیٹے تھے۔ اللہ نے ان کے ایک بیٹے کو ان کی نظروں سے غائب کردیا۔ اس جدائی کے صدمہ سے ان کے سر کے بال سفید ہوگئے اور کمر جھک گئی اور زیادہ رونے کی وجہ سے آنکھوں کی روشنی زائل ہوگئی جب کہ ان کا بیٹا زندہ تھا۔ لیکن میں نے اپنے باپ، بھائی اور خاندان کے سترہ لوگوں کو اپنے سامنے شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو کس طرح میرا حزن واندوہ ختم ہوسکتا ہے اور آنکھوں کا اشک خشک ہوسکتا ہے؟[1]

صبر وبردباری: رسالت الٰہیہ کی انجام دہی اور شہدائے کربلا کے خون کی حفاظت کے لئے امام سجادؑ نے صبر وبردباری کے ساتھ کوفہ وشام کے لوگوں سے گفتگو کی اور شرح صدر کے ساتھ امویوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ اس کا ایک نمونہ دربار شام میں دیکھنے کو ملتا ہے جب آل محمد کا قافلہ مسجد کی سیڑھیوں پر بٹھایا گیا جہاں اسیروں کا قافلہ ٹھرایا جاتا تھا۔ ایک شامی بوڑھا امامؑ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں قتل کیا اور فتنہ کی شاخ کو قطع کیا۔ جب اس کی بات تمام ہوئی تو امام سجادؑ نے فرمایا:

اِنّی قَدْ اَنْصَتُّ لَکَ حَتَّی فَرَغْتَ مِنْ مَنْطِقِکَ وَ اَظْهَرْتَ مَا فِی نَفْسِکَ مِنَ الْعَدَاوَةِ وَ الْبَغْضَاءِ فَانْصِتْ لِی کَمَا اَنْصَتُّ لَکَ....۔ ترجمہ: میں خاموش رہا تاکہ تیری بات پوری ہوجائے اور دل میں جو عداوت ودشمنی تھی تم نے ان کا اظہار کیا۔ اب تم بھی جس طرح میں نے تمہاری باتوں کو خاموشی سے سنی، میری باتوں کو خاموشی سے سنو۔[2]

۱۔ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۱۴۹؛ لہوف، ص ۲۸۲
۲۔ الاحتجاج علی اہل اللجاج (جلد ۲)، ص ۳۰۷

شامی بوڑھے نے کہا جو کہنا ہے کہو اور پھر امامؑ نے اسے حقائق سے آگاہ کیا یہاں تک کہ اس نے درگاہ خداوندی میں توبہ کی۔

نتیجہ:

واقعہ کربلا کے بعد امام سجادؑ کے مناظرات اور تقریروں کے تجزیہ و تحلیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے پیغمبر اسلامؐ اور اپنے جد اور والد کی راہ و روش کی پیروی کرتے ہوئے مختلف مواقع پر خطبوں کے ذریعہ اپنا تعارف کرا کر اور رسول خداؐ سے اپنی نسبت سے لوگوں کو آگاہ کرکے، امویوں کے ظلم و ستم اور سازشوں کا پردہ چاک کیا اور ان کے اصلی چہرہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔

منابع و مآخذ:

قرآن کریم

- حر عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعہ، انتشارات مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۹ق
- جمالی، نصرت اللہ، روش گفتمان یا مناظرہ، مہدیہ، قم، ۱۳۸۶ش
- دھخدا، علی اکبر، لغت نامہ، زیر نظر محمد معین و سید جعفر شہیدی، انتشارات و چاپ دانشگاہ تہران، ۱۳۷۷
- سید بن طاوس علی بن موسی، لہوف، ترجمہ عباس عزیزی، انتشارات صلاۃ، قم، ۱۳۹۱ش
- شریف قرشی، شیخ باقر، زندگی حضرت امام حسینؑ، بنیاد معارف اسلامی، ۱۳۸۰ش
- راغب اصفہانی، حسین بن محمد، ترجمہ و تحقیق مفردات الفاظ قرآن، مترجم: غلامرضا خسروی، محقق/مصحح: غلامرضا خسروی حسینی، مرتضوی، تہران، ۱۳۷۴ش
- دیلمی، حسن بن محمد، رشادات القلوب، ترجمہ رضایی، ، تہران، ۱۳۷۷ش
- طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج علی اہل اللحجاج، بہ تصحیح محمد باقر خرسان، نشر مرتضی، مشہد، ۱۴۰۳
- کلینی محمد بن یعقوب، الکافی، بہ تصحیح علی اکبر غفاری و محمد آخوندی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۴۰۷ق

❖ مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار، به تحقیق و تصحیح جمعی از محققان، انتشارات دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۳ق
❖ معین، محمد، فرهنگ معین، انتشارات امیر کبیر، تهران، ۱۳۴۳

اصحاب حسینی کے بعض فضائل و مناقب

تالیف: محمد اسماعیل عبداللہی
ترجمہ: ڈاکٹر خان محمد صادق جونپوری

کربلا اور عاشورائے حسینی سالکان راہ حق کے لئے نمونہ عمل اور رہنما ہے اور کوئی بھی دور یا نسل ایسی نہیں ہے جسے اس سراج و منہاج کی ضرورت نہ ہو۔امام حسینؑ کے باوفا اصحاب اس عظیم تحریک کا ایک حصہ اور اس کی شناخت کا ایک جز ہیں لہٰذا واقعہ کربلا کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اصحاب حسینی کو سمجھنا ضروری ہے۔اس طرح سے ہم واقعہ کربلا کے مختلف پہلوؤں کو درک کر سکتے ہیں۔امام حسینؑ کے اصحاب و انصار کی خصوصیات اور ان کے فضائل کو مختلف طریقوں سے درک کیا جاسکتا ہے:

۱. امام حسینؑ نے مختلف مواقع پر اپنے اصحاب کی خصوصیات و فضائل کو بیان کیا ہے۔
۲. مختلف مواقع پر اصحاب کا قول و فعل ان کی شان و منزلت کا مظہر ہے۔
۳. دشمنوں کی طرف سے ان کے سلسلہ میں بیان ہونے والی باتیں
۴. ان کے سلسلہ میں تاریخی روایتیں اور بزرگان قوم کے اقوال

اصحاب حسینی کی شان و منزلت کے لئے امام حسینؑ کا وہ جملہ کافی ہے جو آپ نے شب عاشورہ بیان فرمایا ہے۔امام سجادؑ فرماتے ہیں: شب عاشورہ میں اپنے بابا کے خیمہ کے قریب گیا تا کہ ان کی باتوں کو بہتر سن سکوں۔امامؑ نے اپنے اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> "فَاِنّی لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْفِی(اولی) وَ لَا خَیْراً مِنْ اَصْحَابِی۔ترجمہ: میرے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر اصحاب کسی کو نہیں ملے ہیں۔[۱]"

۱۔ مفید، شیخ، الارشاد، ص ۲۳۱

اس جملہ میں اصحاب حسینی کا سب سے زیادہ باوفا اور بہتر صحابہ کے عنوان سے تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی امامؑ نے اپنے بعض صحابیوں کی شان میں ان کی شہادت سے قبل یا شہادت کے وقت کچھ جملے ارشاد فرمائے ہیں جس سے ان کی شان و منزلت ظاہر ہوتی ہے۔

امیر المومنینؑ جب جنگ صفین کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ امام حسینؑ اور بعض دوسرے ایسے افراد موجود تھے جو واقعہ کربلا میں شریک تھے۔ آپ کا گزر سرزمین کربلا سے ہوا تو آپ نے اس عظیم واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاهاً لَکِ یَا تُرْبَةُ! لَیُحْشَرَنَّ مِنْکِ قَومٌ یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بَغَیْرِ الحسابٍ۔ ترجمہ:
اے خاک! تجھ سے ایسے لوگ اٹھیں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہونگیں۔[1]"

واقعہ کربلا کے اخبار کو نقل کرنے والے دوسرے افراد یہاں تک کہ حمید بن مسلم اور ہلال بن نافع جیسے سپاہ دشمن کے مورخین نے بھی اصحاب حسینی کے فضائل و مناقب کو نقل کیا ہے۔

اصحاب حسینی کے بعض فضائل

ہر امتحان میں کامیاب: قرآنی تعبیر کے مطابق انسان ہمیشہ معرض ابتلا اور امتحان میں رہتا ہے جسے تمحیص، اختبار، امتحان، فتنہ اور ابتلا جیسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ سورہ عنکبوت کی دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔ ترجمہ:
کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں ہوگا۔

اس امتحان میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو معرفت، محبت، تزکیہ اور تہذیب کے سہارے ساری پریشانیوں سے گزر جاتے ہیں اور ربنا اللہ کہتے ہوئے اپنے راستہ پر ثابت قدم رہتے ہیں:

۱۔ حکیمی، محمد رضا، سلونی قبل ان تفقدونی (جلد ۲)، ص ۳۷۹

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ۔ ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اسی پر جمے رہے ان پر ملائکہ یہ پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں کہ ڈرو نہیں اور رنجیدہ بھی نہ ہو اور اس جنّت سے مسرور ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔[1]

مکہ سے کربلا جاتے وقت امام حسینؑ امتحان الٰہی میں شکست و ناکامی کے علل و وجوہات پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

"النَّاسُ عَبِيدُ الدُّنْيا وَ الدّينُ لَعِقٌ عَلَى اَلْسِنَتِهِم يَحُوطُونَهُ مَا دَرَّتْ مَعَايِشُهُم فَإِذَا مُحِّصُوا بِالْبِلاءِ قَلَّ الدَّيَّانُون۔ ترجمہ: لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں تک محدود ہے۔ دین کو تبھی تک چاہتے ہیں جب تک ان کی دنیا پُرسکون ہے اور جب وہ معرض امتحان و بلا میں پڑتے ہیں تو دین داروں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔[2]"

دنیاپرست افراد امتحان الٰہی میں اس لئے ناکام ہوتے ہیں کیونکہ دین ایسے افراد کی زبان پر ہوتا ہے لیکن عملی طور وہ دین کی پیروی نہیں کرتے اور ضرورت پڑنے پر دین کو دنیا کے عوض فروخت کردیتے ہیں۔ امام حسینؑ اپنے اصحاب کو امتحان الٰہی میں کامیاب بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیعت ان کی گردنوں سے اٹھالی لیکن وہ مجھے چھوڑ کر نہیں گئے۔

نافع بن ہلال کہتے ہیں: شب عاشورہ میں نے امام حسینؑ کو اپنے خیمہ سے نکل کر دشمن کی فوج طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا یا ابن رسولؐ! رات کے اس پہر میں لشکر دشمن کی طرف آپ کا جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے اور مجھے تشویش ہے۔ امامؑ نے فرمایا میں اپنے خیموں کے آس پاس کی اونچائی کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ کہیں دشمن وہاں سے ہم پر حملہ نہ کردے۔ پھر امامؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ھی واللہ! وعدٌ لا خُلفَ فیه۔ آج شب میعاد ہے۔ آج شب موعود ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پھر امام نے ان

۱۔ سورہ فصلت، آیت ۳۰
۲۔ مؤیدی، علی، فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۹۹

پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا جو چاند کی روشنی میں نظر آرہے تھے اور فرمایا: الا تسلکُ بین هذین الجبلین فی جوف اللیل و تنجُو بنفسک۔ اے نافع! کیا تم رات کی تاریکی میں ان پہاڑوں کی طرف پناہ نہیں لینا چاہتے اور خود کو بچانا نہیں چاہتے۔

نافع کہتے ہیں: میں امامؑ کے قدموں پر گرپڑا اور کہا: میری ماں میرے غم میں سوگوار ہو! میں نے یہ تلوار ایک ہزار درہم میں اور یہ گھوڑا ایک ہزار درہم میں خریدا ہے اور خدا کی قسم آپ سے جدا نہیں ہونگا یہاں تک یہ تلوار کند ہو جائے اور گھوڑا خستہ ہو جائے۔

اس گفتگو کے بعد امام اپنی بہن جناب زینب(س) کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ نافع کہتے ہیں میں خیمہ کے باہر پہرا دے رہا تھا۔ میں نے یہ سنا کہ جناب زینب(س) اپنے بھائی کو مخاطب کرکے فرمارہی ہیں کہ اے بھائی! کیا آپ نے اپنے اصحاب کو آزمالیا ہے اور ان کی وفاداری اور صبر کا امتحان لے لیا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل وہ آپ کو دشمن کے سامنے تنہا چھوڑ دیں۔ امامؑ نے بہن کے جواب میں فرمایا:

> "اَمَّا وَاللّٰہَ لَقَد نَھَرْتُھُم وَ بَلوتُھم وَ لَیْسَ فِیھم اِلَّا الاشْوس الاَقعس یستانُسون بِالمَنیّۃِ دُونی استیناس الطّفل الی محالب (بلبن) امہ۔ ترجمہ: خدا کی قسم! ... میں نے ان کو اپنے سے دور کیا اور ان کو آزمایا۔ وہ موت سے ڈرتے نہیں اور پہاڑوں کی طرح ثابت قدم ہیں۔ وہ لوگ موت کو اتنا ہی پسند کرتے ہیں جتنا دودھ پیتا بچہ اپنے ماں کا سینہ۔[۱]"

امامؑ کے اصحاب نے مختلف امتحانوں میں کامیابی حاصل کی اور یہ امتحان صرف کربلا اور شب عاشورہ تک محدود نہیں تھا۔ امامؑ سفر کے دوران اور ہر منزل پر اپنے اصحاب کا امتحان لیتے رہے تاکہ کمزور اور ضعیف الایمان افراد کو مخلص افراد سے الگ کیا جاسکے اور کربلا میں صرف پاک و پاکیزہ افراد جمع ہوں۔

جناب مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، عبداللہ بن یقطرہ اور قیس بن مسہّر صیداوی کی خبر شہادت سن کر امامؑ سب کو اور خاص کر فرزندان عقیل کو جانے کے لئے کہتے ہیں۔ جب امامؑ نے بُشر بن عمرو کے بیٹے کی اسارت کی خبر سنی تو آپ نے فوراً بُشر کو بلایا اور اسے کچھ رقم دی تاکہ وہ اپنے بیٹے کو آزاد کراسکے۔ منزل ذی حُسم اور

۱۔ مقرم، عبدالرزاق، مقتل مقرم، ص ۲۶۲؛ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۴۵۷

عذیب الهجانات میں آپؑ نے لوگوں کو جانے کے لئے کہا۔امام سجادؑ کے قول کے مطابق، امام حسینؑ نے ہر منزل پر جناب یحییٰ کی شہادت کا واقعہ بیان کیا تاکہ اگر کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی شک و تردید ہو تو وہ الگ ہو جائے اور کربلا پاک و خالص باقی رہے۔[۱]

اصحاب حسینی جنگ سے پہلے کے امتحان اور جنگ کے دوران کے امتحان جیسے بھوک و پیاس، ساتھیوں کی شہادت، دشمنوں کا خوشی منانا وغیرہ میں کامیابی حاصل کی اور ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

معرفت و بصیرت: حق کی صحیح شناخت انسان کو حیرانی، تذبذب اور شک و تردید سے دور کرتی ہے اور انسان اسی کی بدولت سارے امتحانات میں کامیاب ہوتا ہے۔ اصحاب امام حسینؑ کو یہ معلوم تھا کہ وہ کیوں آئے ہیں، کس کے ساتھ آئے ہیں، کیا کرنا ہے اور اس راستہ کا انجام کیا ہے۔ وہ خداشناس، خودشناس، راہ شناس، امام شناس، دشمن شناس اور غلط راستے کو پہچاننے والے تھے اور اسی شناخت کی وجہ سے دشمن کے محاصرہ اور بھوک و پیاس اور تیروں کی بارش میں بھی ثابت قدم رہے اور اپنے حق پر ڈٹے رہے۔

امام حسینؑ نے شب عاشورہ میں آنے والے کل کے بارے میں بتایا اور سب کے سروں سے بیعت اتار لی اور سب کو جانے کی اجازت دے دی لیکن آپ کے با بصیرت اصحاب نے یکصدا ہو کر کہا: انا علی نیاتنا و بصائرنا۔[۲]

امیر المومنینؑ نے بصیرت کو شیطانی وسوسوں کے مقابلہ کے لئے سب سے اہم اسلحہ مانا ہے:

"اَلا وَ اِنَّ الشَّیطَانَ قَدْ جَمَعَ حِزْبَهُ وَ اسْتَجْلَبَ خَیلَهُ وَ رَجلَهُ وَ اِنَّ مَعِی لَبَصِیرَتِی۔
ترجمہ: شیطان نے اپنے گروہ کو جمع کر لیا ہے اور اپنے سوار و پیادے سمیٹ لئے ہیں، میرے ساتھ یقیناً میری بصیرت ہے۔"[۳]

امام علیؑ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۵۰ میں انسانوں کے دو گروہ کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جن کی بصیرت پر تلوار حکومت کرتی ہے: حملوا اسیافهم علی

۱۔ اشراقی، حاج میرزا محمد، اربعین الحسینیة، ص ۲۲۲
۲۔ سنگری، محمد رضا، آئینہ داران آفتاب (جلد ۱)، ص ۶۵
۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰

بصائرھم۔ ایسے لوگوں کے پاس جب قدرت وطاقت ہوتی ہے تو وہ حقیقت سے منہ پھیر لیتے ہیں اور خودبین، بے رحم اور بے تدبیر ہو جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو طاقت و قدرت ملنے پر حقیقت سے منہ نہیں موڑتا اور شمشیر ان کی بصیرت پر حکومت نہیں کرتی ہے۔حملوا بصائرھم علی اسیافھم۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ انسان چاہے کتنا بڑا عابد و زاہد و قاری و شب و زندہ دار ہو لیکن اگر اس میں معرفت و بصیرت نہیں ہے تو وہ خوارج کی طرح سیاست بازوں کے ہاتھوں کا بازیچہ بن کر رہ جائے گا اور اس کی عاقبت وہی ہوگی جس کی پیشنگوئی رسول خداؐ نے فرمائی ہے:

"یَخرجُ فِیکُم قَومٌ تَحْقِرون صَلاتکُم مَعَ صَلاتِهِم وَ صِیامَکُم مَعَ صِیامِهِم وَ اَعمالَکُم مَعَ اَعمالِهِم یقرَؤون القُرآنَ وَ لا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُم یَمْرُقون مِنَ الدِّین مُروق السهم مِنَ الرّمیة۔ ترجمہ: تمہارے درمیان ایسا گروہ پیدا ہوگا جن کے نماز و روزہ اور اعمال کے مقابلہ میں تم اپنے نماز و روزہ اور اعمال کو بہت کمتر سمجھوگے۔ وہ قرآن کی قرائت کریں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترا ہے اور جس طرح تیر کمان سے باہر نکلتا ہے اسی طرح یہ لوگ دین سے باہر نکل جائیں گے۔[۱]"

امام حسینؑ کے مقابل صف آرا ہونے والے لوگ بھی نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے تھے اور دونوں لشکر میں ایک ساتھ صدائے اذان بلند ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ روز عاشورہ نماز ظہر کے وقت شمر نے حبیب بن مظاہر کو مخاطب کرکے کہا کہ تمہاری نماز قابل قبول نہیں ہے اور ہماری نماز قبول ہے۔

یہی بات تحریک عاشورہ کا سب سے اہم سبق ہے کہ دینداری ہمیشہ عمیق بصیرت و معرفت کے ساتھ ہونی چاہئے اور اس نکتہ کی طرف توجہ دئے بغیر کہ ہم کس گروہ کے ساتھ ہیں، صرف عبادت کرنا مستحسن نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے ابن عباس کو اپنا سفیر بنا کر خوارج کے درمیان بات چیت کے لئے بھیجا۔ ابن عباس خوارج کی سادہ زیستی اور عبادت سے حیرت زدہ ہوئے اور حضرت علیؑ سے کہا:

۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ص۵۹۱

"لهُم جباهُ قرحة لطول السجود و ایدٍ کَثَفنات الابل و علیهم قُمصٌ مُرحَضه و هُم مشمَرون۔ترجمہ: طویل سجدوں کی وجہ سے ان کی پیشانی پر گھٹے پڑ گئے ہیں اور کثرت سجدے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں پر، اونٹ کے زانو کی طرح شکن پڑی ہے۔ان کے لباس پرانے اور سادہ ہیں۔ میں نے ان کو ان کے ارادوں میں مصمم اور ثابت قدم پایا۔[۱]"

معرفت و بصیرت کے فقدان کی وجہ سے انسان اپنے جذبات اور ظواہر پر بھروسہ کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ دشمن کے منصوبوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

عزت: ذلت سے بچنااور اپنی عزت و کرامت انسانی کی حفاظت کرنا، دین کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آ گئے تو ہم صاحبان عزت ان ذلیل افراد کو نکال باہر کریں گے حالانکہ ساری عزت اللہ، رسول اور صاحبان ایمان کے لئے ہے اور یہ منافقین یہ جانتے بھی نہیں ہیں۔[۲]

عاشور کے روز امام حسینؑ نے فرمایا:

"اَلا وَ اَنَّ الدعی بن الدعی قد رکزنی بین الاثنتین بین السَلَة و الذلة ، هیهات من الذلة ۔ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ! ناپاک باپ کا ناپاک بیٹا مجھے دو چیزوں میں مخیّر کر رہا ہے، تلوار (موت) اور ذلت۔بے شک ذلت ہم سے دور ہے۔[۳]"

۱۔اندلسی، ابن عبدربہ، العقد الفرید (جلد ۲)، ص ۱۳۵
۲۔سورہ منافقون، آیت ۸
۳۔بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۹

ظاہر ہے اس امامؑ کے ماننے والے بھی ہر گز ذلت وخواری کو قبول نہیں کریں گے اور عزت و سربلندی کے ساتھ مرنے کو ترجیح دیں گے۔ ذلت پذیری کی اصل وجہ دنیا طلبی اور حرص و طمع ہے۔ اگر انسان کے دل میں حرص و طمع ہوگی تو وہ بآسانی اپنی عزت کو نیلام کردے گا اور وہ ذلت وخواری میں گرفتار ہو جائے گا۔

امیرالمومنینؑ نفاق کو ذلت و حقارت کی اصل وجہ بتاتے ہیں:

"نفاق المرء مِن ذُلٍّ یجدهُ فی نَفْسِهِ۔ترجمہ: اندرونی حقارت کی وجہ سے انسان میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔[۱]"

اگر انسان اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرے گا تو اس کے اندر چند صفات پیدا ہونگیں:

۱. وہ خطرناک اور شرور ہو جائے گا۔امام ہادیؑ فرماتے ہیں:

"مَنْ هَانَتْ عَلیه نَفْسُهُ فَلا تَامَنْ شَرَّهُ۔ترجمہ: جو خود کو ذلیل وخوار کرتا ہے اس کے شر سے خود کو محفوظ نہ سمجھو۔[۲]"

جس طرح بندگان زر اور قدرت کے پیاسے لوگوں نے میدان کربلا میں کسی بھی ظلم و ستم میں کمی نہیں کی۔

۲. اس سے خیر ورحمت کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔امیرالمومنینؑ سے فرماتے ہیں۔

مَنْ هَانت علیه نَفْسُهُ فَلا ترجُ خیرهُ۔ترجمہ: جو خود کو ذلیل وخوار کرتا ہے اس سے خیر ورحمت کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔[۳]

امام حسینؑ کے اصحاب باوفا کو بارہا دشمن نے دھمکایا، لالچ دی لیکن انہوں نے ہر گز ذلت وخواری کو قبول نہیں کیا اور بہادری کے ساتھ دشمن کے تیغ و تیر و شمشیر کا استقبال کیا۔ یہ لوگ اس امامؑ کے شاگرد تھے جس نے منزل شراف میں جب حر بن یزید ریاحی نے امامؑ کا راستہ روکا تو فرمایا:

۱۔ التمیمی الامدی، عبدالواحد، غرر الحکم ودرر الحکم، ص ۲۹۸
۲۔ اصول کافی، جلد ۲، ص ۳۱۲
۳۔ غرر الحکم ودرر الحکم، ص ۲۳۷

"لَیسَ شَانی مَن یَخاف، ما اهون الموت علی سبیل العزّ وَ احیاء الحق ، لَیسَ الموت فِی سبیل العِزّ اِلّا حَیَاةً خَالِده وَ لَیسَتِ الحَیَاة مَعَ الذُلِّ اَلّا الموت الذی لا حیاة مَعَهُ۔افبالموت تخوفنی ؟هیهات طاشَ سَهمُک و خاب ظَنّکَ ! لستُ اَخافُ الموت، اِنَّ نفسی لاکبرُ مِن ذلک و همتی لَاَعلی مِن اَن اَحمِلَ الضَیم خَوفاً مِنَ الموت وَ هَل تقدرون عَلی اکثر مِن قتلی مرحباً بالقتل فی سبیل الله و لکنکم لاتقدرون عَلی هَدمَ مجدی و محو عزتی و شرفی و اذاً لا اُبالی بالقتل۔ترجمہ: میری شان و منزلت موت سے ڈرنے والوں کی شان و منزلت نہیں ہے۔ عزت کے حصول اور احیائے حق کی راہ میں موت کتنی آسان و دلپذیر ہے۔ عزت کی راہ میں موت جاودانگی اور ذلت کے ساتھ جینا موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیا تو مجھے موت کا خوف دلاتا ہے ؟ میں موت سے ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں... کیا تو مجھے قتل کرنے کے علاوہ کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔ درود و سلام ہو اللہ کی راہ میں موت پر! تم ہماری عزت و شرف کو ختم نہیں کر سکتے۔[۱]"

امام صادقؑ کے قول کے مطابق اصحاب حسینی کو یہ یقین تھا کہ :

"اِنَّ اللهَ فَوَّضَ اِلَی المُؤمن اُموره کُلّها وَ لَم یفوّضُ اِلَیه اَنْ یکون ذلیلاً۔ترجمہ: اللہ تعالی نے ہر چیز کو مؤمن کے حوالہ کر دیا ہے لیکن اسے ذلیل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے۔[۲]"

اصحاب امام حسینؑ نے اپنے مولا کے اس قول کو اپنا سرلوحہ قرار دیا تھا کہ موت فی عز خیر من حیاة فی ذل۔[۳]

۱۔ شوشتری، قاضی نور اللہ، احقاق الحق وازہاق الباطل (جلد ۱۱)، ص ۶۰۱
۲۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار (جلد ۱۵)، ص ۶۳
۳۔ شہر آشوب، ابو جعفر محمد بن علی، مناقب ابن شہر آشوب (جلد ۴)، ص ۶۸

حریت پسندی: آزادگی در حقیقت دو چیزوں سے رہائی کا نام ہے: ایک طول امل اور دوسرا حرص و طمع۔ حضرت علیؑ کی تعبیر کے مطابق حرص و طمع کے اسیر دھوکہ کھانے والے لوگ ہیں:

"اَکْذِبِ الاَمَلَ وَ لَا تثقْ بِهِ فَاِنَّهُ غرورٌ وَ صَاحِبُهُ مَغرورٌ۔ ترجمہ: دھوکہ دینے والی آرزوؤں کو حقیقی نہ سمجھو اور اسے اپنی تکیہ گاہ نہ بناؤ کیونکہ آرزو انسان کو دھوکہ دیتی ہے اور انسان اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔[1]"

حرص و طمع کی وجہ سے جوانمردی کے پاؤں سست پڑ جاتے ہیں۔ جو شخص خود کو ان دونوں برائیوں سے بچالے گا اور حق کے راستہ پر آجائے گا وہ آزاد یا حر ہے۔ آزاد لوگ چاپلوسی اور تملّق نہیں کرتے۔ امام علیؑ کے قول کے مطابق ایسے لوگوں کی جزا صرف و صرف اکرام واحترام ہے: لَیسَ لِلاحرارِ جَزاءً الا الاکرام۔[2]

اصحاب حسینی تمام دنیاوی تعلقات اور سرگرمیوں سے بری تھے۔ ان کے دل میں موجود ایمان انہیں حرص و طمع، بخل و طول امل سے محفوظ رکھے ہوئے تھا اور مختلف قرآنی آیتوں کے مطابق ایمان کے نتیجہ میں انسان کو خوف و حزن سے نجات ملتی ہے۔ لا خوف علیھم و لاھم یحزنون۔[3]

عبداللہ بن عمیر کلبی جن کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، انہوں نے ماں اور بیوی کی آنکھوں کے سامنے دشمنوں سے جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔ عمرو بن جُنادہ وہ نوجوان ہے جس کا باپ پہلے ہی تیر کی بارشوں کی وجہ شہید ہو چکا ہے۔ اس نے بہت بہادری سے دشمنوں سے جنگ کی اور شہادت کے بعد جب دشمن نے اس کے سر کو اس کی ماں کی طرف پھینکا تو اس کی ماں نے یہ کہتے ہوئے اس کے سر کو واپس میدان کی طرف پھینک دیا کہ ہم جو چیز راہ خدا میں قربان کردیتے ہیں اسے واپس نہیں لیتے۔[4]

امام حسینؑ نے مکہ سے عراق کے لئے روانہ ہوتے وقت فرمایا:

۱۔ محلاتی، رسول، ترجمہ و شرح غرر الحکم، ص ۱۰۲
۲۔ ایضاً
۳۔ سورہ یونس، آیت ۶۲
۴۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، ص ۱۹۳

"مَنْ کَانَ فینا باذلاً مُھجته مُوطناً عَلَی لقاء اللہ نَفْسه فَلْیَرحَلْ مَعَنا فَاِنّی رَاحلٌ مُصْبحاً ان شاء اللہ ۔ترجمہ: جو بھی ہماری راہ میں اپنا خون بہاسکتا ہے اور لقائے پروردگار کے لئے اپنی جان دے سکتا ہے وہ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ میں کل صبح انشاء اللہ روانہ ہو رہا ہوں۔"

اصحاب حسینی کے مد مقابل سپاہ عمر سعد ہے جو پوری طرح سے دنیاداری میں ملوث ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ امام حسینؑ فرزند رسول ہیں، ان سے جنگ کرتا ہے۔

ولایت و برائت کا مرکز: مؤمن اور مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دینداروں سے اپنی محبت و مودت کا اور ظالم و برے لوگوں سے اپنی برائت و نفرت کا اظہار کریں۔ائمہ اطہار کے زیارت ناموں میں بھی اس اہم نکتہ کی طرف تاکید کی گئی ہے۔سلام و لعنت، سلم و حرب اور قرب و برائت بہت اہم ہے۔یعنی اس بات کا تعین کرنا ہوگا کہ ہم کس کے ساتھ ہیں اور کس سے نفرت کرتے ہیں اور زیارت ناموں میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔نیمہ رجب میں زیارت امام حسینؑ میں ہم پڑھتے ہیں:

"اِنّی اَتَقَرَّبُ اِلَی اللہِ بِزیارتکم و بمحبتکم وَ ابرءُ اِلَی اللہ مِنْ اَعْدَاءِ کُم۔ترجمہ: میں آپ کی زیارت اور محبت کے ذریعہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اسی محبت کے ذریعہ دشمنوں سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔[۱]"

قرآن کریم میں بھی جب پیغمبر اسلامؐ کے ساتھیوں کا تعارف کرایا جاتا ہے تو ان کی سب سے اہم خصوصیت اشداء علی الکفار و رحماء بینھم[۲] بتائی جاتی ہے۔یعنی ان کے برتاؤ میں دشمنوں اور دوستوں کے لئے ایک متعادل حد میں شدت و رحمت پائی جاتی ہے۔

دین ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم اچھے اور برے دونوں لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتے ہیں۔یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اچھے لوگوں سے بھی محبت کریں اور برے لوگوں سے بھی۔اس طرح کی طرز فکر، دینی تعلیمات کے خلاف ہے:

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۴۲۳
۲۔ سورہ فتح، آیت ۲۷

كمالُ الدين ولايتُنا والبرائةِ مَنْ عَدُوِّنا۔ ترجمہ: کمال دین ہماری ولایت کا قبول کرنااور ہمارے دشمنوں سے برائت ہے۔[۱]

امام صادقؑ دشمنوں سے نفرت و بیزاری کو محبت میں صداقت کی دلیل مانتے ہیں:

هَيْهَات كَذَّبَ مَنِ ادّعى مُحبّتنا وَ لَمْ يَتَبَرّا مِنْ عَدُوّنا۔ ترجمہ: جھوٹا ہے وہ شخص جو ہماری دوستی کا دم بھرتا ہے لیکن ہمارے دشمنوں سے دوری اختیار نہیں کرتا ہے۔[۲]

کربلا اچھے لوگوں سے محبت اور برے لوگوں سے اظہار برائت و نفرت کی جلوہ گاہ ہے۔ یاران حسینی پوری محبت و عشق کے ساتھ امام عالی مقام کی پیروی کرتے ہیں اور جب دشمنوں سے سامنا ہوتا ہے تو ذرہ برابر بھی ان سے جنگ کرنے میں شک و تردید میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اصحاب حسینی کی رجز میں اس طرح کی رحمت و شدت اور تولا و تبرا کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔

حجاج بن مسروق جعفی (کربلا کے مؤذن) جب امامؑ کے پاس اذن جہاد لینے کے لئے آتے ہیں تو امامؑ اور دشمنوں کو مخاطب کرکے اس طرح رجزخوانی کرتے ہیں:

فدتک نفسی هادياً مهديا اليوم القى جدکَ النبيا
ثم اباک ذاالنَدی علياً ذاک الّذی نعرفُه الوصيا
والحَسن الخير التقی الوفيا وذا الجناحين الفتی الکميا

ترجمہ: میں آپ پر قربان جاؤں اے حسین! میں اپنی یہ ناچیز جان آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اے ہدایت پانے والے اور ہدایت کرنے والے! آج میں آپ کے جد رسول خداؐ، آپ کے والد اور جانشین رسول، علی مرتضیٰؑ، آپ کے بھائی حسنؑ جو وفا و تقوی میں سب سے برتر ہیں اور جعفر طیار و حمزہ کی زیارت کروں گا۔[۳]

۱۔ بحارالانوار (جلد ۲۷)، ص ۵۸
۲۔ ادب فنای مقربان، ص ۶۲
۳۔ رجال طوسی، ص ۷۳؛ ارشاد مفید (جلد ۱)، ص ۷۸

ابو ثمامہ صاعدی جو کربلا سے پہلے بھی امیر المومنینؑ کی رکاب میں جہاد کرچکے تھے، اپنے رجز میں خاندان پیغمبرؐ سے اپنی محبت اور ان کے دشمنوں سے اپنی نفرت و برائت کا اظہار کرتے ہیں جس کا مطلع یوں ہے:

عَــزاءً لآلِ المُصْــطَفَی وَ بَنَاتِــهِ   عَلَی حَبْسِ خَيْرِالنَّاسِ سِبْطِ محمّــدٍ

عَــزَاءً لِزَهْــراءِ النَّبــی وَ زَوْجِهَــا   خَزَانــة عِلْــم اللهِ مِــنْ بَعْــدِ اَحْمَــد[1]

دوسرے صحابہ یہاں تک کہ عمرو بن جنادہ اور جناب قاسم بن حسن جیسے نوجوانوں کے رجز میں بھی یہ ولایت و برائت بہت ہی بلیغ پیرایہ میں بیان ہوئی ہے۔

خلوص نیت: انسان کا کردار اس کے گفتار کے مطابق ہونا چاہئے یعنی وہ جو کہے اسی کے مطابق عمل کرے۔ اسی کو اخلاص کہتے ہیں۔ گفتار و کردار میں اخلاص، اصحاب حسینی کا ایک خاصہ ہے۔ اخلاص کا پہلا فائدہ شیطانی مکر و فریب سے رہائی ہے۔ شیطان نص قرآنی کے مطابق خود یہ کہہ رہا ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۲﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ ترجمہ: اس نے کہا تو پھر تیری عزّت کی قسم میں سب کو گمراہ کروں گا۔ علاوہ تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خالص بنالیا ہے۔[2]

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

فی الاخلاص یکون الخلاص۔ ترجمہ: اخلاص میں رہائی ہے۔

مخلص انسان ہوا اور ہوس کی زنجیروں کو توڑ دیتا ہے۔ اخلاص علم و یقین کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے:

سبب الاخلاص الیقین، ثمرۃ العلم اخلاص العمل۔[3]

میدان کربلا میں اصحاب حسینی خلوص نیت کے ساتھ بات کرتے ہیں، خلوص کے ساتھ عبادت کرتے ہیں، خلوص کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور خلوص کے ساتھ شہید ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ ناخالص تھے اور

۱۔ مناقب ابن شہر آشوب، ص ۱۰۵

۲۔ سورہ ص، آیت ۸۲ و ۸۳

۳۔ ری شہری، محمد محمدی، منتخب میزان الحکمۃ (جلد ۱)، ص ۴۰۲

ہوا و ہوس کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، وہ کربلا چھوڑ کر چلے گے۔ عبیداللہ بن حر جعفی اپنے سماجی حالات کا بہانہ کرکے چلاگیا۔ ہرثمہ بن ابی مسلم نے اولاد کی محبت کا بہانہ کیا، عمر بن قیس مشرقی، طرماح بن عدی اور دوسروں نے اپنی تجارت و مال واموال کا بہانہ کیا اور جنگ میں امام حسینؑ کا ساتھ نہیں دیا۔

لیکن امامؑ کے مخلص صحابیوں نے بیوی، بچوں اور گھربار کی زنجیروں کو توڑ کر اپنے آپ کو امامؑ پر قربان کردیا۔ حضرت ابوالفضل العباس نے پانی کو ہاتھ میں لیکر گرادیا اور جناب قاسم نے شہادت میں ہی تمام حلاوت و شیرینی کو تلاش کرلیا۔ بُریر بن خُضیر ہمدانی (سید القراء کربلا) نے میدان جنگ میں جاتے وقت امامؑ کو مخاطب کرکے فرمایا:

> و اللہ یابن رسول اللہ لقد مَنَّ اللہ بِکَ عَلَینا اَنْ نُقاتِلَ بینَ یَدیکَ تَقْطَعَ فیک اَعضائنا حتی یکونَ جَدَّکَ یوم القیامه بین یَدَینا شفیعاً۔ ترجمہ: اللہ کی قسم اے فرزند پیغمبرؐ! اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائی تاکہ ہم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آپ کے جد رسول خداؐ کی شفاعت حاصل کریں۔[1]

خلوص کربلا کی جان ہے اور یاران حسینی پوری تاریخ کے سب سے زیادہ باوفا اور مخلص صحابی ہیں اور امامؑ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

شجاعت و بہادری: اصحاب حسینی بہادری و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ جناب علی اکبر میدان کربلامیں اس طرح رجزپڑھتے ہیں:

الحربُ قد بانت لَهَا الحقائق — وَ ظَهَرَتْ مِنْ بَعدِها مَصادق

واللهُ رَب العرش لا نُفارِقُ — مجموعَکَم اَوْ تُغْمد البوارق

ترجمہ: جنگ کے ذریعہ حقائق آشکار ہوتے ہیں۔ اور حقیقت کے جلوے اس کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ پروردگار عرش کی قسم! میں ہرگز تم کو نہیں چھوڑں گا یہاں تک کہ میری تلوار تمہارے جسم میں درآئے یا تلوار غلاف میں کرلو۔[2]

۱۔ قمی، شیخ عباس، سفینۃ البحار (جلد ۱)، ص ۲۶۶
۲۔ آیینہ در کربلاست، ص ۳۹۷

شجاعت ہی وہ شئے ہے جس سے ہم سخت ترین حالات کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔اصحاب حسینی نے بھوک، پیاس، زخم، طعنہ اور موت کو نظرانداز کیا اور بہادری سے تیر و شمشیر کے سامنے سینہ سپر کیا اور جنگ کی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے:

قَــومٌ اِذَا نُــودوا لِــدَفْعُ مُلِمَّــةٍ　　وَالخیــلُ بیــن مَــدَعَّسٍ وَ مُکَــردس

لَبِسوا القلوبَ عَلَی الدّروعَ فَــاَقْبلوا　　یتهــافتونَ اِلَــی ذهــاب الانفــس

ترجمہ: ایسا گروہ کہ جب اسے مدد کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ اپنے دلوں پر زرہ پہن لیتے ہیں اور جانبازی کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں۔

میدان کربلا میں ہر صحابی کے مقابلہ میں کم سے کم دو سو سپاہی ہیں جو اسلحوں سے لیس ہیں اور جن کے پاس پانی اور کھانا بھی ہے لیکن اس طرف نہ پانی ہے، نہ کھانا ہے اور یہ بھی یقین ہے کہ سب مارے جائیں گے لیکن ان کے چہرے پر خوف و ہراس نہیں ہے۔ایسی حالت میں رجز پڑھنا اپنے آپ میں بہادری ہے۔خاص کر اگر رجز پڑھنے والا دس بارہ سال کا ایک نوجوان ہو جس کا باپ کچھ دیر پہلے شہید ہو چکا ہے اور جس کی داغدیدہ ماں اس کے سامنے ہے،اور ایسا سپاہی دشمن کے سامنے رجز پڑھے:

امیــری حســینٌ و نعــم الامیــر　　ســرور فــؤاد البشــیر النــذیر

علــیٌ و فاطمــهُ والــداه　　و هــل تعلمــون لــه مِــن نظیــر

لــه طلعــةٌ مثــلُ شــمس الضحی　　لــه غــرهٌ مثــل بــدر منیــر

ترجمہ: حسینؑ میرا آقا و مولا ہے اور کتنا اچھا مولا ہے۔وہ پیغمبرؐ کو سرور پہچانے والے بشیر و نذیر ہیں۔علی و فاطمہ ان کے ماں باپ ہیں۔کیا کوئی ان کے برابر کا ہے؟ان کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا ہے اور ان کی پیشانی چاندنی کی طرح ہے۔

اگر عمرو بن جُنادہ اس طرح بہادری سے لڑتا ہے تو عابس بن ابی شبیب شاکری جیسا بوڑھا انسان بھی اسی بہادری سے جنگ کرتا ہے۔عابس شب زندہ دار اور شاعر تھے۔آپ کوفہ میں راوی حدیث تھے جنہوں نے پیغمبر اسلامؐ کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔آپ نے روز عاشورہ اپنے آپ سے کہا:

"فَاِنَّ هَذَا اليوم يَنْبَغى لَنَا اَنْ نطلب فيه الاجر بِكُلّ ما قدرنا عَليه فَاِنّه لَاعَمَل بعد اليوم وَ اِنَّما هُو الحِساب۔ ترجمہ: پس بے شک ہمارے لئے مناسب ہے کہ آج کے ہی دن ہم (خدا سے) اپنے انجام دئے گئے تمام اعمال پر اجر کا مطالبہ کریں چونکہ آج کے بعد عمل نہیں صرف حساب ہوگا۔"

پھر وہ امامؑ کے پاس آئے اور کہا: یا اباعبداللہ! دنیا میں کوئی بھی شخص میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے ورنہ میں اس سے آپ کا دفاع کرتا۔ آپ پر درود ہو۔ میں اللہ تعالی کو گواہ بناتا ہوں کہ میں آپ کے اور آپ کے والد کی راہ پر ہوں۔

میدان جنگ میں کوئی بھی ان کے مقابل کا نہ تھا۔ انہوں چلا کر کہا: الا فیکم رجل۔ کیا کوئی مرد تمہارے درمیان نہیں ہے جو میرے مقابلہ کے لئے آئے۔ عمر سعد نے اپنے سپاہیوں سے کہا تم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس پر پتھراؤ کرو۔ عابس نے کلاہ خود اور زرہ کو اتار کر پھینک دیا اور جنگ کرتے رہے یہاں تک زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔

موت کو دیکھ کر مسکرانا اصحاب حسینی کا وتیرہ ہے۔ اصحاب حسینی نے میدان کربلا میں اپنی بہادری کے جوہر دیکھائے اور حق کا ساتھ دیا۔

ولایت مداری: کربلا کے بابصیرت اصحاب حسینی سب کے سب امام شناس اور ولایت مدار تھے۔ ان کی یہ معرفت ان کے کردار میں اور گفتار میں جھلک رہی تھی۔ وہ لوگ عارف بہ حق امام تھے اور اسی عرفان کی بدولت حق کی راہ میں اور امام کی حمایت میں تمام تر مشکلات و پریشانیوں کو خریدا اور اپنی جان کی بازی لگادی۔

اصحاب امامؑ تبری و تولی کے بارز مصداق تھے۔ وہ دوست کو بھی پہنچانتے تھے اور دشمن کو بھی۔ وہ امامؑ سے بہ شدت محبت کرتے تھے اور اسی لحاظ سے دشمن سے بھی سخت نفرت کرتے تھے۔ وہ لوگ امام ہدایت کو بھی اچھی طرح پہچانتے تھے اور امام ضلالت کو بھی۔

منزل ثعلبیہ میں ایک مسافر سے امامؑ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے یوم ندعو کل اناس باما مھم[۱] کی تفسیر پوچھی۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"اِمامٌ دَعا الی ھُدی فَاَجَابو الیه وَ اِمامٌ دَعَا اِلی ضلالةٍ فَاَجَابوا اِلَیها ھؤلاء فی الجنة وَ ھؤلاء فِی النّار وَ ھُوَ قولُهُ تَعَالی فریقٌ فِی الجنةِ وَ فریقٌ فِی السَّعیر۔ ترجمہ: ایک امام وہ ہے جو لوگوں کو راہ راست اور نیکی کی طرف بلاتا ہے اور کچھ لوگ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک امام وہ ہے جو لوگوں کو گمراہی و بدبختی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پہلا گروہ جنت میں اور دوسرا گروہ جہنم میں ہے۔"[۲]

امامؑ نے آگے ارشاد فرمایا: فریق فی الجنة و فریق فی السعیر کا مطلب بھی یہی ہے۔

یاران حسینی کمال دین تک پہنچ چکے تھے اور کمال دین یہی ولایت مداری اور ان کے دشمنوں سے اعلان برائت ہے۔ امام رضاؑ کمال دین کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"کمال الدین ولایتنا و البرائة من عدونا۔ ترجمہ: کمال دین ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے برائت میں ہے۔"[۳]

کربلا کے بوڑھے سپاہی جابر بن عروہ انصاری امام حسینؑ سے دفاع کو پیغمبر اسلامؐ کا دفاع مانتے ہیں اور اپنی رجز میں کہتے ہیں:

قد علمت حقاً بنو غفار	و خندف ثم بنو نزار
بنصرنا لاحمد المختار	یا قوم حاموا عن بنی الاطھار
الطیبین السادة الاخیار	صلی علیھم خالق الابرار

۱۔ یَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا۔ ترجمہ: قیامت کا دن وہ ہوگا جب ہم ہر گروہ انسانی کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے اور اس کے بعد جن کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے صحیفہ کو پڑھیں گے اور ان پر ریشہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ (سورہ اسراء، آیت ۷۱)
۲۔ نجمی، محمد صادق، سخنان حسین بن علی، ص ۱۳۵
۳۔ بحار الانوار (جلد ۲۷)، ص ۵۸

ترجمہ: بنی غفار اور خندف و نزار کے قبیلے بخوبی اس بات سے واقف ہیں کہ ہم پیغمبر اسلامؐ کے جانثار اور حامی ہیں۔اے لوگو! پاک خاندان اور اچھے لوگوں کے امام کی حمایت کرو۔ وہ خاندان جس پر اللہ تعالی کا درود و سلام ہو۔[1]

حر بن یزید ریاحی اپنی رجز میں اس طرح امام حسینؑ کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں:

اِنّی اَنَا الحُرّ وَ ماوی الضَیف اَضْرِبُ فِی اَعْنَاقکم بالسّیف

عَنْ خَیر مَنْ حَلّ بَلاد الخَیْفِ اَضْرِبکُم وَ لَا اری مِنْ حَیْفِ

ترجمہ: میں حر ہوں۔ مہمانوں کی جائے پناہ اور مہمان نواز۔ میں تمہاری گردنوں کو شمشیر کے حوالہ کروں گا۔ میں مکہ کے بہترین شخص کا پاسبان ہوں۔ میں جنگ کروں گا اور تلوار چلاؤں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں ہے کیونکہ میری جنگ ظالمانہ نہیں ہے۔[2]

اس رجز میں کئی نکتے پوشیدہ ہیں۔ سب سے پہلے کوفیوں کی پیمان شکنی اور مہمان کشی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جنھوں امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن پھر ان کے مقابلہ میں تلوار لیکر آ گئے۔ دوسری بات یہ کہ اس رجز میں امام حسینؑ کو سرزمین مکہ کا بہترین فرد بتایا گیا ہے۔ یعنی امامؑ کا ساتھ دینا کعبہ کے ساتھ دینے کے مترادف ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ امامؑ کی حمایت عین عدالت اور مصداق ستم ستیزی ہے۔

عاشور کے روز اصحاب حسینی کے رجز ولایت مداری اور دشمنوں سے برائت سے پُر ہیں۔ ابو شعثاء کندی اپنے رجز میں اس طرح کہتے ہیں:

یَا رب اِنی للحسین ناصرٌ ولابن سعدٍ تارکٌ و هاجرٌ

ترجمہ: اے خدا! میں حسینؑ کا مددگار ہوں اور ابن سعد سے دوری اختیار کرتا ہوں۔[3]

۱۔ آیینہ داران آفتاب، ص ۷۱۸
۲۔ ایضاً، ص ۶۴۶
۳۔ ایضاً، ص ۷۰۴

ولایت حسینی کے سامنے مکمل تسلیم و رضا کی سب سی بڑی مثال جناب عباس کی ہے جو آپ کے بھائی، محافظ اور جانثار تھے۔ جب آپ نہر علقمہ میں داخل ہوئے اور ٹھنڈے پانی کو اپنے خشک ہونٹوں تک لائے، تو اپنے بھائی کی پیاس کو یاد کرکے فرمایا:

یا نفس من بعد الحسین هونی　　فبعدهُ لا کنتِ اَنْ تکونی

هذا حسینٌ شاربُ المنون　　و تشربین بارد العین

هیهات ما هذا فعالُ دینی　　و لافعالُ صادق امین

ترجمہ: اے میں! حسینؑ کے بعد ہر گز نہ رہنا۔ تیرا مولا موت کو منہ لگا رہا ہے اور تم پانی پینا چاہتے ہو! نہیں! یہ جوانمردی و دینداری و صداقت کا راستہ نہیں ہے۔

اور جب آپ کا داہنا ہاتھ قطع ہوا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دین اور صادق و پاک سیرت امامؑ کا دفاع کروں گا جو نسل پیغمبرؐ سے ہے:

و عن امام صادق الیقین　　نَجْل النَّبِی الطّاهر الامین[1]

اہم نکتہ یہ ہے کہ جناب عباس، بھائی ہونے کے ناطے امام حسینؑ کی حمایت نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کو اپنا امام مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسیروں کا قافلہ بھی ولایت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھا اور سبھی امام سجادؑ کو اپنا محور و مبنا قرار دیتے تھے۔

اباعبداللہ حسینؑ اور امام سید الساجدینؑ سے محبت و عشق کا اصل محور و بنیاد ولایت پذیری تھی نہ کہ قرابت داری۔ ابن زیاد کے دربار میں جناب رباب نے امام حسینؑ کے سر مقدس کو اٹھایا اور بوسہ دیا اور فرمایا:

وَا حُسَینا فَلَا نَسَیتُ حسیناً　　اَقْصَدَتْهُ اَسِنَّهُ الادعیا

غادروهُ بکربلاء صریعاً　　لاسَقَی اللهُ جانِبی کربلاء

۱۔ بحار الانوار (جلد ۴۵)، ص ۳۶

ترجمہ: واحسینا! میں ہر گز فراموش نہیں کروں گی کہ لشکر کفر نے اپنے نیزوں سے آپ کے جسم کے ساتھ کیا کیا۔ اور میں یہ نہیں بھولوں گی کہ آپ کا جنازہ خاک کربلا پر بے گور وکفن پڑا ہے اور انہیں پیاسا شہید کیا گیا۔ اللہ کبھی کربلا کو سیراب نہ کرے۔[1]

جناب رباب نے یہ مرثیہ اس لئے نہیں کہا ہے کہ آپ امامؑ کی زوجہ تھیں بلکہ اس میں امامؑ کی عظمت اور دشمن کے ظلم وستم کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اصحاب حسینی سے جو درس ہم کو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ:

اِنِّی اَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰہِ بِزیارتکم وَ بِمُحَبَّتِکُم وَ اَبْرءُ اِلی اللّٰہِ مِنْ اَعْدَائِکُم ۔

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا چاہتا ہوں آپ کی زیارت سے اور آپ کی محبت سے اور آپ کے دشمنوں سے برائت کے ذریعہ۔[2]

کربلا ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہم ہر روز یہ طے کریں کہ ہم کس کے ساتھ ہیں اور کس کے ساتھ نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے روزانہ زیارت عاشورہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

صبر واستقامت: شدائد ومشکلات پر صبر کرنا اور دینی اہداف کے تحقق کے لئے استقامت کرنا اتنا سخت ودشوار ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ شیبتنی سورہ ھود۔ سوال کیا گیا اس سورہ میں کس چیز نے آپ کو بوڑھا کر دیا کیا انبیا کی کہانی اور ان کی امتوں کی تباہی کی داستان۔ فرمایا: نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ فاستقم کما امرت نے مجھے بوڑھا کر دیا۔[3]

جب جنگ کی آگ بھڑکتی ہے اور میدان بہادروں کے خون سے بھر جاتا ہے تو کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے زانوئے ہمت سست ہو جاتے ہیں اور ارادوں میں کمزوری آجاتی ہے اور سب اپنی رہائی اور نجات کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ خوف وجوع ونقص اموال والنفس کے امتحان گاہ میں صرف صبر کرنے والے کامیاب ہیں اور جنگ کے خطرناک لمحوں میں نصر وفتح الٰہی پر بھروسہ کرنے والے مومنین اور شہادت کا شوق رکھنے والے ہی قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ قرآن کریم میدان جنگ کی منظر کشی کرتے ہوئے ایسے

۱۔ بررسی تاریخ کربلا، ص ۱۵۷
۲۔ مفاتیح الجنان، ص ۴۴۲
۳۔ ترجمہ قرآن کریم، ص ۲۳۴

لوگوں کی کہانی سناتا ہے جو وحشت و خوف کی وجہ سے بے ہوشوں کی طرح دیکھتے ہیں، ایسی آنکھیں جو خوف سے گول ہو گئی ہیں اور ان میں موت جھلک رہی ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ۔ ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آخر جہاد کے بارے میں سورہ کیوں نہیں نازل ہوتا اور جب سورہ نازل ہو گیا اور اس میں جہاد کا ذکر کر دیا گیا تو آپ نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں مرض تھا وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے رہ گئے جیسے موت کی سی غشی طاری ہو گئی ہو تو ان کے واسطے ویل اور افسوس ہے۔[1]

❖

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا۔ ترجمہ: یہ تم سے جان چراتے ہیں اور جب خوف سامنے آ جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھیں گے کہ جیسے ان کی آنکھیں یوں پھر رہی ہیں جیسے موت کی غشی طاری ہو اور جب خوف چلا جائے گا تو آپ پر تیز ترزبانوں کے ساتھ حملہ کریں گے اور انہیں مال غنیمت کی حرص ہو گی یہ لوگ شروع ہی سے ایمان نہیں لائے ہیں للذا خدا نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا ہے اور خدا کے لئے یہ کام بڑا آسان ہے۔[2]

دنیا سے دل لگانے والے لوگ مشکلات و پریشانیوں پر صبر و استقامت نہیں کرتے اور انہیں یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں ان کا سرمایہ اور دولت ہاتھ سے نہ نکل جائے لیکن جو لوگ اللہ تعالی کو خریدار، اپنی بدن کو

۱۔ سورہ محمد، آیت ۲۰

۲۔ سورہ احزاب، آیت ۱۹

سامان اور جنت کو اس کی قیمت مانتے ہیں، انہیں کسی پریشانی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ کی تعبیر کے مطابق: فی الزلازل وقورٌ و فی المکارہ صبورٌ۔[1]

کربلا میں امام حسینؑ کے اصحاب باوفا دشمن کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے، ہر طرف سے تیروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی لیکن انہوں نے صبر و استقامت کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ امام حسینؑ نے مختلف مواقع پر ان کو صبر کی دعوت دی۔ صبح عاشورہ نماز صبح کے بعد امام نے ایک مختصر خطبہ میں اپنے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا:

> صبراً بنی الکرام فما الموتُ اِلّا قنطرہ تَعْبُرَ بِکُم عَنْ البُؤُس و الضَّرّاءِ اِلَی الجِنان الوَاسِعَہ والنّعم الدّائِمَۃَ فایّکم یَکرہُ اَنْ یَنْتَقِلُ مِنْ سجنٍ اِلی قصر و ما ھو لاعداء کم اِلّا کَمَنْ یَنْتَقِلُ مِنْ قَصرٍ اِلَی سجنٍ وَ عَذَابٍ۔ ترجمہ: اے بزرگ زادگان! صبر پیشہ کرو کیونکہ موت صرف ایک پل ہے جو رنج و سختی سے تمہیں جنت اور بے حساب نعمتوں کی طرف لے جائیگی۔ تم میں سے کون قید سے محل کی طرف نہیں جانا چاہتا ہے۔ یہی موت تمہارے دشمنوں کے لئے محل سے قید خانہ کی طرف جانے کے برابر ہے۔[2]

صبوری اور استقامت یہاں تک کہ مصائب و شدائد پر احساس لذت کرنے کی بنیاد ایمان وحب الٰہی اور قول خداوندی پر بھروسہ ہے۔ اگر جناب قاسم بن علی احلی من العسل کہتے ہیں اور موت کو شہد کی شیرینی سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کی بنیاد بھی یہی ایمان اور حب الٰہی ہے۔ زیارت ناحیہ میں حضرت اباعبداللہ حسینؑ کو محتسب صابر کہا گیا ہے:

> السلامُ علی المحتسب الصابر، السلامُ علی المظلوم بلاناصر۔

جناب عباس کے زیارتنامہ میں بھی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ امامؑ کی خصوصیات ان کے اصحاب میں بھی متجلی تھی اور ہر ایک اپنے درجات و کمالات کے مطابق محتسب صابر تھے۔ امامؑ اپنے صحابیوں کو شب زندہ داری اور نماز تہجد کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ رات میں عبادت کرنے والے، دن میں

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۲۸۸

۲۔ سخنان حسین بن علی از مدینہ تا کربلا، ص ۱۸۲

بڑے کام کر سکتے ہیں۔ زاہد شب زندہ دار ہی دن میں شیر ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؑ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یُمْسی وَ هَمُّهُ الشُّکْرُ وَ یُصبحُ وَ هَمُّهُ الذِّکر یبیتُ حَذِراً وَ یُصبحُ فَرَحاً۔

ترجمہ: رات کو شکر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں اور دن کو ذکر کے ساتھ اس کے باوجود خوف وہراس میں مبتلا ہیں لیکن صبح کے وقت خوشی ان کے عمل سے ظاہر ہے۔[۱]"

عاشورہ کے روز، نماز صبح کے بعد امامؑ نے اپنے اصحاب کے لئے خطبہ دیا۔ پھر دشمن کے سپاہیوں کی طرف ایک نظر ڈالی اور اپنے خدا سے راز و نیاز کی حالت میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثَقتی فِی کُلِّ کَرْبٍ وَ رَجائِی فِی کُلِّ شِدَّةٍ وَ اَنْتَ لِی فِی کُلِّ امرٍ نَزَلَ بِی ثقة وَ عُدةٍ کَمْ مِنْ هَمٍّ یَضْعُفُ فِیه الفُؤَاد وَ تَقِلُّ فِیه الحِیلَةُ وَ یَخْذَلُ فِیه الصّدیق وَ یشمتُ فِیه العَدَوّ وَ اَنْزَلْتَهَ بِکَ وَ شکوتهُ اِلَیک رغبةً مِنّی اِلَیکَ عَمَّنَ سِوَاکَ فَکشفتُه وَ فرّجَتُهُ فَاَنْتَ وَلیُّ کل نعمة و منتهی کل رغبة۔

ترجمہ: سختیوں اور پریشانیوں میں تو ہی میری تکیہ گاہ ہے اور تو ہی میری امید ہے۔ کتنے ہی غم ایسے ہیں جو دلوں کو توڑ دیتے ہیں اور امید کو ناامیدی میں بدل دیتے ہیں، دوستوں کو دور کر دیتے ہیں اور دشمنوں کے طعنہ کا باعث بنتے ہیں۔ اس دشوار لحہ میں صرف و صرف تیری بارگاہ میں شکوہ کرتا ہوں اور دوسروں سے قطع امید کرتا ہوں۔ تو ہی مجھے بچاتا ہے اور غم کے بادلوں کو ہٹاتا ہے اور آرام و سکون کے ساحل سے ہم کنار کرتا ہے۔ پالنے والے! تو ہر نعمت کا مالک اور سب کی آرزو اور تمنا کا مرکز ہے۔[۲]

امامؑ اس دعا میں استقامت و صبوری کے راز کو بتلاتے ہیں اور وہ ہے اللہ تعالی کی ذات پر بھروسہ جس کے ذریعہ ہم بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ امامؑ کے اصحاب نے انہیں تعلیمات کے زیر سایہ پوری بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ حنظلہ شبامی جب ایک سخت جنگ کے بعد اور تیروں سے زخمی بدن کے ساتھ

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۲۸۸

۲۔ سخنان حسین بن علی از مدینہ تا کربلا، ص ۱۸۵

امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امامؑ سے پوچھا: یا سیدی و مولای افلا نروح الی ربنا و نلحق۔ اے میرے آقا! کیا ہم اس جانثاری اور ایثار کے بعد بھی بارگاہ محبوب تک نہیں پہنچیں گے؟ امامؑ نے فرمایا: کیوں نہیں! چند لمحوں بعد تم اس چیز کو پالوگے جو تمہارے لئے پوری دنیا سے بہتر ہے۔ تو جلدی کرو۔[1]

حیرت کی بات یہ ہے کہ امامؑ کے بعض صحابی خود اپنے آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امام حسن مجتبیٰؑ کے بیٹے احمد بن حسن جو کہ اپنے بھائی قاسم کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں گئے تھے، تھوڑی دیر لڑنے کے بعد پیاس کی شدت سے خیام کی طرف واپس آئے اور چچا سے پانی طلب کیا۔ امامؑ نے فرمایا تھوڑا صبر کرو، عنقریب تمہارے جد رسول خداؐ تمہیں سیراب کریں گے۔ احمد بن حسن میدان جنگ میں وپس ہوئے اور اپنے آپ سے اس طرح مخاطب ہوئے:

اصبر قلیلاً فالمنا بعد العطش فَاِنَّ روحی فی الجهاد تنكمش

لاارهبُ الموت اذا الموتُ وَحَش ولم اكن عند اللقاء ذارَعَش

ترجمہ: اے نفس! کچھ دیر اور پیاس کو برداشت کر! کیونکہ میری روح جنگ میں کوشش کرے گی۔ مجھے موت سے کوئی خوف نہیں ہے اور جنگ کے وقت میں ڈرتا نہیں ہوں۔[2]

عاشورہ کے بعد ہم صبر کے جلوؤں کو اور واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ بچے اور عورتیں شہدا کے پارہ پارہ بدن کے پاس سے گذر رہے ہیں اور دشمن کو خوشی مناتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ دشمن تازیانے پر تازیانہ لگا رہا ہے اور اسیروں کا یہ قافلہ ایک مبہم و نامعلوم کل کی طرف روانہ ہورہا ہے، لیکن سب صبر کا مظاہرہ کررہے ہیں کیونکہ امامؑ نے وصیت کی ہے کہ گریہ و زاری نہ کریں۔ یہ لوگ ساری اذیتوں کو برداشت کرتے ہیں اور شہدا کے مقصد کو آگے بڑھاتے ہیں اور عبیداللہ بن زیاد اور یزید کے دربار میں پوری بہادری سے دشمن کا پردہ فاش کرتے ہیں۔

۱۔ حلی، علامہ ابن نما، در سوگ امیر آزادی (ترجمہ مثیر الاحزان)، ص ۲۳۶
۲۔ گرمارودی، تبریزی، مولا محمد رفیع، ذریعہ النجاۃ (ترجمہ)، ص ۲۵۱

جناب زینب کبری، فاطمہ صغری، رباب، سکینہ اور ام کلثوم نے، امام سجادؑ کی قیادت میں، حیرت انگیز صبر و شکیبائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی رسالت کو بخوبی انجام دیا اور پیغام حسینی کو عام کیا۔ زیارت ناحیہ میں ہم حضرت اباعبداللہ حسینؑ کے بارے میں پڑھتے ہیں:

عجبت من صبرک ملائکة السماء۔ ترجمہ: آسمان کے فرشتے آپ کے صبر سے حیران ہیں۔

حقیقت میں یہ جملہ اسیران کربلا کے لئے صادق آتا ہے۔ شہدائے کربلا اور اسیران کربلا کا مقام و منزلت اسی صبر و شکیبائی کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں صبر کرنے والوں کے اجر کے بارے متعدد آیتیں موجود ہیں:

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَـٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّـهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے میرے ایماندار بندو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جو لوگ اس دار دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیکی ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے بس صبر کرنے والے ہی وہ ہیں جن کو بے حساب اجر دیا جاتا ہے۔[1]

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّـهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَـٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ ترجمہ: جو مصیبت پڑنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔ کہ ان کے لئے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔[2]

۱۔ سورہ زمر، آیت ۱۰
۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۶ و ۱۵۷

دینی غیرت: مؤمن غیور ہوتا ہے اور برائی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ مؤمن کی غیرت کا سرچشمہ ایمان ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: غیرة الرجل ایمان۔[۱]

دین کے طئے غیرت رکھنے والا انسان معروف کی یعنی اچھے کاموں کی تعریف کرتا ہے اور انہیں معاشرہ میں پھیلانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کوئی معروف کے خلاف کرتا ہے تو اپنے قول و عمل اور تحریر سے اس کا دفاع کرتا ہے۔ ایسا انسان کسی منکر کو برداشت نہیں کرتا اور وہ اگر کہیں منکر دیکھتا ہے تو اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غیرت مند انسانوں کو پسند کرتا ہے: ان اللہ یحب من عبادہ الغیور۔[۲]

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"الرّاضی بفعل قومٍ کالدخال فیه مَعَهُم وَ علی کُلِّ داخلٍ فِی باطلٍ اِثمان، اِثمُ العمل و اِثمُ الرَضی به ۔ ترجمہ: کسی گروہ کے کام سے خوش ہونے والا ایسا ہے جیسے اس نے اس کام میں شرکت کی ہو۔ اگر کوئی غلط کام کرتا ہے تو اس نے دوگناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پہلے تو اس نے اس غلط کام کو انجام دیا اور دوسرا وہ اس عمل سے راضی ہے۔"[۳]

حقیقت یہ ہے کہ واقعہ عاشورہ اسی دینی غیرت کے نہ ہونے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا۔ اگر معاشرہ کے لوگ اور خاص کر ذمہ دار طبقہ اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھاتے اور منکر و غلط باتوں کے سامنے قد علم کرتے تو یہ دکھ بھرا واقعہ ہرگز رونما نہ ہوتا۔ مروان بن حکم نے جب امام حسینؑ کو یزید کی بیعت کے لئے طلب کیا تو امامؑ نے فرمایا: میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے کہ خاندان ابوسفیان اور طلقاء کی اولاد پر خلافت حرام ہے۔ اگر معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا پیٹ پھاڑ دو:

"فواللہ لقد رآہُ اهل المدینة علی منبر جدی فَلَمْ یفعلوا ما اُمِروا به، فابتلاهُمُ اللهُ بِابنِه یزیدَ! زَادَهُ اللهُ فِی النّار عذاباً۔ ترجمہ: خدا کی قسم! اہل مدینہ نے اسے میرے

۱۔ ترجمہ و شرح غرر الحکم (جلد ۲)، ص ۲۶۵
۲۔ میزان الحکمہ (جلد ۷)، ص ۳۵۷
۳۔ نہج البلاغۃ

جد کے منبر پر دیکھا لیکن آپ کے حکم پر عمل نہیں کیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر یزید کو مسلط کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے عذاب میں اضافہ کرے۔"[1]

غلط باتوں کو دیکھ کر خاموش رہنے اور اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھانے سے معاویہ اور یزید جیسے افراد معاشرہ میں پروان چڑھتے ہیں۔ جس شخص میں دینی غیرت نہیں پائی جاتی، اسلامی تہذیب کی زبان میں اسے ضعیف مؤمن کہا گیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللہ یَبْغَضُ الْمؤمنُ الضعیفُ الَّذِی لا دین لَهُ، قِیل لَهُ وَ مَا المُؤمِنُ الضَّعیفُ الَّذِی لا دینَ لَهُ؟ قَالَ الَّذِی لَاینهی عن المنکر۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ضعیف مؤمن کو پسند نہیں کرتا۔ پوچھا گیا بے دین ضعیف مؤمن کون ہے۔ فرمایا: وہ شخص جو نہی عن المنکر نہیں کرتا ہے۔"[2]

دینی غیرت کا سب سے بڑا مظہر امام حسینؑ کی ذات گرامی ہے جنھوں نے فرمایا:

اَنَـا الحُسـینُ بـنُ علـی   اَلَیـــتُ ان لا انثنـــی
احمـی عیـالاتِ ابـی   اَمضـی علـی دیـن النّبـی

ترجمہ: میں حسینؑ بن علی ہوں۔ میں ظالموں کے مقابلہ میں سر تسلیم خم نہیں کروں گا اور خاندان اور بابا کی حریم کا دفاع کروں گا اور پیغمبرؐ کے دین پر عمل پیرا رہوں گا۔[3]

مسلم بن عوسجہ اسدی میدان کربلا کے ایک غیرت مند صحابی ہیں۔ جب آخری لمحوں میں امام حسینؑ اور حبیب بن مظاہر اسدی ان کے سرہانے پہنچے تو امامؑ نے ان سے فرمایا: اے مسلم! اللہ تم پر رحمت نازل کرے۔ حبیب نے ان سے کہا: اے مسلم! کتنا سخت ہے تمہارا خاک پر پڑے رہنا میں تمہیں جنت کی مبارک باد دیتا ہوں۔

۱۔ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۳۲۳
۲۔ ابن بابویہ، ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین، معانی الاخبار، ص ۳۲۴
۳۔ فرہنگ جامع سخنان امام حسین، ص ۵۶۰

مسلم نے جواب دیا: اللہ تمہیں خیر کی بشارت دے۔ حبیب نے کہا: میں بھی کچھ ہی لمحوں میں تمہارے پاس آنے والا ہوں ورنہ تم سے وصیت کرنے کے لئے کہتا اور اس پر عمل کرتا۔ مسلم نے اپنی طاقت کو سمیٹ کر امامؑ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: اللہ تم پر رحمت نازل کرے! امامؑ کے رکاب میں رہنا یہاں تک کہ اس راہ میں تمہاری جان چلی جائے۔[۱]

اصحاب حسینی کی دینی غیرت کے بارے۔ بریر بن خُضیر ہمدانی کا قاتل کعب بن جابر کہتا ہے:

لم تَرَعینی مثلهم فی زمانهم ولا قبلهم فی الناس اذا انا یافع
اَشَدَّ قِرَاعاً بالسّیوف لدی الوغا اَلاکُلَّ مَنْ یحمی الذّمار مقارعُ
وَ قد صبروا لطمن و الضرب جُسَراً و قد نازلوا لَو اَنَّ ذالک نافع

ترجمہ: میری آنکھوں نے ان کے جیسا نہیں دیکھا نہ ان کے زمانہ میں اور نہ ان سے پہلے جب میں جوان تھا۔ میدان جنگ میں ان کی تلواریں بہت سختی سے چلتی ہیں اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والا با غیرت شخص ایسے ہی جنگ کرتا ہے۔ وہ لوگ تلوار و تیر و نیزہ کے مقابلہ میں بہت بہادری سے لڑتے تھے...[۲]

واقعہ کربلا کے بعد بھی ہم کو یہ دینی غیرت دیکھنے کو ملتی ہے۔ دربار ابن زیاد میں عبداللہ بن عفیف نے امام حسینؑ کی حمایت میں جو قدم اٹھایا وہ اسی دینی غیرت کی ایک مثال ہے۔ عبداللہ بن عفیف کی بائیں آنکھ جنگ جمل میں اور دائیں آنکھ جنگ صفین امام علیؑ کے رکاب میں جاچکی تھی۔ دربار کوفہ میں انہوں نے امام حسینؑ کی شان میں جب ابن زیاد کی توہین آمیز باتیں سنیں تو ان سے برداشت نہ ہوا اور انہوں نے اعتراض کیا اور آخرکار شہید کردئے گئے۔

کاروان حسینی کے غیور افراد نے کوفہ و شام میں پوری طاقت کے ساتھ ابن زیاد اور یزید کا مقابلہ کیا اور اپنی تقریروں کے ذریعہ دشمن کو ذلیل و خوار کیا اور ان کے مقاصد پر پانی پھیر دیا۔

۱۔ طبری، جریر، تاریخ طبری (جلد ۵)، ص ۴۳۶

۲۔ قمی، شیخ عباس، سفینۃ البحار (جلد ۵)، ص ۴۱

مواسات، ہمدلی اور وحدت: کربلا میں موجود اصحاب حسینی دنیاوی تعلقات کی زنجیروں کو توڑ چکے تھے اور اسی وجہ سے ان کے درمیان کسی طرح کا نفاق و اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ ان کا مقصد ایک ہے، ان کے بات کرنے کا انداز ایک ہے، ان کا کردار ایک ہے، اور خاص کر ان کی قیادت ایک ہے اور اسی قیادت کے محور پر وہ لوگ متحد ہیں۔ جب شمر امان نامہ لیکر آتا ہے تاکہ شاید امامؑ کے چار بڑے جانثاروں کو راستے سے ہٹاسکے تو چاروں بھائی ایک زبان ہو کر اسے ذلت و خواری کے ساتھ واپس بھیجتے ہیں اور امامؑ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اگر جبہہ مقابل کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے اس میں نفاق نے وفاق کی جگہ لے لی ہے۔ شمر عمر سعد کو ہٹانا چاہتا ہے، عمر سعد شمر کو ناکام کرنا چاہتا ہے، شبث بن ربعی عمر سعد سے متفق نہیں ہے۔ ان کے کمانڈروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

شب عاشورہ جب امامؑ نے اپنے اصحاب کی گردنوں سے بیعت اٹھالی اور انہیں رات کی تاریکی میں جانے کے لئے کہا تو مسلم بن عوسجہ اسدی نے شکوہ کرتے ہوئے کہا:

> انحنُ نَتَخلّی عَنْکَ وَلَم نَعْذَرُ اِلَی اللہ فی ادا حَقِّکَ؟اَمَا واللہ لا افارقک حتی اکسر فی صدورهم رمحی واضربهم بسیفی ما ثبت قائمة بیدی واللہ لولم یکن معی سلحی لقذفتهم باحجارة دونک حتی اموتُ معک۔ترجمہ: کیا ہم آپ کی مدد سے دستبردار ہو جائیں جب کہ درگاہ خداوندی میں ہمارے پاس کوئی عذر بھی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! ہم آپ سے جدا نہیں ہونگے اور دشمنوں سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ دشمن کے سینہ میں نیزہ ٹوٹ جائے۔ جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں لڑوں گا اور میرے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا تو میں پتھروں سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔[۱]

۱۔ ابن کثیر، تاریخ کامل (جلد ۴)، ص ۵۸

تحریک حسینی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک میں آغاز سے لیکر انجام تک کسی بھی مرحلہ میں اور کسی بھی منزل پر اختلاف و تفرقہ نہیں ہے، سبھی کی نگاہ اپنے امامؑ پر ہے اور سارے فیصلوں میں امام علیہ السلام محور اور فصل الخطاب ہیں۔

امامؑ کے اصحاب میں موجود یہ اتحاد و اتفاق اس حد تک ہے کہ ان کے رجز ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور گویا ساری باتیں ایک زبان سے ادا ہو رہی ہیں اور سارے عمل ایک ہی بدن سے صادر ہو رہے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک ہی بات یا عمل کو کبھی کبھی کئی لوگوں کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور اسی یگانگی اور اتحاد کی وجہ سے یہ بات قابل قبول بھی ہے۔[1]

یہ وحدت عمل اصحاب حسینی تک محدود نہیں ہے بلکہ اسیران کربلا کے قافلہ میں موجود مرد و زن اور بچے سبھی ایک زبان اور ایک دل ہیں۔ جناب زینب اور جناب ام کلثوم کے خطبے اور جناب سکینہ کی باتیں اور امام سجادؑ کی تقریریں گویا ایک ہی شخص کی زبان سے بیان ہو رہی ہیں۔

بیان حقائق اور بصیرت افزائی: امر بمعروف اور نہی عن المنکر امام حسینؑ کی تحریک کا ایک اہم حصہ ہے۔ برائیوں کی مذمت کرنی چاہئے اور اچھائیوں کو سراہنا چاہئے۔ امامؑ کے اصحاب بھی اپنے قائد کی طرح ظلم و ستم کے چہرے کو رسوا کرتے تھے۔ امامؑ نے مختلف مقامات پر اپنے آپ کا تعارف کرایا کہ وہ فرزند پیامبر اور فاطمہ و علی کے بیٹے ہیں۔ ان کے چچا جعفر و حمزہ شہید ہیں اور ان کی دادی خدیجہ کبری ہیں تا کہ دشمن کو پتہ چلے کہ وہ کس سے جنگ کر رہا ہے اور دوستوں کو یہ اندازہ ہو کہ وہ کس کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ منزل شراف میں جب حر بن یزید ریاحی کا لشکر سامنے آیا تو امامؑ نے فرمایا:

> اَمَّا بَعد ایّها الناس فانَکُم اِن تتقوا اللهِ وَ تَعْرَفوا الحقَّ لِاَهْلِه یکن ارضی الله وَ نَحنُ اَهْلَ بیت محمد اَولی بولایة هذا الامر مِنْ هؤلاء المدّعین مَا لَیسَ لَهُم وَ السَّائِرین بالجور و العُدوان و اِنْ اَبیتُم اِلّا الکراهة لَنَا و الجهل بِحَقِّنَا وَ کَان رَایُکُم الان غیر ما آتتنی بِهِ کُتُبُکُم اَنْصَرِفْ عَنْکُم۔ ترجمہ: اے لوگوں! اللہ سے ڈرو اور یہ مان لو کہ حق اہل حق کے ہاتھ میں رہے جس سے خدا کی خشنودی بھی حاصل ہو گی۔ ہم اہلبیت پیغمبرؐ لوگوں کی ولایت

۱۔ آیینہ داران آفتاب (جلد ۲)، ص ۲۰

و قیادت کے لئے ان سے (بنی امیہ) زیادہ مستحق ہیں جنہوں نے ناحق اس منصب کا دعوی کیا اور ہمیشہ ظلم و ستم و فساد اور خدا سے دشمنی کا راستہ اختیار کیا۔ اگر تم اپنی بات پر بضد ہو اور ہم سے منہ موڑتے ہو اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے ہو اور تمہارا مطالبہ وہ نہیں ہے جو تم نے اپنے خطوط میں تحریر کیا ہے تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں۔[۱]

امامؑ کے اصحاب بھی کربلا کے میدان میں اپنا تعارف دین علیؑ کے ماننے والے کی حیثیت سے کراتے ہیں اور ولایت اہلبیت کی حمایت کرتے ہیں۔ امام حسینؑ اپنا تعارف پیش کرنے کے علاوہ دشمن کی سازشوں اور مکاریوں کا پردہ بھی فاش کرتے تھے۔ امامؑ نے اپنے پورے سفر میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک بوڑھوں اور جوانوں کے لئے دو الگ تبلیغی طریقے اختیار کئے۔ بزرگ افراد نے پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کو دیکھا تھا یا آپ کی روایتیں ان کے ذہن میں تھیں لہٰذا امامؑ ایسے افراد کے سامنے پیغمبر اسلامؐ کی احادیث کے ذریعہ اپنی شان و منزلت کو ان کے لئے بیان کرتے تھے اور بعضاً بنی امیہ کے مظالم کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی احادیث کا سہارا لیتے تھے۔

امامؑ جب جوان افراد سے گفتگو کرتے تھے تو روایات کے بجائے دشمن کے ظلم و فساد اور برائیوں کو بیان کرتے تھے۔ اصحاب امامؑ بھی اسی شیوہ پر عمل پیرا تھے اور دشمن سے گفتگو کے دوران بنی امیہ کے مظالم کو بیان کرتے تھے اور امامؑ کی شان و منزلت پر روشنی ڈالتے تھے۔ عبدالرحمٰن غفاری اور ان کے بھائی عبداللہ میدان جنگ اس طرح رجز پڑھتے ہیں:

قد علمت حقّاً بنو غفار — وَ خِنْدفٍ بعد بنی نَزار
لنصر بن معشر الفُجّار — بکل غضبٍ صارم بتّار
یا قومَ ذُودوا عن بنی الاحرار — بالمشرفی والقنا الخطار

ترجمہ: بنو غفار و خندف و بنی نزار جانتے ہیں کہ ہم اپنی تلوار سے پوری طاقت سے فاجروں کو نیست و نابود کریں گے اور اہلبیت پیغمبرؐ کی تلوار و نیزہ سے حفاظت کریں گے۔[۲]

۱۔ سخنان حسین بن علی از مدینہ تا کربلا، ص ۱۲۰
۲۔ امین، سید محسن، اعیان الشیعہ، (جلد ۱)، ص ۶۱۱

اصحاب حسینی کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ انحرافی افکار کی مخالفت کی اور ظالم حکومت کے چہرے سے پردہ ہٹایا۔ یہ خاص بات اصحاب حسینی کے رجز سے بھی ظاہر ہے اور امام سجادؑ و جناب زینب (س) کے خطبوں میں بھی مشہود ہے۔ جب اہلبیت کا قافلہ دربار شام میں پہنچا تو یزید نے سورہ آل عمران کی چھبیسویں آیت [1] کی تلاوت کی اور اپنی ظاہری کامیابی کو اللہ کی مشیت و ارادہ بتایا۔ امام سجادؑ نے اس کے جواب میں سورہ حدید کی اس آیت کی تلاوت فرمائی:

> مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّـهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَ اللَّـهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ ترجمہ: زمین میں کوئی بھی مصیبت وارد ہوتی ہے یا تمہارے نفس پر نازل ہوتی ہے تو نفس کے پیدا ہونے کے پہلے سے وہ کتاب الہی میں مقدر ہو چکی ہے اور یہ خدا کے لئے بہت آسان شے ہے۔ یہ تقدیر اس لئے ہے کہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور نہ کرو کہ اللہ اکڑنے والے مغرور افراد کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اصحاب حسینی نے اپنے رجز میں دشمن کی قساوت اور بے رحمی کے اسباب و علل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اگرچہ امام حسینؑ خود اس کی وجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

> "قد انخزلت عطاتکم من الحرام و مُلئت بطونکم من الحرام فطبع اللہ علی قلوبکم۔ ترجمہ: تم میری باتوں پر توجہ نہیں دے رہے ہو اور یہ اس لئے ہے کہ تمہاری

۱۔ قُلِ اللَّـهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ ترجمہ: پیغمبر آپ کہئے کہ خدایا تو صاحب اقتدار ہے جس کو چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزّت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ سارا خیر تیرے ہاتھ میں ہے اور تو ہی ہر شے پر قادر ہے۔

بخششیں حرام سے ہیں اور تمہارے شکم حرام سے بھرے ہیں اور اللہ تعالی نے تمہارے دلوں پر مہر لگادی ہے۔[۱]"

اصحاب حسینی نے مختلف مواقع پر دشمن کی پستی اور قساوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔جُنادہ بن کعب بن حارث الانصاری اپنی رجز میں کہتے ہیں:

انا جُنادٌ و انا ابن الحارث   لستُ بخوارٍ و لابناکث

عن بیعتی حتی یرثنی وارثی   الیوم شلوی فی الصعید ماکث

ترجمہ: میں جنادہ فرزند حارث ہوں۔مجھ میں سستی اور پیمان شکنی نہیں ہے۔میں اپنے عہد و پیمان پر قائم ہوں یہاں تک کہ میرا خون اس ریگستان پر بہہ جائے۔[۲]

اسلم بن عمرو بھی اپنی رجز میں عمر سعد اور دوسرے دشمنوں کی قساوت کی عکاسی کرتے ہیں:

البحرُ مِنْ طعنی و ضربی یصطلی   والجوُّ مِنْ سهمی و نبلی یمتلی

اذا حُسامی فی یمینی ینجلی   ینشق قلب الحاسد المبجّل(المبخّل)

ترجمہ: دریا میری تلوار کی ضرب سے شعلہ ور ہے۔اور فضا میرے تیروں کی بارش سے پر ہے۔جب میرے دائیں ہاتھ میں تلوار آتی ہے تو حسود و بخیل اور خود پسند افراد کے سر کو شگافتہ کرتی ہے۔[۳]

اس رجز میں عمر سعد اور دوسرے دشمنوں کی حسادت، بخل اور دوسرے رذائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔بطور خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عاشورائے حسینی تاریخ اسلام و عالم کا ایک اہم واقعہ ہے جس کے مختلف پہلوؤں کی شناخت بہت ضروری ہے اور یہ شناخت اصحاب حسینی کی پہچان کے بغیر نامکمل رہے گی۔اصحاب حسینی ہر دور میں ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ عمل بن سکتے ہیں جنھوں نے مشکلات و پریشانیوں کو دل و جان سے خریدا اور اپنی جان کو راہ حق میں اور امام حسینؑ کی ولایت میں قربان کردیا۔

۱۔فرہنگ جامع امام حسین، ص ۳۷۴

۲۔سید بن طاوس، الاقبال بالاعمال الحسنة (جلد ۳)، ص ۷۹

۳۔آینہ در کربلاست، ص ۳۳۵

منابع و ماخذ

- ❖ قران کریم، ترجمہ بہاء الدین خرمشاہی
- ❖ نہج البلاغہ ، ترجمہ سید جعفر شہیدی، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، تہران
- ❖ ابن کثیر، تاریخ الکامل، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۵ق
- ❖ ابن بابویہ، ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین، معانی الاخبار، تصحیح علی اکبر غفاری، منشورات جماعہ المدرسین قم، ۱۳۶۱
- ❖ اخطب خوارزم، ابو المؤید الموفق بن احمد المکی، مقتل الحسین، تحقیق شیخ محمد ساوی، مکتبہ المفید، قم، ۱۴۲۳ق
- ❖ الطریحی، فخر الدین، مجمع البحرین، تحقیق و نشر قسم الدراسات الاسلامیہ، موسسۃ البعثہ، تہران
- ❖ امین، سید محسن، اعیان الشیعہ، تحقیق حسن امین، دار التعارف، بیروت، ۱۴۰۱
- ❖ حلی، علامہ ابن نما، در سوگ امیر آزادی، ترجمہ مثیر الاحزان، ترجمہ علی کرمی، نشر حاذق، ۱۳۸۰ش
- ❖ دشتی، محمد، نہج البلاغہ، آدینہ سبز، تہران، ۱۳۸۷
- ❖ ری شہری، محمد، میزان الحکمہ، دار الحدیث، قم، ۱۴۱۶ق
- ❖ سنگری، محمد رضا، آیینہ داران آفتاب، نشر بین الملل، تہران، ۱۳۸۷
- ❖ سید بن طاووس، لاقبال بالاعمال الحسنہ، تحقیق جواد قیومی اصفہانی، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، قم، ۱۳۹۲
- ❖ سید بن طاووس، لہوف، ترجمہ سید احمد فہری، شرکت چاپ و نشر بین الملل، تہران، ۱۳۸۹
- ❖ فرہنگ جامع سخنان امام حسینؑ، ترجمہ علی مؤیدی، نشر مشرقین، قم، ۱۳۸۱
- ❖ قمی، شیخ عباس، سفینۃ البحار و مدینہ الحکم والآثار، دار الاسوہ، قم، ۱۴۱۶ق
- ❖ قمی، شیخ عباس، مفاتیح الجنان
- ❖ گرم ماروی تبریزی، مولا محمد رفیع، اشک ہای خونین در سوگ امام حسینؑ (ترجمہ ذریعہ النجاہ)، ترجمہ و بازنویسی محمد حسین رحیمیان، حاذق، تہران، ۱۳۸۰
- ❖ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار الجامعہ لدرر اخبار الائمہ الاطہارؑ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ق

- نجمی، محمد صادق، سخنان حسینؑ بن علی از مدینہ تا شہادت، دفتر انتشارات اسلامی، تہران، ۱۳۷۴
- التمیمی الامدی، عبد الواحد، غرر الحکم و درر الکلم، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۷ق
- البخاری، محمد ابن اسماعیل، صحیح البخاری، حسان عبد المنان، بیت الافکار الدولیہ، الاردن، ۲۰۰۸م
- اشراقی، حاج میرزا محمد، اربعین الحسینیہ، انتشارات اسوہ، تہران، ۱۳۷۹ش
- اندلسی، ابن عبد ربہ، العقد الفرید، بیروت، ۱۴۰۸ق
- بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، دار التعارف، بیروت، ۱۳۷۹ق
- حکیمی، محمد رضا، سلونی قبل ان تفقدونی، مکتبہ الصدر، تہران، ۱۳۷۳ش
- ری شہری، محمد محمدی، منتخب میزان الحکمہ، دار الحدیث، ۱۳۸۷ش
- سنگری، محمد رضا، آینہ داران آفتاب، شرکت چاپ و نشر بین الملل، تہران، ۱۳۸۷
- شوشتری، قاضی نور اللہ۔ احقاق الحق وارھان الباطل (ج ۱۱)، مکتب المرعشی النجمی، قم
- شہر آشوب، ابو جعفر محمد ابن علی، مناقب آل ابی طالب، دار الضواء، بیروت، ۱۴۰۵
- طاووس، سید بن (۱۳۲۱ش) اللھوف علی قتلی الطفوف، تہران
- قمی، شیخ عباس، سفینہ البحار، دار الاسوہ، قم، ۱۴۱۴ق
- محلاتی، رسول، غرر الحکم و درر الکلم، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۸
- مفید، شیخ، الارشاد، ق مکتبہ بصیرتی، قم
- مقرم، عبد الرزاق، مقتل مقرم، مطبعہ آداب، نجف، ۱۳۹۲ق
- مویدی، علی، فرہنگ جامع سخنان امام حسینؑ، نشر معروف و مشرقین، قم، ۱۳۸۱

امام خمینی کی شاعری: ایک مطالعہ

تالیف: منیرہ نژاد شیخ

امام خمینی(رہ) بیسویں صدی میں دنیائے اسلام کی وہ اہم شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت اور درایت کے سہارے انقلاب اسلامی ایران کی کشتی کو ساحل نجات تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں دیگر اسلامی ممالک میں بھی اسلامی انقلاب کا جذبہ بیدار ہوا۔ انہوں نے کھلی آنکھوں سے ایران اور ایرانیوں کے لیے آزادی کا وہ خواب دیکھا جو بہت کم لوگ بند آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے جس کی پیشینگوئی بہت پہلے علامہ اقبال شاعرانہ انداز میں یوں کر چکے تھے:

میرسد مردی کہ زنجیر غلامان بشکند　　دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما

ترجمہ: ایسا شخص آئے گا جو غلاموں کی زنجیروں کو توڑے گا، میں نے آپ کے زندان کے روزنوں اور شگافوں سے یہ دیکھا ہے۔

امام خمینی نے اسی خواب کو پورا کرنے کے لیے بہت ساری قربانیاں دیں۔ چنانچہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کو ان کی ان تھک کوششوں ہی کا نتیجہ مانا جاتا ہے۔ امام خمینی کی شخصیت کے مختلف ابعاد اور پہلو تھے، وہ اپنے دور کے بڑے فقیہ، عالم و فاضل اور بے حد محبوب مذہبی، سیاسی اور انقلابی رہنما تھے مگر ان کی شخصیت کو محض مذہبی اور سیاسی نقطہ نظر سے دیکھنا غلط ہوگا۔ ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ایک عارف تھے اور یہ خصوصیت انہیں اپنے دور کے دیگر مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے الگ کرتی تھی۔ وہ عرفانی حقائق اور اپنے اندرونی جذبات کو شعری پیکر میں ڈھالنے کے ہنر سے بخوبی واقف تھے لیکن ان کی سیاسی اور مذہبی سرگرمیوں نے بہت حد تک عوام کو ان کے شعری سرمایہ سے ناواقف رکھا۔

شاعری کے بارے میں امام خمینی کا خیال مثبت تھا۔ وہ شعر کو اظہار خیال کا سب سے رفیع و اعلیٰ ذریعہ مانتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ کوئی بھی شاعر ارادی طور پر شعر نہیں کہتا ہے بلکہ شعر ایسی چیز ہے جو دل سے

اتر کر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ شاعری میں امام خمینی کا بھی یہی رویہ تھا یعنی کبھی سوچ سمجھ کر شاعری نہیں کرتے تھے بلکہ سادہ الفاظ میں دل کے جذبات کا اظہار کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعری کی صلاحیت بدرجہ اتم امام کے اندر موجود تھی مگر انہوں نے خود کو کبھی شاعر نہیں کہا۔

اگرچہ وہ اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے بھی شاعری کیا کرتے تھے[۱] مگر انقلاب کے بعد ہی فاطمہ طباطبائی[۲] کے اصرار پر باضابطہ طور پر مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ امام خمینی کی پہلی غزل، ان کی وفات کے اٹھارہ دن بعد روزنامہ "کیہان" میں شائع ہوئی جس کا مشہور مطلع حسب ذیل ہے:

من به خال لبت ای دوست! گرفتار شدم   چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شدم[۱]

ترجمہ: اے دوست میں تیرے ہونٹ کے تل کا عاشق ہو گیا اور تیری بیمار آنکھ کو دیکھ کر بیمار ہو گیا۔

اس طرح آپ کے اشعار کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کی شخصیت کے ایک اہم پہلو سے لوگ روشناس ہوئے اور امام کے عرفان کو ان کے اشعار کے ذریعے سمجھنے کا رجحان عام ہوا۔ اس طرح ان کے چار شعری مجموعے سبوی عشق، بادہ عشق، نقطہ عطف اور محرم راز منظر عام پر آئے۔ علاوہ ازیں ان کے دو شعری مجموعے آثار الحجہ اور آیینہ دانشوران جوان کے نام سے منسوب ہیں بدقسمتی سے اب دستیاب نہیں ہیں۔

مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی (رہ) نے سنہ ۱۳۷۲ش. میں امام کے تمام دستیاب اشعار کا مکمل مجموعہ دیوان امام کے نام سے زیور طبع سے آراستہ کیا۔ یہ دیوان چھے ابواب پر منقسم ان کی غزلیات، رباعیات، قصاید، مسمط، ترجیع بند اور دیگر اشعار پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کا ترجمہ انگریزی، روسی، عربی، ہندی اور اردو جیسی زبانوں میں کیا گیا ہے۔ امام کی شاعری کی بہت پذیرائی ہوئی اور مختلف مکاتب فکر کے ناقدوں نے اس میں مختلف ادبی اور فکری حسن کی نشاندہی کی۔ چنانچہ ان کی شاعری کے بارے میں کہا گیا ہے:

> "امام کی شاعری ان کے جذبات، عواطف اور افکار کی عکاسی کرتی ہے اور تنہائی میں خدا سے گفتگو کرنے کے لمحوں سے متعلق ہے۔ امام کے شعری آئینے میں سچے عرفا کی پاکیزگی، مومنین کا قلبی سکون اور ظلم و بے عدالتی سے پاک خوشگوار مستقبل کی امید دیکھی جا سکتی ہے۔"[۲]

ہم اس مضمون میں اختصار سے امام خمینی کی شاعری کے چند اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۱۴۲

۲۔ مہدی پور، سیری در دیوان اشعار امام خمینی، ص ۱۹۴

۱۔امام خمینی شاعری میں سبک عراقی کی تتبع کرتے تھے۔
۲۔شاعری میں امام کا کوئی تخلص نہیں تھا مگر انہوں نے اپنے بعض اشعار میں "ہندی" تخلص اختیار کیا[۳]۔

راز عشق تو نگوید ہندی چہ کنم من کہ ز رنگش پیداست[۱]

ترجمہ: ہندی تیرے راز عشق کو کسی سے نہیں بتاتا، لیکن کیا کروں کہ چہرے کے رنگ سے خود بخود پتہ چل جاتا ہے۔

۳۔امام کے یہاں غزل سب سے پسندیدہ صنف شاعری ہے، چنانچہ ان کے دیوان میں ایک سو انچاس غزلیں موجود ہیں۔یہی صنف سخن عرفانی اور عشقیہ مضامین کے اظہار کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

۴۔امام خمینی نے کبھی کبھی مولانا رومی، عطار نیشابوری، حافظ شیرازی، عراقی اور ہاتف کی تقلید میں شاعری کی ہے۔حافظ نے کہا ہے:

الا یا ایہا الساقی اِدر کأساً و ناوِلہا کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلہا

امام نے اس شعر کے تتبع میں یوں کہا:

الا یا ایہا الساقی برون بر حسرت دلہا کہ جامت حل نماید یکسرہ اسرار مشکلہا[۲]

۵۔امام کی شاعری میں اکثر اصطلاحات اور تعبیرات وہی ہیں جو گذشتہ شعرا کے یہاں موجود ہیں ۔ مثال کے طور پر انہوں نے دیگر شعرا کی طرح رخ، خال، زلف، مئے، لب، چشم، ابرو جیسی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے:

اہل دل را بہ نیایش اگر آدابی ہست یاد دیدار رخ و موی تو آداب من است[۳]

ترجمہ: اگر اہل دل کے پاس عبادت کرنے کا کوئی آداب اور طریقہ ہے، تو میرے لیے تیرے چہرے اور زلف کا دیدار ہی میرا آداب اور طریقہ ہے۔

رہرو عشق اگر خرقہ و سجادہ فکن کہ بجز عشق تو را رہرو این منزل نیست[۴]

۱۔دیوان امام خمینی، ص۵۰
۲۔ایضاً، ص۴۶
۳۔ایضاً، ص۵۷
۴۔ایضاً، ص۶۷

ترجمہ: اگر عشق کے راہ پر گامزن ہو تو خرقہ اور سجادہ پھینک دو، کیونکہ اس راستے میں سوائے عشق کے کوئی بھی تمہیں منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔

۶۔ امام کی شاعری کا سب سے بڑا موضوع عرفان ہے۔ امام نے عرفان کے مختلف نکتوں کو شعر کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے ہیں، گرچہ فارسی شاعری میں اس کی روایت بہت قدیم رہی ہے۔ ہم ان کی شاعری سے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

الف: خدا کی پردہ نشینی اور جلوہ گری

ای خوب رخ کہ پردہ نشینی و بی حجاب ای صد ہزار جلوہ گر و باز در نقاب[۱]

ترجمہ: اے خوبصورت معشوق تو پردہ نشیں بھی ہے اور بے حجاب بھی، تو لاکھوں جلوہ گری کے باوجود حجاب میں پوشیدہ ہے۔

امام خدا کے وجود کو تمام کائنات میں جاری و ساری دیکھتے ہیں، یعنی خدا کے جلوے دنیا میں ہر جگہ موجود ہیں اور یہی چیزیں عقلمند لوگوں کے لئے خدا کو حاضر و ناظر سمجھنے میں معاون ہیں۔

ب: خدا اور انسان کے درمیان حائل

عیب از ماست اگر دوست ز ما مستور است دیدہ بگشای کہ بینی ہمہ عالم طور است

یارب این پردہ پندار کہ در دیدہ ماست باز کن تا کہ ببینم ہمہ عالم نور است[۲]

ترجمہ: اگر معشوق ہماری آنکھوں سے اوجھل و پوشیدہ ہے او یہ ہماری خطا ہے۔ آنکھیں کھول تا کہ تو دیکھے کہ پوری کائنات طور کی طرح جلوہ مشعوق سے روشن و منور ہے۔ یارب ہماری آنکھوں پر پڑے ہوئے فکر و خیال کے پردے کو ہٹادے تا کہ میں دیکھ لوں کہ پوری کائنات نور ہی نور ہے۔

امام اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ خدا کا وجود تمام دنیا کو روشن کرتا ہے مگر انسان کو یہ دیکھنے اور محسوس کرنے کے لیے بصارت کی نہیں بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہرچہ فرا گرفتم و ہرچہ ورق زدم چیزی نبود غیر حجابی پس از حجاب

ترجمہ: جو کچھ بھی میں نے سیکھا اور جو بھی ورق پلٹا، ایک حجاب کے بعد دوسرے حجاب کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔[۱]

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۴۷

۲۔ ایضاً، ص ۵۲

امام اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ محض علم و دانش حاصل کرنے سے انسان خدا کی شناخت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر انسان کے دل میں بصیرت کی شمع روشن نہ ہو تو دل کی یہ تاریکی ایک حجاب کی طرح انسان اور خدا کے درمیان حائل رہے گی۔

ج: وحدت الوجود کا نظریہ

ما ہمہ موج و تو دریای جمالی اے دوست موج دریاست عجب آنکہ نباشد دریا[۲]

ترجمہ: ہم سب موج ہیں اور تو جمال وحسن کا سمندر ہے، موج دریا ہی ہوتا ہے عجیب ہے کہ کوئی دریا نہ ہو۔

امام خمینی نے اپنے اس شعر میں عرفان کے ایک متنازعہ مسئلہ (وحدت الوجود) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح موج سمندر کا ایک حصہ ہے اور سمندر نہ ہونے کے باوجود سمندر ہی ہے بالکل اسی طرح انسان بھی خدا سے ہی ہے اگرچہ انسان خدا نہیں ہے مگر اس سے الگ بھی نہیں ہے۔

د: خود فراموشی

بگذر از خویش اگر عاشق دلباختہ ای کہ میان تو و او جز تو کسی حائل نیست[۳]

ترجمہ: اگر تو عاشق دلباختہ ہو تو اپنی ذات سے گزر جا کیونکہ تیرے اور اس کے درمیاں تیرے علاوہ کوئی اور حائل نہیں ہے۔

درحقیقت اس شعر میں امام اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انسان کی خواہشات اسے محبوب حقیقی سے دور کر سکتی ہیں ورنہ عاشق و محبوب کے درمیان کوئی حائل نہیں ہے لہٰذا انسان کو دل کی ہر خواہش اور طلب سے گزر جانا چاہیے۔

۷۔ امام خمینی کی شاعری میں عشق الٰہی ایک اہم اور وسیع موضوع ہے۔ آپ مختلف صورتوں میں اس عشق کی وضاحت کرتے ہیں:

الف: عشق کا وجود دنیا کے ذرے ذرے میں

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۴۸

۲۔ ایضاً، ص ۴۳

۳۔ ایضاً، ص ۶۷

ذرہ ای نیست بہ عالم کہ در آن عشق نیست　　　بارک اللہ کہ کران تا بہ کران حاکم اوست[۱]

ترجمہ: دنیا میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں عشق کا جذبہ نہ ہو، بارک اللہ اس کونے سے اس کونے تک عشق ہی عشق حاکم ہے۔ یعنی دنیا میں عشق الٰہی کی حکومت ہے اسی وجہ سے ہر چیز میں اس عشق کا جلوہ موجود ہے۔

ب: **عشق، بے ابتدا بے انتہا**

عشق جانان ریشہ دارد در دل از روز الست　　　عشق را انجام نبود چون ورا آغاز نیست[۲]

ترجمہ: خدا سے محبت روز الست سے دل میں جڑ پکڑ چکا ہے، اس محبت کا کوئی انجام نہیں ہوگا کیونکہ اس کا کوئی آغاز نہیں۔

اس شعر میں امام عشق الٰہی کی جاودانگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عشق روز الست سے ہی انسان کے دل میں پیوست ہو چکا ہے اور جس چیز کی کوئی ابتدا نہ ہو تو اس کا اختتام بھی نہیں ہوگا یعنی عشق الٰہی انسان کے دل میں امَر ہے چاہے انسان اسے سمجھ سکے یا اس سے غافل رہے۔

ج: **عشق آگ کا دریا**

سالہا باید کہ راہ عشق را پیدا کنی　　　این رہ رندان میخانہ است راہ سادہ نیست[۳]

ترجمہ: راہ عشق کی تلاش میں ہزاروں سال لگ جاتے ہیں، یہ راستہ میخانے کے رندوں کا ہے کوئی سیدھا سادہ راستہ نہیں۔

اس کے باوجود کہ عشق ہر چیز میں موجود ہے مگر اس کو شعوری طور پر حاصل کرنے کے لئے بہت وقت چاہیے جو سادہ اور آسان نہیں ہے اور راہ عشق کے متوالے دنیا کے تعلقات سے پوری طرح آزاد ہیں اور عشق الٰہی کی آگ سینے میں جلائے رکھتے ہیں۔

د: **عشق میں فنا ہونا**

گر اسیر روی اویی نیست شو پروانہ شو　　　پایبند ملک ہستی در خور پروانہ نیست[۱]

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۶۲
۲۔ ایضا، ص ۶۵
۳۔ ایضاً، ص ۷۰

ترجمہ: اگر اس کے چہرے کے اسیر ہو تو فنا ہو جاؤ پروانہ ہو جاو، وہ جو ملک ہستی کا پابند ہے پروانہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

امام کہتے ہیں کہ جس طرح پروانہ شمع کے عشق میں خود کو فنا کر دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص خود کو عاشق حقیقی مانتا ہے تو اسے بھی پروانہ کی طرح اس عشق الہی کی آگ میں جل کر اپنے وجود اور ہستی کو فنا کر دینا چاہیے۔

ھ: عشق، ہر خوشی سے اوپر

گرچہ از ہر دو جہان ہیچ نشد حاصل ما   غم نباشد چو بود مہر تو اندر دل ما[۲]

ترجمہ: اگرچہ دونوں عالم سے ہم کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا لیکن کوئی غم نہیں کیونکہ تیری محبت ہمارے دل میں ہے۔

امام خمینی عشق الہی کو ہر خوشی اور نعمت سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ جس انسان کے دل میں عشق حقیقی اپنی جگہ بنالیتا ہے اسے دنیا و آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی ہے۔

و: امام کے اندر عشق کا جذبہ

جز عشق تو ہیچ نیست اندر دل ما   عشق تو سرشتہ گشتہ اندر گِل ما[۳]

ترجمہ: تیرے عشق و محبت کے سوا میرے دل میں اور کچھ نہیں، تمہارا پیار میرے وجود کی مٹی سے ملا ہوا ہے۔

ز: امام کے کلام میں عشق کی اہمیت

رہرو عشقم و از خرقہ و مسند بیزار   بہ دو عالم ندہم روی دل آرای تو را[۴]

ترجمہ: عشق کی راہ میں چلنے والا ہوں اور خرقہ اور مسند سے کوئی دلچسپی نہیں، دو عالم کے بدلے میں بھی میں تیرے دلکش چہرہ کو نہیں دوں گا۔

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۷۰
۲۔ ایضاً، ص ۴۵
۳۔ ایضاً، ص ۴۴
۴۔ ایضاً، ص ۴۲
۵۔ ایضاً، ص ۴۴

امام خمینی کے کلام میں عشق کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ وہ اسے دنیا اور آخرت کی ساری خوشیوں سے برتر سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں دو عالم کے مال و متاع سے کوئی لگاؤ نہیں اور وہ اس عشق کا سودا دو دنیا کی خوشیوں کے بدلے میں بھی کرنے کو آمادہ نہیں ہے۔

ح: **عشق کا درمان**

عاشقم عاشق وجز وصل تو درمانش نیست کیست کاین آتش افروختہ در جانش نیست [1]

ترجمہ: عاشق ہوں عاشق اور تیرے وصال کے سوا میرا کوئی علاج نہیں، کون ہے جس کے دل میں یہ آگ روشن نہیں ہے۔

امام خود کو خدا کی محبت اور عشق میں مبتلا پاتے ہیں اور اس عشق کو ایک آتش افروختہ سے تشبیہ دیتے ہیں جس سے کسی کو راہ فرار نہیں۔ امام کے مطابق درد عشق کا واحد علاج وصال حق ہے۔

۸۔ عارفانہ اور عاشقانہ موضوعات کو اپنے اشعار میں بیان کرتے ہوئے امام خمینی نے سیاسی موضوعات سے منہ نہیں موڑا بلکہ اپنی شاعری میں انہیں خاطر خواہ جگہ دی ہے۔

الف: **انقلاب سے محبت**

امام کے دل میں اسلامی انقلاب کی محبت اتنی گہری تھی کہ وہ ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہتے اور انہوں نے بعض اشعار میں اس کی جانب اشارہ بھی کیا ہے:

جمہوری اسلامی ما جاوید است دشمن ز حیات خویش نومید است
آن روز کہ عالم ز ستمگر خالی است ما را و ہمہ ستمکشان را عید است [3]

ترجمہ: ہمارا جمہوری اسلامی جاوید ہے، دشمن اپنی زندگی سے مایوس ہے، جس دن دنیا ظالموں سے خالی ہو جائے گی اس دن ہماری اور ہمارے جیسے مظلوموں کی عید ہو گی۔

ب: **ظلم و ستم کی نشاندہی**

تا بہ کی بر ما روا باشد جفای انگلیسی آن کہ در ظلم و ستم فرد است و او را نیست ثانی [1]

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ٦٦
۲۔ ایضاً، ص ۴۴
۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳

ترجمہ: کب تک انگریز ہم پر ظلم کرتے رہیں گے، وہ جو ظلم ڈھانے میں بے مثال ہے اور اس میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔

امام اپنی شاعری میں انگریزوں کے ظلم و ستم سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں اور یہ شکوہ کرتے ہیں کہ کب تک ہمیں ان کے ظلم و ستم کو برداشت کرنا پڑے گا اس طرح سے امام شاعری کو رائے عامہ ہموار کرنے کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں اور اسے اپنے انقلابی مشن کے لیے بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ امام جانتے تھے کہ شاعروں نے قومی تاریخ کو بدل ڈالا ہے عربی اور فارسی شاعری میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔

ج: جہاد کا مقام

خرقہ صوفی و جام می و شمشیر جہاد — قبلہ گاہی تو و این جملہ ہمہ قبلہ نما [۲]

ترجمہ: صوفی کا خرقہ اور جام مئے اور جہاد کی تلوار، تم قبلہ گاہ ہو اور یہ سب قبلہ دکھانے والے ہیں۔

امام خمینی ظلم و ستم کو سہنے کے قائل نہیں تھے بلکہ طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر ان کا مقابلہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور جہاد کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ظلم و ستم کے آہنی قلعوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

د: جہاد کی حوصلہ افزائی

جمہوری ما نشانگر اسلام است — افکار پلید فتنہ جویان خام است

ملت بہ رہ خویش جلو می تازد — صدام بدست خویش در صد دام است [۳]

ترجمہ: ہمارا جمہوریہ، اسلام کا نشان ہے، فتنہ کرنے والوں کے خیالات کچے اور خام ہیں، ہمارے لوگ اپنے راستے میں آگے چل رہے ہیں، صدام اپنے ہاتھوں سے پھیلائے ہوئے مکر و فریب کے سیکڑوں جال میں گرفتار ہے۔

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۲۶۶

۲۔ ایضاً، ص ۴۳

۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳

۴۔ ایضاً، ص ۱۹۵

امام جمہوریت کو اسلام کی علامت اور نشانی کے طور پر بیان کرتے ہوئے اس شعر میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ساتھ ہی اسلام دشمن قوتوں کو یہ چیلنج بھی کرتے ہیں کہ تم چاہے کچھ بھی منصوبہ بندی کرو اسلام کا سر ہمیشہ اونچا ہی رہے گا اور یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ اسلام کا برا چاہنے والے خود ہی برباد ہو جائیں گے۔

۱۰۔ ان کے بعض اشعار میں اس دور کے سماجی مسائل کی جھلک بھی موجود ہے۔

الف: اخلاص

تو راہ جنت و فردوس را در پیش خود دیدی جدا گشتی ز راہ حق و پیوستی بہ باطلہا[۱]

ترجمہ: تونے جنت وفردوس کو اپنا مقصد قرار دیا ہے، حق کے راہ سے جدا ہو کر باطل کے راستے پر چلے گئے ہو۔

امام نے لوگوں کے دینی اور دنیوی امور میں اخلاص کی قلّت کو ان کی گمراہی کا سبب بتایا ہے۔ اگر انسان کے نیک اعمال محض جنت کے حصول کے لیے ہیں نہ کے خدا کی رضا اور رغبت کے لیے تو ایسا عمل اور ایسی عبادت محض اسے گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

ب: ریا

امام کے کلام میں ریا اور تزویر اسلامی معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ تھا اس لیے انہوں نے اس شعر میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

مائیم و یکی خرقہ تزویر و دگر ہیچ در دام ریا بستہ بہ زنجیر و دگر ہیچ[۲]

ترجمہ: ہم ہیں اور تزویر کا ایک خرقہ اور کچھ نہیں، ریا کی جال میں قید ہوئے ہیں اور کچھ نہیں۔

۱۱۔ امام خمینی قرآن اور حدیث سے بخوبی واقف تھے اور ان کی شاعری میں اس کا گہرا اثر پڑا تھا چنانچہ یہ تاثیر کبھی لفظی اور کبھی معنوی سطح پر ان کی شاعری میں مکرر رونما ہوتی ہے۔ لفظی سطح پر امام بعض اشعار میں قرآن کی کوئی آیت یا ایک لفظ لاتے تھے:

گر تو آدم زادہ ہستی عَلَّمَ الاَسما چہ شد قابَ قَوسَینت کجا رفتہ است اَوادنی چہ شد[۳]

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۴۶

۲۔ ایضاً، ص ۴۷

۳۔ ایضاً، ص ۹۴

ترجمہ: اگر تو حضرت آدم سے پیدا ہوئے ہو تو تیرا علم الاسماوالا مقام کہاں ہے، اور قاب قوسین اوادنی جیسے مقام تیرے اندر کہاں ہے۔

اس شعر کا پہلا مصرع آیت ۳۱ سورہ بقرہ اور دوسرا مصرع سورہ نجم کے ابتدائی آیتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ امام کی شاعری میں قرآن کی معنوی تاثیر اس شعر سے ہویدا ہوتی ہے کہ:

ہمہ جا منزل عشق است کہ یارم ہمہ جاست　　　کوردل آنکہ نیابد بہ جہان جای تورا[1]

اس شعر میں سورہ بقرہ کی آیت ۳۴ کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ و للہ المشرق و المغرب فاینما تولّوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسعٌ علیم۔

۱۲۔ امام نے مختلف ادبی صنایع کا کثرت سے استعمال کیا ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ امام کو فن شاعری پر پورا عبور حاصل تھا۔ امام نے خاص کرکے صنعت تلمیح سے کثرت سے کام لیا ہے۔ حضرت آدم، نوح، مسیح، خلیل، جبرئیل، خضر، قیصر و کسری ان کے تلمیحات کے چند نمونے ہیں۔ عشق الہی کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کو بیان کرنے کے لیے امام نے خلیل کی تلمیح سے استفادہ کیا ہے:

با عشق رخت خلیل را ناری نیست　　　جویای تو بافرشتہ اش کاری نیست[2]

ترجمہ: تیرے عشق کی وجہ سے حضرت ابراہیم کے سامنے کوئی آگ نہیں، تیرے متلاشی کو فرشتوں سے کوئی سروکار نہیں۔

منابع و مآخذ

❖ امام خمینی، دیوان امام، تنظیم و نشر آثار امام خمینی (س)، چاپ ششم، ۱۳۷۴ش؛
❖ محمد مہدی پور، "سیری در دیوان اشعار امام خمینی (رہ)"، مشمولہ فصلنامہ زبان و ادب فارسی، شمارہ ۱۷۴، ۱۳۷۹، ۲۰۶-۱۹۳؛

۱۔ دیوان امام خمینی، ص ۴۲
۲۔ ایضاً، ص ۳۱۳

امام خمینی اور آیت اللہ خامنہ ای کے سیاسی مشترکات

تالیف: مہدی باقر خان

گذشتہ صدی کے آخری ۵۰ سال، معاصر ایران کے تاریخ ساز، سیاسی تغیرات کے لئے یاد رکھے جائیں گے جس میں جہاں ایک طرف امام خمینی (رہ) کی مدبرانہ دور اندیشیوں اور ان کی انتھک کاوشوں نے اسلامی انقلاب کی داغ بیل ڈالی وہیں دوسری طرف آیت العظمی سید علی خامنہ ای کی دلیرانہ قیادت اور گرانقدر، خدمات کے سائے میں پروان چڑھنے والے اسلامی انقلاب نے تاریخ جمہوریت میں ایک نیا باب، وا کر دیا اور دنیا کو ایک ایسے نظام سے آشنا کرایا جو مکمل طور پر شہنشاہی آمریت سے پاک و مبرّا ہونے کے ساتھ ولایت و شریعت کے مضبوط ستونوں پر استوار ہے۔

سر دست ہم اسلامی انقلاب کے اوائل سے لے کر ایران کے موجودہ نظام تک کا ایک سرسری جائزہ ہی لیں گے جس سے بانی انقلاب اسلامی (امام خمینی (رہ) اور رہبر انقلاب اسلامی (آیت اللہ خامنہ ای) دونوں ہی کے طرز فکر، طریقہ کار اور کم و بیش لائحہ عمل کے مشابہ خد و خال ابھر کر سامنے آسکیں گے۔

گذشتہ ۵ دہائیوں پر اگر طائرانہ نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ امام خمینی نے روز اول سے معاشرہ میں کسی بھی مثبت تبدیلی اور انقلاب کے لئے علما و صالح افراد کو پیش پیش جانا ہے تاہم ان کے کردار کو سراہا ہے۔ آپ نے اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل علما کے ذریعے شاہی نظام کی برائیوں سے سماج کو آگاہ کرنے کو بنیادی قدم قرار دیا ہے[۱]۔ جیسا کہ آپ نے ایران سے جلا وطنی کے دوران نجف سے حوزہ علمیہ قم کے اساتذہ کو لکھے گئے خط میں بھی علما کی علمی کاوشوں کے ساتھ ساتھ انکی سیاسی جانفشانیوں کی قدر دانی بھی فرمائی[۲]۔ چنانچہ ہم آیت اللہ خامنہ ای کے یہاں بھی یہی مطمح نظر پاتے ہیں، اور اوائل انقلاب سے لے کر اب تک

۱۔ صحیفہ امام، ج ۲، ص ۵۳
۲۔ صحیفہ امام، ج ۲۱، ص ۶۸۵

اسی نصب العین پر پابند نظر آتے ہیں آپ نے گذشتہ سے پیوستہ سال علماء وطلاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ معاشرہ کی ہدایت اور اصلاح کی اصل ذمہ داری علما کی ہے اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ سماج کی سیاسی رہنمائی بھی علما و صالحین کا فریضہ ہے[۱]۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینیؒ نے بیشتر ایسے افراد کو اہم ذمہ داریاں سونپی جو اپنے دور کے جید عالم اور صالح انسان تھے اور مختلف صوبوں، شہروں میں موجود انتظامیہ اور عدلیہ کے حساس شعبہ میں خدمات انجام دے سکتے تھے چنانچہ مجلس خبرگان جیسی غیر معمولی اہمیت کی حامل کمیٹی میں تقریباً آدھے لوگ دینی معاملات کے ماہرین تھے[۲]۔ بالکل وہی راہ وروش آیت اللہ خامنہ ای کے صدر جمہوریہ ہونے سے لے کر رہبریت کے عظیم مناصب پر فائز ہونے تک دکھائی دیتی ہے۔ شاید اسی لئے آپ نے بارہا ملک کی اہم ذمہ داریوں کے لئے علما پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے۔

علاوہ ازیں، ایرانی طلاب کی یونین جسے انجمن اسلامی کے نام سے جانا جاتا ہے جو امام خمینیؒ کے پیرو ہونے کے سبب انقلاب رونما ہونے سے تقریباً ۱۵ سال قبل سے ہی شاہ کے دور کے اس گھٹن بھرے ماحول میں سرگرم عمل تھی۔ اس وقت امام خمینیؒ نے ان طلاب کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں انقلاب کے روشن مستقبل کی علامت جانا۔ اسی لئے ان طلاب کے ذریعے ۱۹۸۰ء میں تہران میں واقع امریکی سفارتخانہ کی تسخیر کو امام خمینیؒ نے شجاعت مندانہ اقدام قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا: اس کارنامہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے سبب آج وہ بت ٹوٹ گیا جسے دنیا بھر کی اقوام کے لئے تراشا گیا تھا[۳]۔

آیت اللہ خامنہ ای نے بھی طلاب کی اس یونین یعنی انجمن اسلامی کی تشکیل اور اس کی تحریک کو انقلاب کے مخلصین کا ثمرہ قرار دیتے ہوئے ایسے طلاب کو امام خمینی کا سچا پیروکار اور ملت ایران کے شہامت عمل کا نمونہ قرار دیا ہے[۴]۔

علاوہ ازیں ایرانی معاشرہ کا روشن فکر اور دانشور طبقہ جس کا ملک کے علمی اور اکیڈمک ماحول پر بہرحال

۱۔www.leader.ir

۲۔www.jameemodarresin.org

۳۔ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۳۰۶

۴۔www.leader.ir

اثر پایا جاتا رہا ہے امام خمینی نے ہمیشہ انہیں قومی دھارے سے جڑے رہنے اور اسلامی تحریک کا حصہ بن کے زندگی گزارنے پر وادار کیا چنانچہ ان کے بعد آیت اللہ خامنہ ای کے یہاں بھی ہمیں اس قسم کی عملی اشتراکیت گرائی (Inclusive Policy) بدرجۂ اتم نظر آتی ہے جیسا کہ آپ نے بھی ہمیشہ ایرانی معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر فن کے افراد سے مسلسل اپنے تعاملات برقرار رکھے ہیں اور انہیں وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی نصائح سے نوازتے رہتے ہیں۔

امام خمینی نے ایسے تمام سیاسی و فکری رجحانات پر سخت تنقید کی اور انقلاب کی کامیابی کے بعد اس پر قدغن لگانے کا اعلان کیا جو کسی بھی آئیڈیل اسلامی معاشرہ اور نظام کے لئے نقصان دہ اور دشمنان اسلام کے لئے مفید تھے ٹھیک اسی طرح آیت اللہ خامنہ ای نے بھی حزب تودہ جیسی پارٹیوں کے لئے وہی موقف اختیار کیا اور اسے سویت یونین سے وابستہ ٹولی قرار دیتے ہوئے ۱۹۸۴ء میں کالعدم قرار دیا۔ امام خمینی نے مجاہدین خلق نامی منافقین کی اس پیشکش پر کہ وہ اپنے تمام تر مظالم اور دسیسہ کاریوں کے باوجود امام خمینی سے ملاقات و گفتگو کرنا چاہتے تھے، فرمایا تھا کہ تم اسلحہ رکھ دو اور دین اسلام کی طرف لوٹ آؤ میں ایک بار ہی نہیں دس بار تم لوگوں سے ملاقات کروں گا[۱]۔

آیت اللہ خامنہ ای نے بھی اس رجحان کو مارکسی رجحان قرار دیا جو کسی بھی قیمت پر ملت مسلمہ کے لئے مفید نہیں ہو سکتا[۲]۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا اقتباسات میں ہم نے بعض ان سیاسی مشترکات کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق ما قبل انقلاب سے ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے رونما ہونے اور اسلامی جمہوریہ کی تشکیل و تعمیر کے بعد بھی یہ سلسلہ نہ صرف اسی آب و تاب سے جاری ہے بلکہ بسا اوقات ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جہاں کسی بحرانی کیفیت کے راہ حل کی پیشکش آیت اللہ خامنہ ای کے ذریعے کی گئی تو امام خمینی نے اس کی تائید کی ہے جیسے ۱۹۸۳ء کے آس پاس خود آیت اللہ خامنہ ای جس سیاسی حزب سے متعلق تھے اس کے جنرل سکریٹری ہونے کے باوجود اس میں اندرونی طور پر نظریاتی تفریق ہو جاتی ہے جسے خود آیت اللہ خامنہ ای اور آقای رفسنجانی نے مشترکہ طور پر امام خمینی کو لکھے گئے ایک خط میں بیان کیا جس میں امام

۱۔ چشم انداز ایران، شمارہ ۱۵، ص ۷۷

۲۔ انقاضہ شعبانیہ، تبرائیان، ص ۳۱۵، سال اشاعت ۲۰۱۳ء

خمینی کے سامنے یہ صورت حال رکھی گئی کہ ہماری جمہوری اسلامی نامی سیاسی پارٹی میں بعض وجوہات پر دو گروہ ہونے کا امکان ہے لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ پارٹی کو معطل کرتے ہوئے کالعدم قرار دے دیں چنانچہ امام خمینی نے تحریری طور پر اپنی موافقت کا اعلان کر دیا اور ۱/جون ۱۹۸۷ء کو یہ پارٹی پورے طور پر ختم کر دی گئی[۱]۔

۲/جون ۱۹۸۹ء امام خمینی کی رحلت کے بعد بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اسلامی انقلاب پر استوار ایرانی نظام میں کوئی فکری خلا واقع ہو جائے گا مگر آیت اللہ خامنہ ای نے پورے تزک و احتشام کے ساتھ اسی راہ و روش کو آگے بڑھایا اور عالمی سامراج کے خلاف وہی استقامت، ایمانی ہوشمندی اور قومی یکجہتی کے ساتھ امام خمینی کے نظریہ کو ایرانی نظام کے رگ و پے میں سمو دیا اور فرمایا:

"آج ہمارے ملک کی سعادتمندی اسی میں ہے کہ ہم امام خمینی کے بتائے ہوئے راستے پر آگے بڑھیں، ملت کے تمام عزائم اسی راستے پر چلنے سے پورے ہونگے"[۲]۔

امام خمینی نے جہاں ضد سامراج موقف کو حقیقی اسلام اور استعمار نواز اسلام کو امریکائی اسلام قرار دیا اور ان دونوں کے فکری رجحانات کی نشاندہی کی یہ کہہ کر کہ سیاست کو دین سے الگ کرنے کی کوشش، ذاتی رفاہ و آسائش کو معاشرہ کے مظلوموں پر ترجیح دینا، امریکی اسلام سکھاتا ہے جب کہ حقیقی اسلام یعنی دین محمدی، دنیا کے مستضعفین کے حق کے لئے سیاسی میدان میں اترنے کی ہمت اور استقامت عطا کرتا ہے[۳]۔

وہیں آیت اللہ خامنہ ای نے بھی اس سلسلے میں کم و بیش اسی تفکیک کا ذکر کیا ہے اور عہد حاضر میں اسلام کے رائج پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جس میں ایک طرف محروموں کو نجات دلانے والا دین ہے تو دوسری طرف دنیا کی بڑی طاقتوں اور سرمایہ داروں کا دین ہے جو دراصل امریکی اسلام ہے[۴]۔

مذکورہ موارد سے قطع نظر اگر ہم اعتقادی تھیوری کے رخ سے دیکھیں تو بھی ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ دونوں ہی قائدین نے اپنے افکار میں اسلامی اقدار و معیار کی خصوصی جگہ رکھی ہے اور کسی بھی قیمت پر

۱۔ صحیفۂ نور، ج ۲۰، ص ۹۳
۲۔ بیانات رہبری اور دیدار باستاد بر گزاری مراسم ارتحال امام
۳۔ صحیفہ، ج ۲۱، ص ۲۰۴
۴۔ روزنامہ جوان، ۲۷ اردیبہشت ۱۳۹۳، ص ۲

اسلامی تشخص اور امتیاز پر آنچ نہیں آنے دی ہے اور جہاں امام خمینی نے اسلامی جمہوریہ کو ریفرنڈم کے ذریعے بہترین طرز حکومت کے طور پر پیش کیا وہیں آیت اللہ خامنہ ای نے بھی اسے زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر دنیا میں رائج لبرل ڈیموکریسی کے مقابل بہترین حکومتی نمونہ قرار دیا۔

اگر امام خمینی اور آیت اللہ خامنہ ای کا فردی حیثیت سے جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ دونوں ہی قائدین کی سادہ زیستی ان کے درمیان اہم قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام خمینی سیاست کی تاریخ میں ان چنندہ رہبروں میں ہیں جو عالمی سطح پر قبول عام حاصل ہونے کے بعد بھی خود کو اپنے وصیت نامہ میں حقیر طالب علم کہتے ہوئے نظر آتے ہیں[۱]۔

آیت اللہ خامنہ ای نے بھی اپنے سلسلے میں اپنے چاہنے والوں کی جانب سے اٹھنے والے چند نعروں سے متعلق فرمایا کہ فرد کے بجائے دین سے محبت کیجئے کیونکہ میری آبرو بھی اسی دین کی وجہ سے ہے۔

علاوہ ازیں، ایران مخالف، امریکی دسیسہ کاریاں جو کسی سے چھپی نہیں ہیں اور شاہ کا نظام بھی اسی کا مرہون منت تھا امام خمینی نے اسی وقت امریکہ کو ام الفساد اور شیطان بزرگ کا نام دیا تھا اور جب امریکہ نے اس زمانے میں اقتصادی پابندیوں کی دھمکیاں دی تھی تو امام خمینی نے فرمایا تھا:

"ہم محرم اور رمضان والے ہیں ہمیں اقتصادی محاصرہ سے نہ ڈراؤ"۔

آیت اللہ خامنہ ای نے بھی امریکی دھمکیوں کے جواب میں اپنے ایک بیانیہ میں کہا تھا:

"ہم ظلم کرنے والوں کے مقابل حسینی رویہ اختیار کرینگے"۔

امام خمینی نے اوائل انقلاب سے جن موضوعات پر خصوصی توجہ برتی ہے ان میں سے ایک اہم موضوع اسلامی اتحاد ہے۔ آپ نے ہی "لاشرقیہ لاغربیہ جمہوریہ اسلامیہ" کا نعرہ دیا، آپ نے ۱۲ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول کو ہفتہ وحدت کا نام دیا آپ نے اتحاد بین المسلمین کو اسلامی وقار اور قوت و طاقت کا سبب اور تشتّت، انتشار اور اختلاف کو مسلمانوں کی تضعیف اور ان کی کمزوری کی علت قرار دیا تاہم مختلف مواقع پر اس سلسلے میں بیانات جاری کرکے اس پر تاکید کی۔ آج ہم سبھی شاہد ہیں کہ آیت اللہ خامنہ ای کی رہبری میں ایران کے ہر سرکاری اور غیر سرکاری اسٹیج سے اتحاد و یکجہتی کی کس قدر کاوشیں ہورہی ہیں یہاں تک کہ آیت اللہ خامنہ ای نے اپنے ایک بیان میں فرمایا:

۱۔ صحیفہ نور، ج ۲۱، ص ۴۰۱

"مقدسات اہل سنت کی توہین حرام ہے"۔

یا اس کے علاوہ مسئلہ فلسطین اور بیت المقدس ہے جس کے لئے امام خمینی نے آواز بلند کرکے دنیائے اسلام کی توجہ کو اس طرف مبذول کرانا چاہا اور رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو روز قدس کا نام دیا آج تک آیت اللہ خامنہ ای کی سرپرستی میں دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں اور صیہونی طاقتوں کے لئے آیت اللہ خامنہ ای کی حکمت عملی درد سر بنی ہوئی ہے تاہم فلسطینی قوم کی مظلومیت و اسرائیلی مظالم پر گفتگو ان مسایل میں سے ہے جس پر امام خمینی (رہ) اور آیت اللہ خامنہ ای دونوں ہی قائدین نے بے حد زور دیا ہے اور دینا بھر کی اقوام و ملل سے اس سلسلے فکری یکجہتی اپنانے کی تاکید کی ہے اور بعض اسلامی ممالک کی اس حساس موضوع کے تئیں سرد مہری پر افسوس کا اظہار کرتے فرمایا ہے:

"کیا یہ اسلامی ممالک کے لئے شرم کی بات نہیں ہے کہ اسرائیل مسلسل وہاں فلسطینیوں کو ستاتا رہے اور دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان محض تماشا بین بنے رہیں، کس بات سے ڈرتے ہیں یہ لوگ؟ اتنے کمزور و ناتواں کیوں ہیں؟[1] جب حج پر جائیں تو مسلمانوں کو بیدار کریں کہ آخر کروڑوں کی تعداد پر مشتمل عالم اسلام؛ دنیا کی دو طاقتوں کے دباو میں کیوں ہے؟"[2]

آیت اللہ خامنہ ای نے بھی اپنے ایک حج کے پیغام میں مسلمانوں کی آبرو اور وقار سے جڑے اس موضوع کو عصری اسلام اور دنیائے بشریت کا سب سے اہم موضوع قرار دیتے ہوئے حجاج بیت اللہ اور زایرین خانہ خدا سے اپیل کی ہے کہ مسلمان اس مسئلہ کے حل کے لئے سر جوڑ کے بیٹھیں؛ آپ فرماتے ہیں:

"آج کا سب سے اہم موضوع، مسئلہ فلسطین ہے جو گذشتہ نصف صدی کے دوران شاید دنیائے اسلام بلکہ عالم بشریت کے لئے سب سے اہم موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات ایک قوم کی آوارہ وطنی، مظلومیت اور انکے درد سے متعلق ہے؛ یہ ایک غاصب ملک کے ذریعے کیے گئے ظلم کی بات ہے۔ اسلامی ممالک کے دل میں پیدا ہونے والے سرطانی عنصر کی بات ہے جو اس مقام پر نشو و نما پا رہا ہے جو عالم اسلام کے مشرق و مغرب کا نقطہ

۱۔ صحیفہ نور، ج ۱۸، ص ٦٧

۲۔ ایضا، ٦٨

اتصال ہے۔ بات اس مسلسل ہونے والے ظلم کی ہے جس نے مظلوم فلسطینی قوم کی دو مسلمان نسل کو اپنی زیادتیوں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔آج جبکہ فلسطینی قوم کی خونچکا تحریک نے ان کی زمینوں میں دراندازی کرنے والے انسان نما بے رحم درندوں کو چیلینجز سے دوچار کرا دیا ہے، دشمن نے مزید پیچیدہ ہتھکنڈے اپنا لئے ہیں چنانچہ جہان اسلام پر فرض ہے اس موضوع کو پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے لے اور اس سلسلے میں چارہ جوئی کرے۔[۱]"

امام خمینی (رہ) کی رو سے حج کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی فریاد رسی کی جائے۔امام خمینی کے بقول، طواف کعبہ؛ اغیار و اشرار سے دوری کا باعث ہونا چاہیے اور رجم عقبات، شیاطین اور سامراجی طاقتوں سے پہلو تہی کا سبب ہونا چاہئے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"آج ملت مسلمہ کا قبلہ اول، اسرائیل نامی ناسور کے ہاتھ لگ گیا ہے۔آج ہمارے فلسطینی بھائی خاک و خون میں غلطاں ہیں؛آپ کو اللہ سے یہ عہد کرنا ہوگا کہ اسلامی مملکتوں سے دنیاوی سپر پاوروں کے تسلط و نفوذ کا خاتمہ کرینگے۔آج دنیائے اسلام کے بعض ممالک، امریکہ کے زیر نگیں ہیں۔آپ کو حج بیت اللہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے پیغام لے کر جانا چاہیے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی غلامی و بندگی نہیں کرینگے۔[۲]"

آیت اللہ خامنہ ای کے بیان کے مطابق، مسئلہ فلسطین کا حل سرطانی ناسور یعنی صہیونیت کا آپریشن ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"ہم مسئلہ فلسطین کا علاج ان نسخوں میں نہیں پاتے ہیں جو دنیا کی بڑی طاقتوں کے ذریعے لکھے جا رہے ہیں، فلسطین کے زخموں کا علاج، صہیونی ناسور کو کاٹ کے پھینک دینا ہے اور یہ عین ممکن ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سلسلے میں حج کے موقع پر مل بیٹھ کر زبان و عمل کی یکرنگی کے ساتھ مضبوط لائحہ عمل تیار کریں؛ حاجیوں کا یہ اہم فریضہ ہے اگر اس پر عمل کیا گیا تو اسلام کے جسم پر موجود یہ زخم کاری، شفا پا جائیگا؛ خدا ہمارے ساتھ ہے

۱۔ پیام حج رہبری، ۱۶/جون ۱۹۹۱ء
۲۔ صحیفہ نور، ج ۹، ص ۲۲۴ء

انشا اللہ۔"[۱]

تاہم، آیت اللہ خامنہ ای کی رو سے غاصب صہیونی حکومت اسرائیل، ملت مسلمہ کے حال و مستقبل لئے بڑی تشویش کا موضوع ہے مسلمانوں پر لازم ہے اس سے متعلق ہمفکری کا مظاہرہ کریں چناچہ آپ فرماتے ہیں :

> "آج صہیونی حکومت ، دنیائے اسلام کے حال و مستقبل کے لئے خطرہ ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے اس کا علاج تلاش کریں اور اسکا علاج مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے وہ ان مسلمان مزاحمت کاروں کی صحیح معنی میں مدد کریں اور تحریک فلسطین کو قوی سے قوی تر بنائیں اور خطہ کے دیگر ممالک کو امریکہ کی خواہش کے مطابق اسرائیل کے ساتھ ساٹھ گانٹھ نہ کرنے دیں۔"[۲]

یہاں تک کہ حج کی سیاسی - عبادی معنویت اور اس کے فیوض و برکات سے متعلق امام خمینی کا جو نقطہ نظر تھا وہی مطمح نگاہ آیت اللہ خامنہ ای کا بھی ہے چنانچہ ہم ہر سال امام خمینی کی طرح آیت اللہ خامنہ ای کے ذریعے بھی پیام حج کے عنوان سے ایک نہایت بلیغ خطاب دیکھتے ہیں جو اسلامی معاشروں کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسٹریٹجی اور سیاسی سوجھ بوجھ میں بھی دونوں قائدین کے یہاں غیر معمولی مشابہت و مماثلت ہے۔ چنانچہ سیاست میں للّٰہیت سے لے کر فرض شناسی، عوام الناس کی قدردانی، سیاسی بساط کو عوام کی آسان دسترس میں رکھنا، مخلصین پر اعتماد، قومی یکجہتی کا پاس و لحاظ اور اختلاف و انتشار سے پرہیز، اقتصاد کے لئے خام تیل کی درآمدات پر عدم انحصاری، ملک کے مستعد اور باصلاحیت افراد کو ترجیح دینا اور مستقل سائنس و ٹکنالوجی کے شعبہ میں ملک کی ترقی کے لئے چارہ اندیشی وہ عناصر ہیں جس میں امام خمینی سے لے کر آیت اللہ خامنہ ای تک شمّہ برابر بھی اختلاف نہیں ملے گا۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ آیت اللہ خامنہ ای نے تمام حکمت عملی اور اسٹریٹجی میں امام خمینی کے ذریعے چھوڑے گئے نقوش کو ہی مزید پر رنگ کرنا چاہا ہے۔

۱۔ پیام حج رہبری، جولائی ۱۹۸۹ء

۲۔ پیام حج رہبری، ۱۶/جون ۱۹۹۱ء

دونوں بزرگ قائدین کے طرز فکر اور انداز بیان میں جو یکسانیت ہے وہ بھی قابل غور ہے جیسے امام خمینی نے ایک مقام پر عالمی سامراج کے دین اسلام کے خلاف محاذ آرائی کے سلسلے میں فرمایا تھا:

"اغیار کے جنایتکار ہاتھ اس کوشش میں تھے کہ مشرق کو بالخصوص اسلامی ممالک کو اپنے منافع کے لئے قبضہ میں رکھیں اور انہوں نے اس سلسلے میں ان ممالک میں اپنے پیروکاروں کے ذریعے تحقیقات کی تھیں اور اس نتیجہ پر پہونچے تھے کہ مسلمانوں کو قرآن سے متمسک نہ رہنے دیا جائے، یہ قرآن کریم کو اپنا سد باب جانتے ہیں۔ اگر تمام مسلمان قرآن کریم سے منسلک ہو جائیں تو ان کی ہمت نہیں ہوگی۔ انہوں نے قرآن کریم اور اسلام کو لوگوں سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقوام کو اسلام سے جدا کیا ہے"[۱]۔

"ان کی یہ کوشش ہے کہ علم دین حاصل کرنے والوں کو علوم اسلامی سے دور کردیں اور اسلامی احکامات نذر طاق نسیاں ہو جائیں اور ہم مسلمانوں ہی کے ہاتھوں دین و دیانت داری کے نقوش مٹ جائیں اور ہمارے یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے جوان پوری طرح مغرب پر تکیہ کرلیں ہر چیز انہی سے لی جائے اور یہ بہت بڑا خطرہ ہے"[۲]۔

آیت اللہ خامنہ ای نیز اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

"سامراجی طاقتوں کے اسلام دشمنی پر مبنی، موقف کا بہت نزدیک سے جائزہ لیا گیا، آج استعماری طاقتیں جیسے امریکہ، برطانیہ اور ان کے بہی خواہ اس ظالمانہ دشمنی پر بہت بھاری رقم خرچ کر رہے ہیں اہم بات یہ ہے کہ ان کا یہ معاندانہ رویہ اسلام کے مقابل ان کے مراکز اور ان کے موقف کی کمزوری کی عکاسی کرتا ہے۔ اسلام کے ساتھ ان کا حاسدانہ برتاؤ چاہے ثقافتی لحاظ سے ہو یا سیاسی زور و زبردستی کے اعتبار سے اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے مقابل ان کے ضعف اور خوف کا غماز ہے"[۳]۔

اکثر خلیجی اور اسلامی ممالک بالخصوص مشرق وسطی میں واقع ایران اپنی جیو پولٹیکل، اسٹریٹجک پوزیشن

۱۔ صحیفہ نور، ج۵، ص ۱۷۲

۲۔ صحیفہ نور، ج ۲، ص ۲۰

۳۔ منشور تداوم انقلاب، پیام رہبر بہ مناسبت ایام حج، ۱۹۹۰ء

اور ذخائر اور معدنیات کے وفور کے سبب دنیا کی بڑی طاقتوں کی نظر میں ہمیشہ کھٹکتا رہا ہے۔ امام خمینی نے اس سلسلے میں فرمایا تھا چونکہ مشرق وسطی میں ذخائر زیادہ ہیں اور تیل کی پیداوار مشرقی ممالک جیسے کویت، حجاز، ایران وغیرہ میں زیادہ ہے اسی لئے اغیار نے اس پر آنکھیں گڑا رکھی ہیں[۱]۔

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں ہمارے ذخائر تک رسائی نہیں کر پا رہی ہیں اور ان کی غاصبانہ پالیسی ملت ایران کی بلند ہمتی اور ہماری مسلح افواج کی وجہ سے ناکارہ ہو چکی ہے لہٰذا وہ ہاتھ پیر مار رہے ہیں تاکہ کسی طرح اسلامی برادری میں پھوٹ ڈال کے ان پر جنگ مسلط کر دی جائے، اس طرح ان کا اپنا تسلط بھی برقرار رہے گا اور وہ اپنی سفاکانہ حرکتیں بھی جاری رکھ سکیں گے[۲]۔

آیت اللہ خامنہ ای نے ٹھیک اسی انداز میں ان کی دسیسہ کاریوں سے متعلق فرمایا:

> "ایک بہت اہم مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے ذخائر اور ان کے سیاسی و اقتصادی حتی دفاعی محاذ پر شیطان بزرگ کا تسلط بڑھتا نظر آرہا ہے یہ ظالم اور بالادستی کی بھوکی طاقت، سوویت یونین کا شیرازہ بکھیرنے کے بعد اس کوشش میں ہے کہ پوری دنیا بالخصوص زرخیز اسلامی خطوں میں اپنے اثر ورسوخ کو مزید بڑھائے اور جنگ سرد کے بجائے چوطرفہ یلغار کرنے کے فراق میں ہے۔ یہ شیطانی حکومت، فطری طور پر غیر انسانی قسم کے مسائل اور مشکلات سے دوچار ہے اور یہ اپنے مشکلات کو دنیا کے سر ڈالنا چاہتی ہے تاکہ حساس اور زرخیز خطوں پر اپنا تسلط قائم رکھ سکے"[۳]۔

امام خمینی نے جہاں اوائل انقلاب میں ملک کے روستائی اور دور افتادہ علاقوں کی ترقی کے لئے تحریک شروع کی اور انقلاب کے ثمرات کو عام آدمی تک پہونچاتے ہوئے بسیج نامی سماجی خدمتگاروں کی تنظیم تشکیل دی وہیں آیت اللہ خامنہ ای نے اپنے وقت اور عالمی تقاضوں کے پیش نظر بین المذاہب گفتگو کے لئے عالمی فورم تشکیل دیا، قیام نماز کے لئے انجمن بنائی۔

امام خمینی اور آیت اللہ خامنہ ای دونوں ہی نے تہذیبی اور ثقافتی امور پر غیر معمولی توجہ دی، امام خمینی

۱۔ صحیفہ نور، ج ۲، ۱۴۶

۲۔ صحیفہ نور، ج ۱۳، ص ۱۹۹

۳۔ پیام حج، ۱۶ جون، ۱۹۹۱ء

نے تہذیب کو کسی بھی ملک کی سعادت و بد بختی کی اساس جانا اور آیت اللہ خامنہ ای نے کلچر کو معاشرہ کے سانس لینے کی جگہ سے تعبیر کیا ہے اور ایسے لوگوں کی سخت سرزنش کی ہے جو اقتصاد وغیرہ جیسے معاملات کے آگے ملک کی تہذیب کو ثانوی درجہ کا موضوع گردانتے تھے۔

امام خمینی اور آیت اللہ خامنہ ای کی فکری اور عملی مماثلتوں اور مشابہتوں سے متعلق بس اتنا سمجھ لیں کہ اگر آیت اللہ خامنہ ای نے فرمایا کہ یہ انقلاب، امام خمینی کے نام کے بغیر دنیا میں کہیں پہچانا نہیں جاسکتا تو وہیں امام خمینی نے کہا تھا کہ:

"آقای خامنہ ای میں قائد و پیشوا ہونے کی تمام استعداد اور استحقاق موجود ہے"۔

دونوں قائدین کے یہاں سیاسی مشترکات کے بہتات کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ امام خمینی اور آیت اللہ خامنہ ای کی فکری اور عملی یکسانیت و یکرنگی؛ اسلامی انقلاب کی کامیابی سے لے کر اس نظام کے تشکیل اور اس کے استقلال و استحکام حاصل ہونے تک بنیادی عنصر کی طرح کارفرما رہا ہے۔ دونوں کا منشور ایک ہے۔ ایسا منشور کہ ایمان، آخرت باوری، عدم دنیاداری، خلق دوستی، شہادت پسندی، فداکاری، بہادری، تعقّل گرائی، عدم تشدد پسندی، سامراج کے خلاف بلند ہمتی، اخلاص، شرح صدر اور توکل علی اللہ جس کے اجزائے ترکیبیہ ہیں۔

اسلامی انقلاب کو اس کے تمام معنوی التزامات کے ساتھ ہر قسم کے وبال و گزند سے محفوظ رکھنے کی فکر کو دونوں ہی قائدین کے یہاں بڑے قدر مشترک کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ دونوں ہی نے انقلاب کے عظیم منارے سے قوم و معاشرہ کی رہنمائی کا کام کیا ہے اور اس سلسلے میں سطحی نگری سے پرہیز کرتے ہوئے سیاست کے عصری ماحول اور تقاضوں پر نہایت دقیق اور عمیق نظر رکھی ہے دونوں بزرگوں نے ارتقائی، پایدار اور مستحکم، حکمت عملی اپنائی اور اس دوران نشیب و فراز بھی آئے مگر انھوں نے اپنے عزم راسخ اور نیت خالص کے سبب ہر بحران پر قابو پایا اور وقت اور زمانے کے تقاضوں کے ساتھ نظریات کی جدیدکاری، صلابت رائے اور شجاعانہ سیاسی ہوشمندی کو ہمیشہ روا رکھتے ہوئے جمہوری حاکمیت کی ایک نئی تاریخ رقم کردی۔

منابع و مآخذ:

❖ صحیفہ امام؛ ج ۲، ۹، ۱۳، ۱۶، ۲۰، ۲۱، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۶۸ شمسی

❖ شرح اسم، زندگی نامہ آیت اللہ سید علی خامنہ ای (۱۳۱۸-۱۳۵۷)، ہدایت اللہ بہبودی، موسسہ مطالعات وپژوہش ہای سیاسی، چاپ اول، تہران ۱۳۹۱ شمسی

❖ چشم انداز ایران؛ شمارہ ۱۵؛ مرداد و شہریور، ۱۳۸۱ شمسی، تہران

❖ فصلنامہ اندیشہ تقریب، شمارہ ۸۷، تہران، ۱۳۹۷، شمسی

❖ روز نامہ جوان، ۲۷ اردیبہشت ۱۳۹۳ شمسی، تہران

❖ انتفاضہ شعبانیہ، تبرائیان، مرکز اسناد اسلامی تہران، ۲۰۱۳ء

❖ منشور تداوم انقلاب؛ پیام آیت اللہ خامنہ ای بہ مناسبت ایام حج، ۱۹۹۰ء

❖ بیانات رہبری اور دیدار باستاد بر گزاری مراسم ارتحال امام، ۱۹۹۷ء

❖ پیام آیت اللہ خامنہ ای بہ مناسبت ایام حج، ۱۶جون، ۱۹۹۱ء

❖ پیام آیت اللہ خامنہ ای بہ مناسبت ایام حج، ۱۶/جون ۱۹۹۱ء

❖ پیام آیت اللہ خامنہ ای بہ مناسبت ایام حج، جولائی ۱۹۸۹ء

❖ پیام آیت اللہ خامنہ ای بہ مناسبت ایام حج، ۱۶/جون ۱۹۹۱ء

❖ www.leader.ir

❖ www.jameemodarresin.org

Advisory Board

Prof. S.M. Azizuddin Husain, Prof. Akhtarul Wasey
Prof. Syed Ali Mohd Naqvi

Editorial Board

Prof. Syeda Bilqis Fatema Husaini, Dr. Haider Reza Zabit
Dr. Ali Reza Qazveh

Chief Editor

Dr. Ali Rabbani

Editor

Prof. Syed Akhtar Mahdi Rizvi

Joint Editor

Dr. Khan Mohd Sadiq Jaunpuri

Composing : Qari Mohd Yasin

ISSN : 2349-0950
Printed at: Alpha Art, Noida, U.P.

Iran Culture House-18 Tilak Marg- New Delhi-110001
Phone No: 23383232, 33, and 34، Fax: 23387547
ichdelhi@gmail.com، newdelhi.icro.ir

RAH-E-ISLAM

An Urdu Quarterly Research Journal
of Islamic and Cultural Studies

NO : 245-246-247
March-November 2019

Iran Culture House
18 Tilak Marg
New Delhi-110001